"جگت استاد" حافظ عبدالرحمٰن خاں احسانؔ

استادِ شاہ عالم ثانی

"کلیاتِ احسان"

مؤلفہ و مرتبہ

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ریڈر شعبۂ اردو

جامعہ عثمانیہ

rekhta

روشن ضمیر ہوں میں روشن خیال ہوں
مجھ کو تراشو میں ہیرے کی مثال ہوں

مسکین مظہر علی خان



Pdf By Misken Mazhar Ali Khan

مؤلف و مرتب ... ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

ناشر .... ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

مطبع .... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

....

تعداد ۵۰۰

تاریخ طباعت ...... ستمبر ۱۹۶۸ء

قیمت .... ۸ روپے

ملنے کے پتے

(۱) پھول بن ۲-۲-۱/۱۲ اندرا نگر یونیورسٹی روڈ حیدرآباد

(۲) اعجاز پرنٹنگ پریس۔ چھتہ بازار حیدرآباد - ۲

(۳) ادبی ٹرسٹ بک ڈپو۔ عابد روڈ حیدرآباد

اِنتساب

رَفیقِ زِندَگی کے نَام......

رفیعہ سلطانہ

rekhta

فہرست مضامین



(عکس قلمی) حافظ عبد الرحمن خان احسآن

فہرست مآخذ

اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں جملہ شعرائے اردو کے تذکرے دیکھنے کا اتفاق ہوا فہرست ان ہی کتب اور تذکروں کی درج ہے جن سے استفادہ کیا گیا۔

(۱)	نکات الشعراء	میر تقی میرؔ
(۲)	مخزن نکات	قیام الدین قائمؔ
(۳)	عمدہ منتخبہ	اعظم الدولہ سرورؔ
(۴)	گلشن بے خار	مصطفےٰ خاں شیفتہؔ
(۵)	گلستان بے خزاں	قطب الدین باطنؔ
(۶)	طبقات شعرائے ہند	کریم الدین پانی پتی
(۷)	آبِ حیات	محمد حسین آزاد
(۸)	خم خانہ جاوید	سری رام
(۹)	آثار الصنادید (پہلا اڈیشن)	سرسید احمد خان
(۱۰)	آثار الصنادید (دوسرا ایڈیشن)	سرسید احمد خان
(۱۱)	فہرست کتب خانہ ہائے شاہ اودھ	اسپرنگر
(۱۲)	یادگار شعراء۔ تذکرہ شعراء اسپرنگر	ترجمہ۔ طفیل احمد
(۱۳)	گلستانِ سخن	مرزا قادر بخش صابرؔ
(۱۴)	مغل اور اردو	نصیر حسین خان خیالؔ

(۱۵) مضامین فرحت حصہ ششم — فرحت اللہ بیگ دہلوی
(۱۶) دلی کا دبستان شاعری — ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی
(۱۷) تذکرہ سراپا سخن — محسن
(۱۸) خطبات گارسان دی تاسی — مترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں و پروفیسر عزیز احمد۔
(۱۹) خطبات گارسان دی تاسی حصہ دوم
(۲۰) مقالات " " — اختر حسین رائے پوری و عزیز احمد
(۲۱) " " " — "
(۲۲) مرقع زبان دہلی — سید احمد دہلوی
(۲۳) روزنامچہ (وقائع عالم شاہی) — امتیاز علی عرشی
(۲۴) تاریخ ادب اردو — سکسینہ
(۲۵) سخن الشعراء — عبدالغفور نساخ
(۲۶) تذکرہ طور کلیم — نورالحسن حان
(۲۷) اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر — ڈاکٹر محمد حسن
(۲۸) دیوان معروف
(۲۹) مجموعۂ نغز — مرتبہ محمود شیرانی
(۳۰) گلدستہ نازنینان — کریم الدین پانی پتی
تذکرہ "ضیغم" — عبد اللہ خان ضیغم۔
(۳۰) دیوان ذوق — تنویر احمد علوی

(۳۰) دیوان ذوق	محمد حسین آزاد
(۳۱) دیوان مومن	
(۳۲) دیوان شاہ نصیر	قلمی
(دیوان ممنون	مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ
مرزا رفیع سودا	خلیق
بہادر شاہ ظفر	خواجہ تہور حسین

rekhta

پیش نامہ

اردو شعروادب کی اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ اردو شعروادب کے کئی گوشے ابھی زیرِنقاب ہیں۔ اردو ادب کے کارناموں کی مستند اور مفصل تاریخ ابھی تک نہیں لکھی گئی رام بابو سکسینہ اور محمد حسین آزاد کے گنائے ہوئے مصنفین کے کارناموں کے علاوہ ہمارے معلّم اور متعلم بیشتر اردو ادیبوں اور شاعروں سے ناواقف ہیں جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے شعروادب کی آبیاری کی تھی لیکن تحقیق کی نظر ان پر نہ پڑسکی اور وہ زینتِ طاقِ نسیاں ہوکر رہ گئے۔ جامعات میں طلبا کی کثیر تعداد تحقیق میں مصروف تو نظر آتی ہے لیکن چبے ہوئے نوالوں کو چبانا محققین کا کام رہ گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے معلم اور متعلم اردو ادب کے بحر میں غوطہ زنی کریں اور نئے نئے "گوہرِ آب دار" نکالیں کیونکہ مانگے تانگے کے موتیوں کی آب اب ماند پڑگئی ہے۔ اب سکسینہ اور آزاد کے ایڈیشنوں کو دہرانے کی اس میں اضافہ کی ضرورت ہے تاکہ اردو ادب کی دوسری مفصل تاریخ لکھی جاسکے۔

اسی خیال نے مجھے اردو شاعری کے "دورِ زریں" کے اس جگت استاد کے دیوان کی ترتیب وتہذیب پر اکسایا جس نے میر وسودا سے لیکر ذوق وغالب کا زمانہ دیکھا۔ دربارِ دہلی میں شاہ نصیر۔ ذوق اور ممنون سے معرکے کئے لیکن معاصر تذکرہ نگاروں کی عصبیت اور

جانب داری نیز اپنی خلوت پسندی اور "استاد شہ" کے تفوّق نے لوح جہاں سے یوں مٹا دیا گویا وہ "حرف مکرر" تھا۔ اسی طرح نہ جانے اردو ادب کے بحر ذخار میں اور کتنے گہر آب دار ہونگے جو سینہ صدف ہی میں محفوظ ہو گئے۔

احسان کا ذکر یوں تو اکثر تذکروں میں ملتا ہے، حتیٰ کہ محمد حسین آزاد اور رام بابو سکسینہ بھی ان کا ذکر کئے بغیر نہ رہ سکے لیکن نہ تو حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی نہ نمونہ کلام دیا۔ آزاد نے اپنے استاد (ذوق) کے حریف و حلیف کو پس پشت ڈال دینا ہی بہتر سمجھا۔ اس کے بعد مابعد تذکرہ نگاروں نے انھیں بالکل فراموش کر دیا۔

چند سال قبل استادِ محترم پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری نے "آجکل" میں ایک مضمون لکھ کر احسان کے نام سے اردو دنیا کو روشناس کرایا۔ اس مضمون کو پڑھ کر مجھے احسان کے کلام کی صفائی اور میر کے الفاظ میں "ادا" پسند آئی اور میں ان کے دیوان کی کھوج میں رہی۔ پروفیسر سروری ہی نے اپنے مضمون میں ان کے تین دیوانوں کی نشاندہی کی تھی۔ جس میں ایک سری رام دہلوی کا مملوکہ تھا اور دوسرا ان کے کنواسے آغا حیدر حسن کا مملوکہ۔ سنہ [illegible] میں پروفیسر صاحب کو اپنے کسی کام سے پٹنہ جانا پڑا۔ وہاں کی خدا بخش لائبریری میں دیوان احسان کا ایک نسخہ نظر سے گذرا۔ انھوں نے از راہِ مہربانی میرے لئے اس کی نقل فراہم کر دی۔ دو سال بعد جب میں فرحت اللہ بیگ پر ایک مضمون تیار کرنے ان کے مضامین کے مجموعے پڑھ رہی تھی فرحت اللہ بیگ صاحب کا احسان پر ایک طول طویل مضمون نظر سے گذرا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا چوتھا نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں بھی محفوظ ہے۔ اُسے دیکھ کر احسان کے کلام کی خوبیوں نے اور بھی گرویدہ کر دیا میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ آغا صاحب سے مخطوطہ مانگ لوں کہ آغا صاحب کا پیرس جانا ہوگیا اور بات ادھوری رہ گئی۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ "کلیات احسان" کا مائیکرو فلم (micro film)

میری عزیز شاگرد بیگم نزہت معظم علی نے فراہم کر دیا جو آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ یہ سب سے زیادہ مکمل نسخہ ہے۔ اور اس کے لئے میں ان کی ازحد ممنوں ہوں اگر عزیزہ نزہت نے اس کا نہ بھیجا ہوتا تو شاید میرا کام تکمیل کی منزل سے نہ گذرتا۔ آغا صاحب کی واپسی کے بعد موصوف نے ازراہ عنایت اپنا مملوکہ نسخہ مجھے عطا فرمایا جس کے لئے میں صاحب موصوف کی شکر گذار ہوں اس طرح چار نسخوں سے اس کا متن تیار کیا گیا۔ دوسرا مرحلہ جامعہ عثمانیہ کی لائبریری میں ریکارڈنگ مشین کی عدم دستیابی تھا۔ وہ مرحلہ جناب ڈاکٹر ماڈک اور پروفیسر ملڈہ نگران امریکن ریسرچ سنٹر کی امداد سے طے ہوگیا۔ جس کی وجہ سے میں امریکن ریسرچ سنٹر کی ریکارڈنگ مشین سے استفادہ کر سکی۔

اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں میں استاد محترم پروفیسر سید محمد صاحب کی خاص طور پر ممنوں ہوں۔

راقمہ

رفیعہ سلطانہ

مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۸ء

پھول بن ۔ ۲-۲-۱۲/۱

اندرا نگر۔ یونیورسٹی روڈ ۔ حیدرآباد۔

rekhta

مقدّمہ

عبدالرحمٰن خاں احساؔن کی شخصیت "لوحِ جہاں" پر حرفِ مکرر کی سی تھی جسے زمانے نے اس لئے مٹا دیا کہ اس کی تکرار "دبستانِ دہلی" کے تمام شعرا کے ہاں ہو چکی تھی۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ اس نے "نقل" کو تو اہمیت دی لیکن "اصل" کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ شاہ نصیرؔ، ممنوںؔ، ذوقؔ کو اردو شاعری کی تواریخ میں نہ صرف جگہ ملی بلکہ اہمیت دی گئی اور اس شاخ کو قطع کر دیا جس کے یہ برگ و بار تھے۔ اس کی وجہ بظاہر آبِ حیات کی حد تک تو مصنف کی استاد پرستی معلوم ہوتی ہے اور کچھ احساؔن کی طبیعت استغنا اور نام و نمود سے دور رہنے کی خواہش یا "پیر استاد شہ" ہونے کا فخر جو انھیں عوام سے قریب نہ کر سکا۔

اس کا ثبوت اس زمانے کے تذکرے ہیں جن میں سے تقریباً سب ہی تذکروں میں (بجز ان تذکروں کے جو احساؔن کی شاعری کا غلغلہ بلند ہونے سے پہلے لکھے گئے[1]) سب ہی میں احساؔن کی علمیت اور شاعری کی شہرت کو سراہا گیا ہے۔ "آبِ حیات" کی تصنیف کے بعد احساؔن کی شہرت کا آفتاب گہنا گیا پھر جس نے بھی تذکرہ کیا سرسری کیا

---

[1] نکات الشعراء، تذکرۃ الشعراء۔

بعض تذکرہ نگاروں نے تو سرے سے احساؔن کے نام تک کو اڑا دیا "دبستان دہلی" کے فاضل مصنف نے ان تمام شعرا کا ذکر کیا جن کے پاس متاع علم تھی نہ سرمایہ فکر مگر احساؔن کو درجہ دوم کے شعرا میں بھی جگہ نہیں دی۔

سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید کے پہلے اڈیشن ۱۸۵۴ء میں جو مطبع سید الاخبار میں چھپا تھا مشاہیر دہلی کے تحت احساؔن کو جگہ دی نہ صرف شاعری کو سراہا بلکہ علمیت کی بھی داد دی سرسید لکھتے ہیں:-

"سخن سنج، دقیقہ گزیں، معنی رس، خوردہ بین، یگانہ جہاں فرید آوان حافظ عبد الرحمٰن خاں احساؔن استعداد کتابی نہایت اور تحقیق مصطلحات بغایت ریختہ گوئی کو کمال اور زبان اردو کو نہایت جمال بخشا ساٹھ ستر برس کی مشق دلالت کرتی ہے کہ کیسا ملکہ اصناف سخن میں بہم پہونچا ہو گا۔ صنعت تجنیس و اشتقاق بیشتر ان کے کلام بلاغت نظام میں مستعمل ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ان صنعتوں کو اپنے سخن میں اچھی طرح سے بنھایا ہے۔ قلعہ معلیٰ میں بیشتر سلاطین انھیں کے شاگرد ہیں باوجود ضعف پیری کے سخن میں ہنوز شوخی جوانی کی موجود ہے۔"[1]

مندرجہ ذیل اشعار بھی دئے ہیں۔

اشعار ریختہ

سخت نادانی کی احسان جو کہا عاشق ہوں ۔۔۔ بھید کہتا ہے کسو سے کوئی دانا دل کا

میرے آتے ہی بس نیند آئی تو اب ۔۔۔ یہ اپنی چشم پوشی دیکھتا جا

---

[1] آثار الصنادید ص ۳۲۶ مطبوعہ ۱۸۵۴ء

"آثار الصنادید" کے دوسرے ایڈیشن ۱۸۷۶ء (نول کشور) کے بعد کی اشاعتوں میں یہ حصہ حذف کر دیا گیا۔

کریم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعرائے ہند ۱۸۴۷ء اور "تذکرہ نازنینان" میں احسان کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ تذکرہ سے پتہ چلتا ہے کہ کریم الدین کے احسان سے دوستانہ تعلقات تھے۔ کریم الدین نے شعرا کے چار طبقات بنائے ہیں۔

طبقہ اول میں

میر۔ سودا۔ مظہر جان جاناں۔ میر درد۔ سوز۔ آرزو اور۔ آبرو کو شامل کرتے ہیں۔

طبقہ دوم میں

مصحفی۔ جرات۔ انشا۔ رنگین کو شامل کیا ہے۔

طبقہ سوم میں۔

نظام الدین ممنون۔ شاہ نصیر۔ اور نظیر کا ذکر کیا ہے۔

طبقہ چہارم میں ان شعرا کا حال ہے جو مصنف کے زمانے تک بقید حیات ہے اس دور کے شعرا میں وہ مومن۔ فراق۔ انشا۔ عارف۔ غالب۔ آتش ناسخ کو استادان کامل جانتے ہیں۔ کریم الدین صاحب کی ترتیب زمانی غلط ہے کیوں کہ احسان کی شاعری ممنوں اور شاہ نصیر سے پہلے شروع ہو چکی تھی[۱]۔ اور بقول سری رام دہلوی مصنف خم خانہ جاوید[۱] "شاہ نصیر سے ان کے مطارحات بھی ہوتے تھے۔ اس غلط ترتیب کی اصلاح حالات میں کر دی ہے لکھتے ہیں

۱۔ ملاحظہ کیجئے تذکرہ خم خانہ جاوید حصہ اول صفحہ ۱۴۹۔

"یہ صاحب بڑے پرانے پرانے استادوں مسلم الثبوت شاہ جہاں آباد فرخندہ
بنیاد اور عمدوں اور امیروں اس شہر لطافت سے شمار کیے جاتے ہیں۔ عمر
ان کی قریب اسی برس کی ہے حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ کے وقت
سے فکر اشعار کرتے ہیں اور قلم اصلاح اشعارات[1] اکثر مرشد زادگان والا تبار اور
شرفا زادگان ذی وقار اور نظر تحقیق الفاظ کے کتب درسیہ فارسی کچھ عربی پر حاوی ہے۔
کریم الدین صاحب نے بھی ان کی شاعری کی ان ہی کی خصوصیات کی طرف اشارہ
کیا ہے جس کی طرف سرسیّد نے اشارہ کیا تھا۔ یعنی
"اشعار عاشقان ان کے سننے والوں کے دلوں میں موثر کامل اور اہل مذاق
کے خیالوں میں ناخن زن۔ صنائع لفظی مانند تجنیس و اشتقاق اور طباق وغیرہ کے
نامور بدائع لفظی میں مثل ایہام وغیرہ کے باخبر"
راقم کو بھی تفاخر یک جانبی حاصل ہے۔" آگے چل کر کہتے ہیں
دیوان ان کا بہ تمامہ فارسی اور ریختہ میں دیکھنے میں آیا"
اپنے دوسرے تذکرہ "گلدستہ نازنینان"[2] میں دوبارہ ان کا ذکر ان الفاظ
میں کیا ہے۔
"یہ صاحب پرانے استادوں میں سے ہیں "جگت استاد" ہیں یعنی شاہ عالم
بادشاہ غازی سے آج تک قلم اصلاح ان کا جاری ہے اور اس شہر میں اکثر بادشاہ
زادے اور اکثر صاحبان ذوق دم شاگردی ان کا بھرتے ہیں۔ اور فارسی داں بھی بڑے
رتبہ کے، باوجودیکہ ان کی عمر قریب عمر طبعی کے پہونچ گئی ہے مگر بہ تیزی حواس اور ذہن
کے اب تک اصلاح شعر دئے جاتے ہیں اور بعضوں کو کتب فارسی بھی پڑھاتے ہیں

---

[1] "شعارات" کریم الدین صاحب کی جدت معلوم ہوتی ہے۔
[2] "گلدستہ نازنینان" کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب کہتے ہیں کہ شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب ہے۔ جو ایک مشاعرہ کے
... ۱۸۲۲ء میں دلی میں ہوا تھا۔ اس میں سب ہی کہنہ مشق شعراء نے شرکت کی تھی

یہ لفظ کی تحقیق خوب کرتے ہیں مگر تجنیس اکثر برتتے ہیں۔

تذکرہ سرور یعنی عمدۂ منتخبہ ان کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔ اس میں مصنف نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

یہ سرور تذکرہ احسان کی وفات (۱۲۶۷ھ) سے سینتالیس[44] سال قبل لکھا گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف (اعظم الدولہ) سے بہ سبب ہم سائگی ربط خاص تھا۔ دونوں کی بچپن سے دوستی تھی۔ سرور بھی ان کی "صحت محاورہ" اور "شعر برجستہ" کی تعریف کرتے ہیں اور نزاکتِ لفظ و معنی کو ان کا اجارہ سمجھتے ہیں۔

ان تذکروں میں قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ "مجموعہ نغز" (۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء) سب سے قدیم یعنی اس وقت کا ہے جب احسان کی عمر اڑتیس[38] انتالیس[39] سال کی تھی قدرت اللہ قاسم ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جوانے است بتین با تمکین خوش اختلاط۔ کشادہ پیشانی سراپا محبت۔ سراسر مہربانی"

عبدالغفور نساخ نے "سخن الشعراء" میں ان کا ذکر احتراماً کیا ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور حکیم قطب الدین باطن نے اپنے تذکروں "گلشن بے خار" اور "گلستان بے خزاں" میں احسان کی شاعری اور علمیت کی بہت داد دی شیفتہ بھی سرسید کی طرح ان کی شاعرانہ خوبیوں یعنی صنائع لفظی مانند تجنیس و اشتقاق و طباق وغیرہ کے معترف ہیں شیفتہ نے بھی احسان کو شاہ عالم کے دور کا شاعر اور ان کے دربار سے متوسل بتایا ہے کہتے ہیں

"احسان تخلص حافظ عبدالرحمٰن خاں از سخن طرازان عہد حضرت فردوس منزل شاہ عالم سالہا بہ عہدہ مختاری سرکار مرزا ایزد بخش بہادر سرفراز ماند

---

[44] تذکرہ کی تاریخ احسان نے "سرو ادل شاعران جہاں" ۱۲۲۰ھ سے نکالی ہے۔

باوجود پیرانہ سالی اکثر و بیشتر شامل بزم مشاعرہ می شود و اشعار ی عاشقانہ زرش ناخن بہ دل زن ۔ در صنائع لفظی مانند جناس و اشتقاق وطباق وغیرہ اصرار از حد افزوں دارد وبا راقم تعارفش ہست اخلاقش نیک است و دیوانش ملاحظہ شد"

قطب الدین باطنؔ نے ان کی مضمون آفرینی اور صنائع اور بدائع کے استعمال کی داد اسطرح دی ہے۔

"احسان تخلص حافظ عبدالرحمن خاں نام شاعر عالی مقام چہرہ آرائے شاہد سخن شانہ کش طرح مضمون شکن در شکن طبع دقیقہ سنج بہ صنعت تجنیس و رعایت شعر نہایت نکتہ رس، باوجود پیرانہ سری ضائع بدائع شعر میں جوان ہوش۔ صاحب خلق نیک طبع نازک خیال دُرِ مضمون سے صدف فکر مالا مال

تذکرہ طور کلیم مصنفہ نور الحسن خاں نیز "حدیقہ محمدی" میں بھی نور الحق خلق نے شہادت دی کہ

حافظ عبدالرحمن خاں دہلوی برعہدہ مختاری مرزا فرخندہ بخت نامزد بود بہ ضائع لفظی خیلے گرایش داشت وبا ایں ہمہ سخن سادہ و پرکاری راند"

اسپرنگر نے اپنے تذکرۃ الشعراء[1] میں احسانؔ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسپرنگر کے بیان کے بموجب احسانؔ شاہ عالم کے درباری شاعر تھے۔ اور شاہ زادوں کے اشعار کی اصلاح کیا کرتے تھے[2] انھوں نے اردو فارسی میں اشعار کہے (تذکرہ جات ذکا و قاسم) پہلے ان کا تخلص رحمانؔ تھا۔ انھوں نے دہلی میں ۱۸۵۱ء؁ میں سن رسیدہ ہوکر وفات پائی۔

نہ جانے اسپرنگر کو رحمانؔ تخلص کہاں سے معلوم ہوا نیز تاریخ وفات بھی غلط

---

[1] اس کا تذکرہ محمد طفیل احمد نے یادگار الشعراء کے نام سے کیا ہے۔
[2] شاگرد حضرت احسانؔ کی اصطلاح مغالطہ ہے اگر مصنف کی مراد تلمیذ الٰہی ہے تو حضرت کا لفظ بے معنی ہے۔

دی ہے۔ احسان کا سنہ وفات ۱۸۵۰ء تذکرہ ۱۸۵۱ء

گارساں دی تاسی نے اپنی تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی میں احسان کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ

"بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے"[1]

"خطبات اور مقالات" میں ایک جگہ ان کے پوتے احسان الرحمٰن خاں ڈائرکٹر محکمہ تعلیم حیدرآباد کے ضمن میں لکھا ہے کہ

"میں نے ان کے خاندان کا تفصیلی تذکرہ اپنی تاریخ میں کیا ہے"۔[2]

ان معاصر اور مابعد تذکروں میں سب سے زیادہ تفصیل ان کے شاگرد مرزا قادر بخش صابر نے (جو سلاطین زادے تھے) کے تذکرہ گلستان سخن میں ملتی ہے۔ صابر نے احسان کے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔ لیکن صابر نے بھی ان کے خاندانی حالات پر زیادہ روشنی نہیں ڈالی ان کی علمیت اور قابلیت کا بڑی شدت سے اعتراف کیا ہے البتہ اس تذکرے سے ان کے تلامذہ کی کثیر تعداد کا حال معلوم ہوتا ہے۔ صابر نے مندرجہ ذیل الفاظ میں احسان کو خراج عقیدت ادا کیا ہے

"احسان تخلص زبدہ کملائے روزگار اسوہ نتائج قرون و ادوار بانی بنائے سخن وری گلشن پیرایہ حدیقہ معنی پروری طرازندہ و سادہ کمال زیب مسند جلال و جمال مسند الیہ فضل و افضال جامع مراتب تکمیل و اکمال مصدر علم و معدن حلم حامی افاضل زمان معاذ نیایندگان جہاں مرجع تارب کلاب ہر فن تاب مالک کشور ندایان سخن عیار اغترانے نقد ہنر عیار گیر معنی بروران سخن گستر سلاطین زمان

---

[1] یہ بیان مولوی فرحت اللہ بیگ کے مضمون سے ماخوذ ہے۔ میں نے گارساں دی۔ تاسی کی تاریخ کے حصول کی کوشش کی لیکن افسوس اس معاملے میں کسی فرانسیسی داں نے میری رہنمائی نہ کی۔

شاگرد حضرت رحمان[1] حافظ عبد الرحمٰن خان خلف مقبول انام قدوۃ عظام استاد و مختار سرکار مرشد زادہ آفاق صاحب عالم مرزا فرخندہ بخت بہادر مرحوم ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ مبرور حافظ غلام رسول مغفور اس جناب فیض مآب کے اخلاق پسندیدہ احاطۂ تقریر سے بیروں اور اوصاف حمیدہ حوصلۂ تحریر سے افزوں ہیں۔ اگر علم وفضل کی توصیف زبان پر آوے اس آفتاب سے ایک ذرہ اور اس کتاب سے ایک حرف حوصلۂ گفتگو میں نہ سما دے"

اسی طرح دو تین صفحات تعریف میں بھرے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"فخر استادیٔ سلاطین صاحب اقبال اس سرگروہ ارباب ہنر کی ذات میں منحصر ہے حضرت شاہ عالم بادشاہ اور حضرت معین الدین اکبر شاہ بادشاہ نور اللہ مضجعہما سے لے کر حضرت خلافت پناہ سلطنت دستگاہ محمد سراج الدین بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ تک ادب استادی سے روز و شب ان کی تعظیم و توقیر کے سر رشتہ ہاتھ سے نہ دیتے تھے"

اس 'مدح' میں دو باتیں کام کی نکلتی ہیں۔ پہلی "شاگرد حضرت رحمان" اگر اس سے مراد 'تلمیذ الٰہی' ہے جیسا کہ ہر شاعر کو کہا جاتا ہے تو رحمان کے ساتھ حضرت کا لفظ بیجا ہے۔

دوسرے استادیٔ سلاطین حضرت شاہ عالم و حضرت معین الدین اکبر قابل غور ہے۔

صابرؔ نے ان کے بہت سے منتخب اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

لالہ سری رام دہلوی نے بھی اپنے تذکرہ خمخانۂ جاوید میں احسان کا ذکر مفص

---

[1] شاگرد حضرت رحمان کی اصطلاح مغالطہ دہ اگر مصنف کی مراد تلمیذ الٰہی تو حضرت کا لفظ بے معنی ہے۔

کیا ہے انھوں نے ان کے استاد کا نام نہیں لکھا۔ نیز یہ بھی واضح طور سے ہویدا نہیں ہوتا کہ وہ شاہ عالم کے استاد تھے۔ لیکن شاہ عالم کے دربار میں ان کی اہمیت اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ شاہِ عالم کی شاعری کی احسان[1] اصلاح کرتے تھے۔

لالہ سری رام نے احسان کے سفر لکھنو کا بھی حال لکھا ہے انھوں نے بھی احسان کی علمیت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"فارسی کی زبردست استعداد رکھتے تھے۔ اساتذۂ فارسی کے ہزاروں شعر آپ کو زبانی یاد تھے۔ اور جب کوئی آپ کے شعر میں کسی لفظ یا ترکیب پر اعتراض کرتا تھا آپ تڑاق سے سند میں استادوں کا کلام پیش کر دیا کرتے تھے۔"

"استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ پوری پوری غزلیں اور مختلف اشعار مع تخلص نوک زباں رہتے تھے۔"

آگے چل کر کہتے ہیں

"زبان کی صفائی، الفاظ کی شستگی اور برجستگی میں آپ نے بڑی کدو کاوش کی جہاں تک بنا مغلق الفاظ پیچیدہ تراکیب اور تکرار اضافت کو نہ آنے دیا وہاں رعایت لفظی و معنوی سے منہ نہ موڑا تاہم طرز بیان نہایت سہل اور بے تکلف ہے۔"

محمد حسین آزاد نے "آب حیات" میں عہد شاہ عالم ثانی۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے بیشتر شاعروں کا ذکر کیا لیکن اپنے استاد شیخ ابراہیم ذوق کے حریف اور حلیف کا ذکر سرسری سا کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کے دوسرے حریف شاہ نصیر کے بیان میں وہ کئی صفحات لکھ گئے ہیں۔[1]

---

[1] ذوق کے استاد کا نام حافظ غلام رسول بتایا گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ذوق نے احسان کے والد حافظ غلام رسول کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہو! میں نے اس معاملے میں کافی چھان بین کی۔ لیکن حافظ غلام رسول پیش امام کے

آبِ حیات میں احسانؔ کا تذکرہ ضمناً ملتا ہے ایک تو نجم الدین مبارک آبرو کے اس شعر پر

جہاں اس خو کی گرمی تھی نہ تھی واں آگ کو عزت
مقابل اس کے ہو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

احسانؔ کے مندرجہ ذیل شعر کو ترجیح دی ہے۔

دخترِ رز سے کہا مے خانے میں شب رندوں نے
آج تو خوب ہی تختے تیری سوکن کو لگے"

دوسری جگہ شاہ نصیرؔ کے ذکر میں دبی زبان سے احسانؔ کی شاعری کا لوہا اسطرح مانا ہے۔ شاہ نصیر کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"جن سنگ لاخ زمینوں میں گرمیٔ کلام سے وہ مشاعرہ کو تڑپا دیتے تھے اوروں کو غزل پوری کرنی مشکل ہوتی تھی اکثر بزرگ پرانے مشاق علوم تحصیل میں ماہر کامل تھے مثلاً حکیم ثناء اللہ خاں فراقؔ، حکیم قدرت اللہ قاسمؔ شاگرد میر درد میاں ٹکیا شیخ ولی اللہ محبؔ حافظ عبد الرحمٰن خاں احسانؔ سب ان کے دعوے سنتے مگر منہ سے اف نہ کر سکتے تھے۔"

اسطرح شاہ عالم کے زمانے سے ان کی شعر گوئی مسلّم تھی یہ امر البتہ باعثِ حیرت ہے کہ اس زمانے کے لکھے گئے اکثر تذکروں مثلاً نکات الشعراء (میر تقی میرؔ) طبقات الشعراء، مخزن نکات (قائمؔ)، "تذکرہ ہندی گویاں" مصحفیؔ اور "عقد ثریا" (مصحفیؔ) اور "گلشن ہند" (مرزا علی لطف) میں احسان کا نام کیوں نہیں؟ میر کا تذکرہ نکات الشعراء ۱۱۶۵ھ احسانؔ کی ولادت سے قبل کا لکھا ہوا ہے اسلئے

اس میں احسان کا تذکرہ نہ ہونا باعث تعجب نہیں۔ یہی حال قائم کے مخزن نکات کا ہے چونکہ یہ بھی ۱۱۶۸ھ کی تصنیف ہے۔ میر حسن کا تذکرہ طبقات الشعراء ۱۱۸۸ھ سے ۱۱۹۲ھ کے دوران لکھا گیا یعنی اس وقت جب احسان کی عمر نو دس سال کے لگ بھگ تھی۔

معاصر تذکرہ نگاروں میں "مصحفی" اور مرزا علی لطف کا احسان کے ذکر سے اغماض باعث حیرت ہے۔ مرزا علی لطف نے چونکہ علی ابراہیم خلیل کے فارسی تذکرہ سے استفادہ کیا تھا اس لئے ممکن ہے احسان کا ذکر نہ کیا ہو "مصحفی" نے بھی غالباً رشک کے سبب ان کا ذکر اڑا دیا چونکہ مصحفی شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار سے وابستہ تھے اور احسان کا تعلق خاص شاہ عالم کے دربار سے تھا اس لئے ممکن ہے انھوں نے عمداً احسان کو نظر انداز کر دیا ہو۔ سید احمد دہلوی نے اپنے مختصر رسالہ "مرقع زبان دہلی" میں گذشتہ دہلی کی تصویر اس طرح کھینچی جس طرح شرر نے "گذشتہ لکھنو" میں کھینچی تھی۔ اس میں شاہ عالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عالی گہر شاہ عالم ثانی نے اس طرف پوری پوری توجہ فرمائی چوں کہ خود شاعر تھے اور شاعرانہ مذاق رکھتے تھے اس وجہ سے شعراء کی زیادہ خاطر و مدارات اور قدر دانی فرماتے تھے۔"

"آفتاب ان کا تخلص تھا چار دیوان کہہ ڈالے تھے نثر میں بھی ایک ضخیم کتاب تصنیف کی تھی۔"

سودا، میر، نصیر، انشاء، اعظم، زار، ممنون، احسان، قاسم، فراق

یہ سب آپ ہی کے زمانے کے شاعر اور آپ ہی کی سلطنت کے مداح ودعا گو تو تھے جنھوں نے اپنے کلام سے اپنی بالغ نظری، عالی دماغی سے غضب ڈھایا تھا۔

مولوی فرحت اللہ بیگ نے اپنے مضامین کی جلد ششم میں حافظ عبدالرحمٰن احسان کی شاعری پر ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے ان کے خاندانی حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کی معلومات کا ماخذ آغا حیدر حسن صاحب سابق پروفیسر اردو نظام کالج کی یادداشتیں ہیں جن کا احسان کے خاندان سے تعلق ہے۔ فرحت اللہ بیگ صاحب کے مضمون سے احسان کے خاندان کی تفصیلات ہی نہیں معلوم ہوتیں ان کی شاعری کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔

ان کی شاعری ایک طرح سے جدید و قدیم کا سنگم ہے۔ مواد کے اعتبار سے یہ جدید ہے اور اسلوب کے اعتبار سے قدیم ـــ جدید اس طرح کہ احسان کے کلام میں نہ صرف اس دور کی تحریکات اور رجحانات کا عکس ملتا ہے بلکہ عاشقانہ مضامین کے بیان میں بھی جدت ہے۔ بڑی چیز یہ کہ احسان نے قصائد نہیں لکھے وہ اظہار خیال کے لئے صرف "غزل کا سانچہ" استعمال کرتے ہیں لیکن اس "کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ ان کا جام غزل صحیح معنوں میں "جام جمشید" ہے جس میں مغل سلطنت کے زوال کی پوری جھلکیاں منعکس ہیں۔ بادشاہ کی بے بسی، امراء و عمائدین کی خودغرضی، عوام کی عیش پسندی سب ہی کو انھوں نے اپنی غزلوں میں بیان کر دیا ہے۔ ان کی غزلوں میں نظموں کی سی "خارجیت" ہے۔

خاندان فرحت اللہ بیگ صاحب کے بیان کے بموجب احسانؔ کے اجداد بخارا اور ہرات سے ہوکر تغلق کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے۔ یہ دو بھائی تھے جن کو عیسیٰ خاں (عیسوی خاں) اور موسیٰ خاں کے خطاب عطا ہوئے تھے۔ یہ خطاب ان کے خاندان میں آخری زمانہ تک یعنی خاندان مغلیہ کے زوال تک رہے اس خاندان کے ذمے سلاطین مغلیہ کے شاہزادوں اور شاہزادیوں کو قرآن شریف پڑھانے کی خدمت تفویض تھی۔ چنانچہ احسانؔ کے والد حافظ غلام رسول محمد شاہ اور احمد شاہ کے زمانے میں شاہ زادوں اور شاہ زادیوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ احسانؔ کے والد کا خطاب موسیٰ خاں[1] محب الدولہ تھا جن کی شادی قمرالدین خاں (وزیر محمد شاہ) کے فرزند بدرالدین خاں کی بیٹی سے ہوئی اور ان ہی کے بطن سے ۱۱۸۲ھ میں حافظ عبدالرحمٰن خاں پیدا ہوئے یہ مکان بدرالدین خاں کی وفات کے بعد ان کی بیٹی کے حصے میں آیا اور ان سے حافظ احسانؔ کو ترکہ میں ملا جو غدر تک احسانؔ کے خاندان کے قبضے میں رہا۔

حافظ غلام رسول کی قلعہ شاہی سے توسل کی گواہی اس دور کے اکثر تذکرہ نگاروں نے دی ہے۔

اعظم الدولہ سرورؔ "عمدۂ منتخبہ" میں احسانؔ کے والد کے متعلق کہتے ہیں۔

"حافظ عبدالرحمٰن احسان خلف الرشید حافظ غلام رسول پیش امام حضور والا"

اس کی تصدیق قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرہ "مجموعہ نغز" میں اسطرح کی ہے۔

---

[1] ان ہی موسیٰ خاں کے بھائی عیسیٰ خاں تھے۔ جن کی ایک نثری تصنیف "قصۂ دلبر و مہر افروز" کو حال ہی میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب سابق صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ نے مدون کرکے طبع کیا احسان نے اپنے ایک شعر میں عیسیٰ اور موسیٰ کو بڑی خوبی سے نظم کیا ہے۔

[2] "سوراخ ہیں دل میں اور چشم بھی ہے" "چشم موندنا (آنکھ بند کرنا محاورہ)"

"پدرش بہ پیش امامی حضور والاعز و امتیاز داشت و بہ ورع و تقویٰ بقدرِ ہمت می گماشت"

ناصر نے ان کے والد کا نام نہیں لکھا نساخ کے تذکرہ سے ان کے والد کا نام حافظ غلام رسول خاں معلوم ہوتا ہے۔

خود احسان نے اپنی عالی نسبی کا ذکر ایک قطعہ میں اس طرح کیا ہے۔

قطعہ

ہوں فضلِ حق سے وہ دریکتائے بحرِ فضل
افضل سمجھتے ہیں میرے طالب شاہ و گدا

ایسا ہوں میں یگانہ آفاق ہاں نہیں
مجھ سا تو اس سرائے سپنجی میں دوسرا

طوطی ہند کہوے تجھے جگ جگ توجی بیاں
کہتی ہے روحِ بلبل آمل کے مرحبا

احسان نہ ملک معنی طبع رسا ہوں میں
ٹھیرا ہوں نارسائی طالع سے نارسا

اب تو نسب کو سن کہ میرا جد ہے بالیقیں
عم رسول حضرت عباس باخدا

لیکن ہوں تیرے سامنے بے قدر اسقدر
تیرا نہیں گناہ مری ہے یہی سزا

جرم من است پیش تو از قدرِ من کم است
خود کردہ ام پسند خریدار خویش را[1]

دوسرے قطعہ میں خاندانی نجابت اور وجاہت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

قطعہ

شاہ جیلاں کے غلاموں میں ہم ہیں
رتبہ اپنا ہے بلند اور ولی ہمت پست

ہمت پست سے کچھ اپنی میں شدھ نہ رہی
رہی ہے خانہ عصیاں میں مدام اپنی نشست

[1] باوجودیکہ احسان کو شاہی دربار سے توسل تھا لیکن انھوں نے اپنے کلام میں اکثر جگہوں پر شاہ وقت پر چھینٹے اڑائے "خریدار خویش میں" بھی یہی طنز ہے۔

[illegible]

ہم ہوں دو چار عدد گرچہ ہوں دس بیس ہزار — ہم ہی غالب رہیں اغلب ہے نہ ہوگا شکست

ما بہر جا کہ نہادیم قدم فتح شد — غالباً ہمت صاحب نظری با ما ہست

فرحت اللہ بیگ صاحب نے ان کے والد کا نام موسیٰ خاں اور خطاب محب الدولہ بتایا ہے ان کے چچا کا نام عیسیٰ خاں تھا جن کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے ایک نثری قصہ بھی لکھا تھا۔

دہلی میں عیسیٰ خاں اور موسیٰ خاں دو بھائیوں کی موجودگی کا ذکر "آب حیات" میں بھی ملتا ہے۔ شاہ نصیر کے حالات میں آزاد لکھتے ہیں۔

"عیسیٰ خان اور موسیٰ خان دو بھائی دلی میں تھے مال و دولت کی بابت دونوں میں جھگڑا ہوا عیسیٰ خان ناکام ہوئے موسیٰ خان نے کچھ عدالت اور کچھ حکمت عملی سے سارا مال مار لیا۔ شاہ صاحب نے بطور ظرافت چند شعر کا قطعہ لکھا جس کا ایک مصرع ہے۔
ہوئی آفاق میں شہرت کہ عیسیٰ خاں کا گھر موسا۔"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان دہلی میں صاحب ثروت تھا۔ گارسان دی تاسی نے بھی اپنے تذکرہ میں احسانؔ کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ

"احسان ۱۲۴۹ھ میں بادشاہ کے دربار میں ایک بڑی خدمت پر مامور تھے۔"

اس طرح احسانؔ کا خاندان دہلی کا متمول اور صاحبِ ثروت خاندان تھا جسکے اکثر افراد شاہی دربار میں بڑی بڑی خدمتوں پر مامور تھے۔

احسانؔ کی ولادت

احسان کی ولادت فرحت اللہ بیگ صاحب کے بیان کے بموجب ۱۱۸۳ھ میں ہوئی لیکن لالہ سری رام کے بیان

[1] آب حیات میں یہ تشریح بھی ملتی ہے کہ دونوں بھائی شاعر تھے ایک کا تخلص آفاقی اور دوسرے کا شہرت تھا۔ اس سلسلے میں آنملو کو تسامح ہوا۔ یہ دو بھائی آفاقی اور شہرت دوسرے تھے جو مہاراجہ چندو لال کے زمانے میں حیدرآباد آئے تھے جن کا مہاراجہ نے وہ [illegible] بھی مقرر کر دیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے گلزار آصفیہ صفحہ ۲۲۵ و تذکرہ شعرائے دکن مصنفہ عبدالجبار ملکاپوری۔

کے مطابق احسان نے ۱۲۶۷ھ میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ جس کی رو سے احسان کا سنہ ولادت ۱۱۸۲ھ قرار پاتا ہے۔ اور یوں یہ امر مسلمہ ہو جاتا ہے کہ احسان نے تین بادشاہوں شاہ عالم ثانی۔ اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کا زمانہ دیکھا۔ ان کی استعداد علمی کا لوہا تقریباً سب ہی سوانح نگاروں نے مانا ہے۔

لالہ سری رام لکھتے ہیں۔

"علوم متداولہ اور اور فنون نفیسہ میں کامل دستگاہ تھی"

قادر بخش صابر کا بیان ہے

"مصدر علم و معدن حلم" تھے۔

استادِ شاہ

شاہ عالم ثانی آفتاب کے احسان سے تلمذ کا ذکر کسی تذکرہ میں وثوق سے تو نہیں ملتا تقریباً سب ہی تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ احسان شاہ عالم کے منجھلے بیٹے مرزا ایزد بخش فرخندہ بخت کی سرکار میں "مختار" کے عہدے پر فائز تھے۔ لیکن ہر ایک تذکرہ نگار نے شاہ عالم کی شعری محفلوں سے انکی وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ یوں دیکھا جائے تو شاہ عالم ثانی آفتاب کے استاد کے بارے میں مختلف رائیں ہیں کسی نے عظمی کسی نے انشا اور کسی نے سودا کا شاگرد بتایا ہے۔ اکثر تذکرہ نگار[1] اس بات میں خاموش ہیں اور کسی نے ان کے استاد کا نام نہیں لکھا۔ محمد حسین آزاد اور شیخ چاند نے مرزا رفیع سودا کو اس عہدہ پر فائز کرنا چاہا۔ لیکن خلیق انجم صاحب کی حالیہ تصنیف "سودا" میں اس روایت کی تردید ملتی ہے احسان سے تلمذ کا پتہ اندرونی شواہد سے اور سلاطین زادوں مرزا معز الدین ثابت اور مرزا قادر بخش صابر کے بیانات سے چلتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے دیباچہ مرزا ثابت۔

مرزا اعظم الدین ثابت نے اپنے دیباچہ میں صاف صاف اعتراف کیا ہے کہ

"اعلیٰ حضرت ایشان را استاد خود می فرمودند"

شاہ عالم کی "مجلس خاص" کے بارے میں مرزا ثابت لکھتے ہیں۔ [1]

"جب دیوان عام سے سب مجرائی سلام کر کے رخصت ہو جاتے تو بادشاہ محل سرا میں جاتے اور کھانے سے فارغ ہو کر محل سرا میں استراحت کے لئے آتے اُس وقت حافظ عبدالرحمٰن اور کچھ اور عمائدین موجود ہوتے شاہ عالم کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی اگر کوئی مصرعہ موزوں کر لیتے تو حافظ صاحب سے دوسرے مصرع کی فرمائش کرتے اگر کوئی شعر موزوں ہو جاتا تو غزل کی تکمیل کی فرمائش ہوتی اس وقت حافظ احسانؔ جس سرعت کے ساتھ شعر کہتے جاتے اس کے بارے میں مرزا ثابت لکھتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان کی پہلے سے کہی ہوئی غزل کے اشعار ہیں۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے مصرعہ دیا

؎ صبح بھی بوسہ تو دیتا نہیں اے ماہ مجھے

احسانؔ نے فی البدیہہ کہا

نامناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں!

ابو محمد خاں داروغہ خاصہ اور نور علی خاں وغیرہ جو حاضر تھے تعریف کرنے لگے اس پر مرزا ثابت نے اعتراض کیا کہ "وقت" اور "گاہ" دونوں ہم معنی واقع ہوئے ہیں یا تو وقت ہونا چاہیئے یا "گاہ" اس اعتراض پر احسانؔ نے تبسم کیا اور کہا کہ حضرت ابھی علم شعر سے نابلد ہیں اور یہ علم بغیر استاد کامل کی مدد کے حاصل ہونا دشوار بھی ہے۔ بادشاہ نے بھی احسانؔ کی تائید کی اور کہا کہ "حافظ جیو" اپنے وقت کے استاد ہیں۔

[1] ملاحظہ کیجئے دیباچہ مرزا ثابت

بغیر جانے یہ لفظ نہیں کہہ سکتے۔ ثابت نے پھر اصرار کیا کہ یہ لفظ فارسی ہے جب تک ولایت کے کسی استاد نے نہ باندھا ہو اعتبار کے قابل نہیں۔

احسانؔ نے شہزادہ کو مطمئن کرنے کے لئے صائبؔ کا یہ شعر سنایا

آدمی پیر چو شود، حرص جواں می گردد

خواب در وقت سحرگاہ گراں می گردد

بادشاہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "ہم نہیں کہتے تھے کہ ان سے خطا نہیں ہو سکتی۔" مرزا ثابت کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوا انھوں نے کہا "قبلہ عالم یہ شاعر ہیں خود تصنیف کر کے پڑھ سکتے ہیں اس جواب پر بادشاہ برہم ہوئے اور جواب جاہلاں باشد خموشی کہہ کر چپ ہو گئے۔ لیکن احسانؔ کے دل میں خلش باقی رہی چنانچہ دوسرے دن جب وہ محفل خاص میں آئے تو حیاتی گیلانی۔ علی نقی اور اشرف قزوینی کے اشعار بھی سند کے لئے لکھ لائے۔

ایک اور واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ شاہ عالم نے ایک مصرع کہا

"خدایا نہ دارم سِوا تو کسے را"

لیکن بادشاہ کو اس شعر میں شبہ تھا کہ "سوا تو" کی ترکیب درست ہے یا نہیں جب حافظ احسانؔ سے پوچھا تو کچھ اور لوگ جو موجود تھے اس کی تصدیق کرنے لگے لیکن بادشاہ نے انھیں یہ کہہ کر چپکا کر دیا کہ "میں ان سے پوچھ رہا ہوں"۔ حافظ احسانؔ نے جواب دیا "پیر و مرشد درست ہے" اور ساتھ ہی شافی تکلو کا یہ شعر سند کے لئے پڑھ دیا۔

من جان نہ دہم بکس سوا تو　　　تو دل نہ دہی بکس سوا من

ان بیانات کی تصدیق خود پریم کشور فراقی کے روزنامچہ وقائع عالم شاہی
سے بھی ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان سفر
وحضر میں شاہ عالم کے ہمدم و جلیس تھے چنانچہ ۱۱۹۸ھ جب شاہ عالم دہلی سے
آگرہ کو کوچ کر رہے تھے حافظ عبدالرحمٰن احسان انکے ساتھ تھے۔ اس کے
متعلق فراقی[1] لکھتا ہے۔

"بہ جمیع خدام و مقربان مخاطب بہ حافظ عبدالرحمٰن شدہ فرمودند کہ
انشاء اللہ حالا بہ بینید چہ قسم در کون شمایان چوب از لنگوٹہ بنداں (کہ مراد
از مردم جنوب است) می کنانم"

حافظ در جواب گفت

"خیر حضرت ہر چہ می خواہند بدست خاص چرانمی کنند کہ از دیگران می کنانند"

ان اندرونی شواہد سے احسان کی شاہ عالم کے دربار سے وابستگی اور
شاہ عالم کا ان سے تعلق مسلم ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ توسل کب
سے قائم ہوا؟ چونکہ احسان کے والد کی قلعہ میں آمد و رفت تھی اس لئے قیاس
چاہتا ہے کہ احسان کم عمری ہی سے قلعہ سے وابستہ ہو گئے ہوں گے۔ اس کی
گواہی اعظم الدولہ سرور بھی عمدہ منتخبہ میں ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

"از صغر سنی بہ شعر گوئی فارسی و ریختہ ذوقے داشت"

شاہ عالم کے دہلی آنے کے بعد احسان ان کے دربار سے وابستہ رہے۔
احسان کے دیوان میں شاہ عالم کی صحت یابی کے موقع پر کہا گیا ایک "مسدس"
جشن عید پر کہی گئی ایک رباعی اور تخت طاوس تیار ہونے نیز شاہ عالم کی وفات

[1] ملاحظہ کیجئے "وقائع عالم شاہی" صفحہ ۱۳۱

پر لکھا گیا ایک فارسی قطعہ ملتا ہے۔ ایک دوسرے قطعہ میں شاہ عالم سے اپنی عقیدت اس طرح ظاہر کی ہے

قطعہ

آفتاب فلک سلطنت عز و علا ‏ ‏ شاہ عالم کہ وہ تھا مخزن احساں میرا
ہیں جو دربار معلیٰ میں نہ ہوتا کہتے ‏ ‏ کیا سبب ہے کہ نہیں آج وہ احساں میرا
اے فلک تو تو رہے اور نہ رہے افسوس ‏ ‏ وہ سخن سنج، سخن فہم، سخن داں میرا
مثل شب گر ہوں سیاہ پوشی مجھے لائق ہے ‏ ‏ کہ جدا مجھ سے ہے وہ مہر درخشاں میرا

ایک اور شعر میں اپنے استادِ شاہ ہونے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ہوں شہِ ہند کا استاد یہ ہے فخر مجھے ‏ ‏ شہرہ میرا تو شہا تا شہہ ایران گیا

شاہ عالم کے زمانے میں احسنؔ کا اثر و اقتدار تھا۔ بعض امرا کی ریشہ دوانیوں کو بھی احسنؔ اچھا نہیں سمجھتے تھے نجف[1] خاں کے اقتدار پر احسنؔ نے اپنی شاعری میں چھینٹے اڑائے ہیں

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

گر تیغ کھینچے گا کھینچے جائے گا میاں
ہے کمپنی کا دور نجف خاں کا ہو چکا

معلوم ہوتا ہے کہ نجف خاں کی حرکات سے احسنؔ خوش نہیں تھے کیونکہ بقول بعض مورخین کے مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت اسی نجف خانی طائفہ کے افراد کی نازیبا حرکت تھی۔ دوسری جگہ نجف خاں کے ظلم کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے

قسام جزو کل نے کیا علم اس طرح ‏ ‏ اشراف کا شکیب اور ارزل کا اضطراب

[1] نجف خاں دور شاہ عالم کا ایک طاقت ور امیر تھا شاہ عالم جب دہلی آئے تو نجف خاں بھی ہمرکاب تھا یہاں آ کر اس نے جاٹوں سے معرکہ کی لڑائیاں لڑیں اور آگرہ میں شاہی پرچم لہرا دیا اس کے صلہ میں امیر الامرا کا خطاب عطا ہوا۔

ایک روز میں نے منعم مسلول سے کہا
اے سنگ دل ہے سل سے تیرے دل کا اضطراب

صدکوہ جرم سر پہ ہیں تجھکو کچھ قلق
غافل فقط ہے ایک مرض سل کا اضطراب

نجف خان نے مرض سل سے ۱۱۹۶ھ میں انتقال کیا۔ منعم مسلول اسی کی طرف اشارہ ہے۔

شاہ عالم کے زمانے میں انگریزوں کے اقتدار سے بھی احسان ناخوش تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں

یارب یہ گلو جلد خنا زیر سے چھوٹے
بیٹھے دیں گلا گھونٹیں ہیں دین نبوی کا

شاہ عالم کے دور میں "مرہٹہ گردی" اور انگریزوں کی حکمت عملی سے احسان رنجیدہ تھے "غزل" کے رمزیاتی انداز میں مسلمانوں کے زوال اور پریشانی کا نقشہ کتنے اچھے انداز میں کھینچا ہے۔

یارب میں کہاں جاؤں کہ ہر دم بت کافر
ایذا مجھے دیتا ہے مسلمان سمجھ کر

احسان کا علم و فضل

احسان ایک اچھے شاعر ہی نہیں بلند پایہ عالم بھی تھے بقول پروفیسر سروری

"ان کی شاعری کی شہرت کو ان کے علم کی شہرت نے ماند کر دیا اور یوں "عالم احسان نے شاعر احسان کو نظروں سے اوجھل کر دیا"۔[۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ احسان کی فارسی، عربی میں قابلیت مسلم تھی۔ علاوہ اسکے انھوں نے فن شاعری کو بطور ہنر اور علم کے سیکھا تھا۔ صنائع و بدائع پر گہری نظر تھی۔ علم عروض کے استاد تھے۔ چنانچہ ان کے کلیات میں جو آغا حیدر حسن صاحب کی ملکیت ہے اس کا التزام رکھا ہے کہ غزل اور قطعہ کی ابتداء میں بحروں کے نام

---

[۱] ملاحظہ کیجئے مضمون عبد الرحمٰن احسان اور ان کی شاعری۔ مطبوعہ آجکل

اور شعری اوزان دے دیے ہیں۔ مثلاً

(۱) بحر رمل مثمن   فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن

مصحف رخ مست چھپا میری نظر سے پیشتر   دل میرا زیر و زبر ہے اس خطر سے پیشتر

ایضاً

دیکھو میری طرف سیج کھڑے اے اختر شناش   کیوں فلک کو تم نے دیکھا میرے اختر دیکھ کر

(۲) بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف، محذوف اوزانہ، مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعولن

کوٹھے پہ چڑھا کیجے میری جان سمجھ کر   پریاں نہ اتر آئیں پرستان سمجھ کر

یہ قیس وغیرہ تو سب ہی ہیں لڑ کے   بیٹھا ہوں الگ اُنسے کچھ گھان سمجھ کر

(۳) بحر مجتث مثمن مخبون مقطوع

مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلان

ہوا ہے زرد میرا غم سے جسم زار دریغ   بسنت پھولی ہے لیکن نہیں ہے یار دریغ

(۴) بحر رمل مسدس مخبون مقصور ارکان

فاعلاتن، فعلاتن، فعلات

ایسی محفل کا ہی دیوانہ ہوں

رنگ سبز آنکھوں میں آنسو احسان   ہم ہرے اور بھرے بیٹھے ہیں!!

اسطرح پورا دیوان ترتیب دیا ہے۔ اردو کی مستعملہ انیس[۱۹] بحروں کے علاوہ انھوں نے زحافات سے کئی اور اضافے کئے ہیں۔ جب ہی امام بخش صہبائی جیسے عالم بھی ان کی استادی کا لوہا مانتے تھے انھوں نے اپنی تصنیف "معیار البلاغت" میں جابجا احسان کے شعروں کے حوالے دیئے ہیں[۱]

۱؎ صفت اشتقاق کے بیان میں احسان کا یہ شعر لکھا۔

تو جاگ اور جگا ہم کو کہ پھر ہم ؛ تا حشر نہ جاگیں گے جگانے سے کسی کے

احسانؔ الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط برتتے تھے اس کا التزام رکھتے تھے کہ کوئی لفظ خلاف قاعدہ متقدمین نہ ہو ان کا ایک شعر ہے

؎ بس کہ ہے صحت الفاظ کا دعویٰ مجھکو
رشک سے یار غلط کہتے ہیں دیوان میرا!

دوسرا شعر ہے

یحی خانہ ہے مے خانہ نہیں کچھ اس میں ہیگا گو
یحی خانہ کو سوچا تو وہاں سچ سچ ہی کہتے ہیں

"یخی خانہ" کے متعلق نوٹ دیا ہے۔

"از مصنف دیوان ہذا شخصی پرسید کہ "یحی خانہ کرا میگویند ایں فی البدیہہ گفتہ وبعد از مدتی در مرات الاصطلاح آنند رام مخلص کہ استاد معتبر است چوں دیدہ شد نوشتہ کہ در ہند ہم ہمیں گویند بالفعل اکثر بے علمی نمیدانند"

حافظ بلا کا تھا اور اشعار کثرت سے از بر تھے جس کا ثبوت مرزا ثابت کے بیان سے ملتا ہے۔ احسان کو مطالعہ کا بھی شوق تھا خود ایک شعر میں لکھتے ہیں

سمجھتے زینت دنیا ہیں یہ شیم اہل علم
دوشالے میں نہ خریدوں کتاب کے بدلے

فرحت اللہ بیگ صاحب نے آغا حیدر حسن صاحب کے حوالے سے ایک روایت بیان کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق

"اس خاندان میں اگر کوئی سب سے زیادہ قابلِ قدر چیز تھی تو وہ انکا کتب خانہ تھا جو غدر میں تباہ ہوگیا"

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ

"بادشاہ کی سواری جب شہر میں سے گذرتی تو امراء اپنے دروازوں پر نذریں لے کر کھڑے ہوجاتے شہر میں صرف حافظ عبدالرحمٰن خاں ہی ایسے

تھے جن کو یہ نذر معاف تھی ان کو نذر کی بجائے کوئی قیمتی کتاب پیش کرنی پڑتی[1]

جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان نہ صرف شاہ عالم کے استاد تھے بلکہ ان کے منجھلے لڑکے ایزد بخش عرف مرزا نیلی کے مختار بھی تھے۔ مرزا نیلی کی تعریف میں ان کے دیوان میں جا بجا اشعار ملتے ہیں۔ ایک قطعہ[2] میں اسطرح تعریف کی ہے۔

درۃ التاج شہان فخر زماں ایزد بخش
فخر ہے فخر تیری مدح سرائی مجھکو

جس گھڑی ہووے گہر ریز ترا ابر کرم
بانھ پھیلا کے کہے حاتم طائی مجھکو

ایک جدت دیکھئے!

قطعہ

کہا جو میں نے نہ اہل زمین کو دے گردش
یہ سن کے مجھکو لگا کہنے آسمان تم کون؟

کہا یہ میں نے ہوں اس جناب کا استاد
غلام جس کا یہ کہوے شہان کو ہاں تم کون؟

طفیل صاحب عالم محمد ایزد بخش
نہ کہہ سکے مجھے ہرگز فرشتہ خاں تم کون؟

اپنی "استادی" پر جگہ جگہ غرور کرتے ہیں ایک شعر میں استاد کا مرتبہ اس طرح بتایا ہے

وہی انسان ہے احسان کہ جسے علم ہے کچھ
حق یہ ہے باپ سے افزود ہے استا کا حق!

اپنی قاعدہ دانی پر غرور دیکھئے!

چشم دہبنی کو تری میں نے کیا صاد و الف
وجہ یہ ہے کہ مجھے قاعدہ داں کہتے ہیں

اور ہو کے شاگرد لکھا خط میں ہے بھائی مجھکو
قیس گستاخ کی یہ بات نہ بھائی مجھکو!

اور اور یہ اور عنایت ہے گدا پہ اپنے
گرچہ استاد ہوں شاگرد شہا جانتے ہو!

شاگردوں کو اس طرح یاد کرتے ہیں

---

[1] احسان کے چچا عیسوی خان نے "قصہ دلبر و مہر افروز" اسی موقع کیلئے لکھا تھا کیوں کہ اس میں بقول ڈاکٹر مسعود حسین خاں لال قلعہ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

[2] احسان نے کبھی قصیدہ نہیں کہا ممدوح کی تعریف اکثر غزل کے قطعہ بند اشعار میں ملتی ہے۔

تھی کمی پیش سے جس کی سب جوانی　　وہ کر دو دل میں وہ شاگرد یاد آتے ہیں

ایک فارسی قصیدہ اکبر شاہ ثانی کی مدح میں لکھا ہے جس میں صاف طور پر اپنی استادی کا ذکر کیا ہے شعر یہ ہے۔

تلمیذ من است و با تمیز است　　در در حصر حصار وقت عزیز است!

شاہ عالم کا انتقال ۱۸۰۶ء میں ہوا۔ احسان نے ایک قطعہ وفات بھی لکھا ہے۔

بکش آہ و بگو تاریخ احسان　　کہ شد فردوس منزل شاہ عالم

احسان، مرزا تیلی کے مختار تھے اسکے باوجود اکبر شاہ ثانی انھیں اپنا بزرگ اور استاد مانتے تھے۔ اس کا ثبوت احسان کا وہ قطعہ ہے جو انھوں نے اکبر شاہ ثانی کی مدح میں لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی ہویدا ہوتا ہے کہ اکبر شاہ ثانی کسی بات پر احسان سے ناراض ہو گئے تھے[2]۔ قطعہ یہ ہے۔

قطعہ

ہوں شہ ہند کا استاد یہ ہے فخر مجھے　　شہرہ میرا تو شہا تا شہ ایران گیا
غرض غماز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے　　کیا گیا میرا اگر اس کا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا شہر میں احسان نہ ہو　　سن کے اس حکم کو ایک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں　　خلق کیا کہویگی اس حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احساں نہو　　قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

اکبر شاہ ثانی کی ناراضی کی وجہ مولوی فرحت اللہ بیگ کے خیال کے مطابق احسان کی برکت علی خاں برکت سے دوستی تھی جو انگریز ریزیڈنٹ جنرل اکٹر لونی کے پیشکار تھے۔ اس میں شک نہیں برکت علی خاں برکت کی دوستی احسان سے تھی بعض اشعار بھی احسان نے

[1] شعر نسخہ "د" (انڈیا آفس)
[2] ہو سکتا ہے کہ احسان اپنے آقا اور شاگرد مرزا تیلی کی بادشاہت کے حق میں ہوں لیکن مرزا تیلی کے انتقال کے بعد اکبر شاہ ثانی احسان پر مہربان ہو گئے تھے۔

برکت علی خاں برکت کو مخاطب کر کے کہے ہیں ممکن ہے اکبر شاہ ثانی کو یہ خیال ہو کہ احسان مرزا نیلی کے ہوا خواہ ہیں۔

شہزادہ ایزد بخش مرزا نیلی کا ۱۲۴۹ھ میں انتقال ہو گیا اسکے بعد اکبر شاہ ثانی کے تعلقات احسان سے بحال ہوئے اور پھر سے قلعہ میں ان کی آمد و رفت ہو گئی دوبارہ بادشاہ رس ہونے پر شادمانی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں اس میں صنعت لفظی کی جدت ہے۔ غزل میں قطعہ بند اشعار ملتے ہیں۔

نقدی داغ دل غم الفت میں مل گئی　　دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی
میں یار لکھوں یار تو پڑھ کر خفا ہوا　　خوبی شکر ساری شکایت میں مل گئی
لکھی تو نقطہ چالی مرا اس میں کیا قصور　　ظالم صداقت اپنی صداقت میں مل گئی
بابت کی دال مری لکھی بدتر مجھے کیا　　اصلاح خوب آج تو بابت میں مل گئی
پھیلی سیاہی عین کی ڈالی ہے اس پہ خاک　　یوں خاک تیری عین عنایت میں مل گئی
صد شکر بادشاہ کا مجرا ہوا نصیب　　دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی

بادشاہ کی ناراضی کے زمانے کی کیفیات دیکھئے۔

سچ نہ ہو تو ترا جھوٹا ہی پیام آ پہونچے　　مجھے جینے کا بھلا کچھ تو سہارا پہونچے
زندگی ہو چکی اشراف کی اے بندہ نواز　　سخت مشکل ہے جو پایہ یہ رذالا پہونچے
یہ ستانے سے میرے تجھ کو ہے حاصل ظالم　　تجھے موذی کہے خلقت مجھے ایذا پہونچے
زندگی کیوں کہ ہو جب تیری طرف سے ظالم　　نہ تسلی نہ تشفی نہ دلاسا پہونچے

کس خوبی سے بادشاہ کو اس ظلم سے روکتے ہیں اس کا انداز غزل کا ہے۔

میں دعا دوں تو کہتا ہے ہر شب ظالم　　کون کوسے ہے کھڑا یہ پس دیوار مجھے

دینی حرمت کی قسم گر تو رکھے مجھکو ذلیل — اپنی عزت کی قسم گر تو رکھے خوار مجھے

تجھکو مہر کی قسم دل میں نہ رکھیو غبار — تجھکو آنکھوں کی قسم رکھیو نہ بیمار مجھے

گردشِ انجم و افلاک سے سب خاک ہوئے — نظر آتا ہی نہیں اب تو کوئی یار مجھے

محفلِ عیش میں جب یا مو نہ دیکھے احسان — حلقہ ماتم کا ہوا حلقۂ اغیار مجھے

سفر لکھنو اکبر شاہ ثانی ہی کے زمانے یعنی ۱۲۴۵ھ میں احسان لکھنو بھی گئے تھے اس زمانے میں فضل علی خان اعتماد الدولہ وزیر تھے۔ احسان کے دیوان میں فضل علی خاں کے والد غلام حسین کی بنا کردہ مسجد کی تعمیر کے متعلق ایک قطعہ تاریخ ملتا ہے۔ نیز ان کے خسر نواب صادق علی خاں کے نام ایک منظوم رقعہ بھی ملتا ہے۔ احسان کی ایک غزل ناسخ کی زمیں میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے احسان نے وہاں کے مشاعروں میں شرکت کی تھی۔ لیکن یہ وہاں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکے ۱۸۲۹ء ۱۲۴۹ھ میں واپس ہو گئے

ذوق اور شاہ نصیر سے مطارحات اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں ذوقؔ کو قلعہ شاہی سے توسل ہو گیا۔

ذوقؔ کے قصیدہ

جب کہ سرطان و اسد مہر کا ٹھیرا مسکن — آب و ایلولہ ہوئے نشوو نمائے گلشن

ادھر بادشاہ نے ذوقؔ کو "خاقانی ہند" کا خطاب عطا کیا۔ اسی زمانے سے احسانؔ کی ذوقؔ سے چشمکیں شروع ہو گئیں جو بہادر شاہ ظفر کے عہد میں کافی بڑھ گئیں جس کا ذکر آگے آئے گا۔

شاہ نصیر سے مطارحات شاہ عالم آفتاب کے زمانے سے شاہ نصیر کی قلعہ

میں آمد و رفت شروع ہو گئی جو ۱۲۳۰ھ تک رہی جس کے بعد شاہ نصیر چندولال کی دعوت پر حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہیں رہ گئے اس سے پیشتر تین مرتبہ حیدرآباد آئے لیکن جم کے نہ رہ سکے ۱۲۴۰ھ میں چندولال کے درباری شاعر قیس کا انتقال ہوا اسکے بعد شاہ نصیر کے قدم جمے

۱۲۳۰ھ سے بیشتر نصیر کو قلعہ کے مشاعروں میں شرکت کرنی پڑتی تھی اسکا لئے دونوں استادوں کی ایک ہی طرح میں غزلیں ملتی ہیں۔ ایک مشاعرے میں طرح کا مصرعہ تھا

'خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا'

نصیر اور احسان دونوں نے غزلیں لکھیں اس میں بھی احسان نے رعایت لفظی کا التزام رکھا ہے

مثلاً

جو بسمل تو کرتا ہے بسم اللہ اے شوخ ترے کام میں میرا بھی کام ہوگا

اور

یہی دل اگر ہے یہی بے قراری تہہ خاک بھی خاک آرام ہوگا

احسان کی مندرجہ ذیل غزل بھی غالباً مشاعرہ کی ہے اسی زمین میں نصیر کی بھی ایک غزل ملتی ہے۔ فرحت اللہ بیگ نے دونوں کے ہم قافیہ اشعار یکجا کئے ہیں جنھیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ احسان اور نصیر ایک ہی پایہ کے شاعر تھے۔

غالباً اسی زمانے میں نظام الدین ممنون سے بھی مقابلے ہوتے تھے۔ کیوں کہ ممنون اور احسان کی اکثر غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں لیکن بقول فرحت اللہ بیگ جو قافیہ

سہ ملاحظہ کیجئے "داستان ادب حیدرآباد" مصنفہ ڈاکٹر زور صفحہ ۴۰

احسانؔ نے باندھا ہے اُسے ممنونؔ نے چھوڑ دیا۔

بہادر شاہ ظفر کا عہد ۔ بہادر شاہ ظفرؔ جب سریر آرائے سلطنت ہوئے
۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ھ احسانؔ کی شاعری کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ بہادر شاہ ظفرؔ کے تلمذ کے
سلسلے میں ذوقؔ سے پہلے کا ظم حسین بیقرارؔ اور شاہ نصیرؔ کے نام لئے جاتے ہیں حال ہی
میں خواجہ تہور حسین نے قدرت اللہ قاسمؔ کے تذکرہ مجموعہ نغز کے حوالے سے میر عزت اللہ
عشقؔ کا بھی نام لکھا ہے ممکن ہے ظفرؔ نے احسان کی شاگردی نہ کی ہو لیکن احسان کے
کلام میں ایسے داخلی شواہد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفرؔ کے عہد میں بھی
احسانؔ کو قلعۂ شعری اور ادبی حلقوں میں امتیاز حاصل تھا۔ احسانؔ کے کہے ہوئے
مختلف قطعات ملتے ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً بادشاہ کی خدمت میں گذرانے ہیں
ایک قطعہ میں تخت نشینی کی تاریخ نکالی ہے۔

خسرو خسرواں بہادر شاہ　　گشت چو بادشاہ ہندوستاں
سال تاریخ سلطنت گفتم　　خسرو عہد و الئی دوراں

ایک اور قطعہ بادشاہ کی صحت یابی کے موقع پر پیش کیا ہے۔ ایک قطعہ تعریف
میں ہے جو ہجو ملیح معلوم ہوتا ہے اس میں صنعت حسن تعلیل کو بڑی خوبی سے برتا ہے
لکھتے ہیں۔

خطبہ میں تیرے نام کو سنکر شہ دوراں　　کچھ منبر و مسجد ہی بنالیدہ ہیں یک مشت
محراب کا یہ عالم ہے اے قبلہ عالم　　منہ تیری طرف اور ہے کعبہ کی طرف پشت

ایک قطعہ میں بادشاہ پر طنز کیا ہے اس " باغیانہ سرشت " میں وہ غالبؔ کے
پیش رو معلوم ہوتے ہیں۔ لطف یہ کہ " سانچہ " غزل کا ہے۔ دو تین طنزیہ شعر دیکھئے

حکم محکم ہے یہ اس طرز ظفر پر احسان
تو بھی شاعر ہے سنا آن کر اشعار مجھے
باز آیا میں تیرے حکم سے اے کبک خرام
روغن قاز نہ مل لے بت عیار مجھے
یہ کبوتر کا اڑ آنا ہے اگر ہو سہل نگار
سوچنے چاہیئے اب معنی تہہ دار مجھے

اس کے بعد غزل کا انداز ہے۔ مثلاً

عید کی شب بھی میسر نہیں دیدار مجھے ۔۔۔ ناخن شعر ہے یہ ماہ نو اے یار مجھے
میں ہوں وہ داغ محبت کہ نہ چھوٹوں تا عمر ۔۔۔ گر کلیجے سے لگالے کوئی اک بار مجھے

بادشاہ پر چوٹ دیکھئے!

فرط الفت سے یہ فرمایا ظفر نے احسان ۔۔۔ ہم تمہیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو
عرض کی میں نے کہ میں ذرہ ہوں اور تم خورشید ۔۔۔ فخر ذرہ ہے کہ ذرے کو ذرا جانتے ہو
اور یہ اور عنایت ہے گدا پر اپنے ۔۔۔ گرچہ استاد ہوں شاگرد شہا جانتے ہو

بعض بعض جگہ اس زمانے کی افراتفری اور سیاسی بدحالی کا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔ مثلاً

یہ دور آیا کہ مختاری کو دوڑے ۔۔۔ شہ دوراں کی ہم بقال و بواب
نہ ہر غرہ گو ہیں غرہ میں جانگ ۔۔۔ بنے ہر مسیخ گو قصاب نواب
بس اب توبہ گناہوں کی تو ہے ۔۔۔ الہ العالمین غفار و تواب

ظفر کے زمانے میں قلعہ میں ذوق کا طوطی بولنے لگا یہ چیز احسان کو کھلی

اسی لئے انھوں نے ذوقؔ پر چھینٹے اڑائے۔ ان کی نوعمری میں شہرت کا مذاق اسطرح اڑایا ہے۔

وہ طفل بھی ہیں قاعدہ داں آج بن گئے
ہے کل کی بات جن کا سبق دال، ذال تھا

کبھی کہتے ہیں۔

بے مغز خود نما و تنگ ظرف و تنگ دل
یک دست پا یا شیخ کو ہمسر حباب کا!

ذوقؔ قلعہ میں "سلطان الشعرا" کہلاتے تھے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں صاف چوٹ کی۔

کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ شاہِ شاعران ہیں ہم
مبارک ہے کہ انکو ہم نے بھی صاحبقراں باندھا

اگر شیخی کرے واعظ بجا ہے اسکا دورہ ہے
کہ اکثر شیخ چلی نے بھی چلہ بے کمان باندھا

کبھی بے نیازی اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں

تجھکو ہی شاہ کا مجرا ہو مبارک ہمدم
یعنی واقف نہیں اس طور کے دستور سے ہم

پاس خاطر ہو جسے اپنی ہم اسکے ہیں غلام
اس کو البتہ تسلیم کریں دور سے ہم

خاک پا اسکے ہیں جو پندار رکھے ہاتھ میں دل
سر فرو لائیں نہ تا حشر 'زر' و 'زور' سے ہم

ان اشعار سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید ذوقؔ نے احسنؔ سے وہ منصب چھین لیا تھا جو انھیں حاصل تھا۔ خواجہ تہور حسین صاحب نے اپنی حالیہ تصنیف "بہادر شاہ ظفر" میں ظفر کے مختلف دواوین کی نشان دہی کی ہے[1]۔ جس میں انھوں نے دیوان اول مطبوعہ مطبع سلطانی کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس دیوان کے صفحہ ۵۸ پر ظفر کا مندرجہ ذیل مخمس ملتا ہے۔

[1] ملاحظہ کیجئے۔ بہادر شاہ ظفر

آج کہتا ہے ساقی مدہوش کہ نہ لے نام توبہ بس خاموش
یہ چمن اور یہ گل یہ جوش وخروش تو بھی گل پوش یار بھی گل پوش

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بنوش!

ظفر کے اس مسدس پر احسان[1] نے ایک مسدس لکھا ہے۔ اسمیں ظفر کا فارسی مطلع۔

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش کی تضمین کی ہے۔

یہ دیوان ۱۲۲۳ھ لغایۃ ۱۲۳۴ھ کا ہے۔ جب ذوق استاد شاہ مقرر نہیں ہوئے تھے شاہ نصیر بھی ۱۲۳۰ھ کے بعد مستقل طور پر دکن چلے گئے۔ کاظم حسین بیقرار ۱۲۲۳ھ میں ایلفنسٹن صاحب کے ہمراہ میر منشی ہوکر دہلی سے چلے گئے ان ہی کے جانے کے بعد اصلاح کلام کی خدمت ذوق کے تفویض ہوئی۔ اسی زمانے میں احسان نے ظفر کی دو غزلوں کی تضمین کی ہے۔

(۱) دل چاہے تھا روز بیابان نئے نئے
(۲) بدن سے روح بھی ہو کر ہوا نکلتی ہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ احسان ظفر کے نہ صرف درباری شاعر رہے بلکہ مقرب رہے شاید اسی وجہ سے ان کی اور ذوق کی چشمکیں رہیں۔

ظفر کے زمانے کے بہت سے واقعات کی جھلکیاں ان کی شاعری میں ملتی ہیں۔ کئی بار "درماہہ" نہ ملنے کی شکایت کی ہے۔ خصوصاً ایک منظوم عرضی بہت ہی زوردار ہے۔ جس میں شاعرانہ لطافت کے ساتھ مغل دربار کی بدحالی اور

[1] خواجہ ظہور حسین صاحب اس مسدس کو پتہ نہیں کس نے مخمس کہتے ہیں ملاحظہ کیجئے صفحہ ۲۰۸

کسمپری پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں ہلکا ہلکا مزاح ہے جو طنز کی سرحدوں کو چھو لیتا ہے۔ اسی کو پروفیسر سروری اور لالہ سری رام دہلوی مصنف خم خانہ جاوید غالب کے قطعات کا "نقش اول" قرار دیتے ہیں۔

احسان کی شاعری احسان کی شاعری کا نمایاں وصف زبان کی سادگی اور صفائی ہے۔ اور ایک پہلو جو ان کی شاعری میں جلوہ گر ہے وہ ہے ان کی "باغیانہ سرشت"۔ یوں تو وہ درباری شاعر ہیں لیکن انھوں نے "دربار کی شاعری" نہیں کی نہ امیر امرا کی مدح کی نہ بادشاہوں کی شان میں قصیدے لکھے۔ قصیدہ لکھنا تو درکنار وہ بسا اوقات بادشاہ پر طنز کر جاتے ہیں۔ جس کا بیان گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ "مدح" "قدح" "تلقین" "تفکر" سب کیلئے غزل کا "سانچہ" استعمال کرتے ہیں۔ یہی روایت سے بغاوت انھیں غالبؔ سے قریب کرتی ہے۔ ان کا تخیل آزاد ہے لیکن فنی طور وہ غزل کے قدیم دبستان کے پیرو ہیں۔ محمد شاہی دور کے اکثر شعراء مثلاً حاتم۔ تاجی۔ یکہ رنگ کی طرح وہ "ایہام" پر جان دیتے ہیں۔ بعض اوقات رعایت لفظی کی بہتات شعریت کو مجروح کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے "طرز لکھنؤ" کو دہلی میں رائج کیا۔

احسان کی غزل بقول پروفیسر مسعود رضوی "سخن از معشوق گفتن" نہیں "سخن بہ معشوق گفتن" ہے۔ اسی لئے اکثر جگھوں پر مکالماتی انداز آگیا ہے جو طرز میر کا بھی خاص وصف ہے مثلاً

مانگ کر بوسہ میں ذلیل ہوا ان دنوں تو بہت بخیل ہوا

اور پوچھی نہ خبر کبھی ہماری لی خوب ابھی خبر ہماری

غزل مسلسل | احسان کے ہاں بعض غزلیں مسلسل ملتی ہیں۔ مثلاً

اس سیاہ بخت کے تم حال کو کیا جانتے ہو — سرمہ آنکھوں میں مسی لب پہ لگا جانتے ہو
آتش دل کو بھی اے جان بجھا جانتے ہو — یا فقط پان چبا آگ لگا جانتے ہو
چھیڑوں تو ڑے کو تو ٹکڑے چبا جانتے ہو — کھینچوں زنجیر تو بس غل ہی مچا جانتے ہو
گوٹ محرم کی دکھا راہ میں یہ پانسا پھینکا — نقد دل جیت لیا زور جوا جانتے ہو

دیگر

کس سے احوال کہوں اپنا میں اے یار کہ تو — مل کے اغیار سے یوں مجھ سے ہے بیزار کہ تو
تم ہو بد عہد نہ میں، میں ہوں وفادار کہ تو — میں یہ کہتا ہوں کہ تم تم کہو ہر بار کہ تو
مجھ سے پوچھے ہے یہ احسان وفا پیشہ — بے وفا کون ہے کہتا ہے یہ عیار کہ تو

ان کو زبان پر قدرت تھی اسی وجہ سے ان کے ہاں "دو غزلے" اور "سہ غزلے" ملتے ہیں اس وصف میں وہ شاہ نصیر اور ذوق کے شریک ہیں۔ بعض زمین سنگلاخ مکانی ہیں۔ مثلاً

رعایت لفظی

استخواں سے تو عبث رکھتا ہے چرائے برہن — دانت اپنے دیکھ ہیں تیرے دہن میں استخواں

رعایت لفظی کا التزام ان کی شاعری کا نمایاں پہلو ہے جسکی گواہی ہر تذکرہ نگار نے دی ہے۔[1] اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ احسان اپنی شاعرانہ شہرت کو برقرار رکھنے "لفظی پینتروں" سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ "خیال" کی نہ سہی "بیان" کی جدت لوگوں کو ان کے شعر کی طرف متوجہ کردے اور کم از کم ان "لفظی پینتروں" کی بدولت لوگ انھیں "پہلوان سخن" سمجھیں۔ ایسا بھی نہیں کہ ان کا کلام محض رعایت لفظی کا پلندہ بن کر رہ گیا ہو۔ روزمرہ کی صفائی

[1] ملاحظہ کیجئے "تذکرہ طبقات الشعراء" کریم الدین باقی ہیں۔ عمدہ منتخبہ "گلشن بے خار" "گلستاں بے خزاں" وغیرہ

زبان کی چاشنی، بے ساختگی اور طرز ادا کی بدولت ان کے اشعار دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ "اردو" اکثر آمد کے رنگ میں آئی ہے اس میں صناعی اور پرکاری ہے۔ ذیل کی مثالیں اس دعوئی کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

دس کو دو نقطوں میں دیکھو کہ ہزار آئے نظر ــــ دس کی سنتے ہو یہ دو نکتے ہمارے بھی سنو

'عاشق' اور "معشوق" کو 'دو نقطوں' سے تعبیر کیا ہے۔ یوں تو شعر میں صنعت سیاق الاعداد برتی ہے۔ دس۔ دو۔ ہزار لیکن شعر میں جان پڑ گئی ہے۔

یا

وہ کلائی نظر آئی تو کل آئی مجھ کو ــــ آج تک کل ہے نہ اک دم تھی مجھے کل، آتی

'آج' اور 'کل' (چین) اور کلائی میں صنعت مزیّل ہے۔

اور ــــ ایک نقطہ بھی جو زیادہ زبان پر آیا ــــ وہ زبان ہی نہیں پھر اس کو زیاں کہتے ہیں!
(زبان - زیان)

بات جو لکھی ہے پیشانی میں پیش آتی ہے وہ
گو تجھے پیش نظر ہر سطر اسطرلاب ہو!

یا

تھا میں کمین بوسہ میں بولے اسی لئے
اشراف منہ لگاتے نہیں ہیں کمین کو!

پس ناقہ آتا ہے اک شخص گریباں ــــ یہ مجمل سا کہہ دیجیو محمل نشین کو!

'مجمل' - 'محمل'

ان کی شاعری 'واقعاتی' اور 'محاکاتی' شاعری ہے۔ وہ مضمون کی تلاش میں سر نہیں کھپاتے سیدھی سادی باتیں سادہ الفاظ میں کہتے چلے جاتے ہیں لیکن کہنے کا ڈھنگ

انو کھا ہے اسی کو میرؔ نے "ادا" کہا ہے

احسان کا نظریہ شعر

غالباً احسانؔ بھی میرؔ کی اس تعریف سے واقف تھے اکثر جگہ انھوں نے شعر میں "ادا" پر زور دیا ہے ایک جگہ کہتے ہیں

یوں تو کہنے کو سبھی شعر میاں کہتے ہیں
طرز انداز زباں، درد، ادا، آن کہاں

اور

تو تو مضمون ادا سب سے جدا باندھے ہے
ایک ادا سے یہ لگے کہنے مجھے آن کے آپ

میں اُسے باندھوں گا جو میری ادا باندھے ہے
اس ادا بندی کا لیکن یہ عوض ہے احساںؔ

احسانؔ صفائی زبان کو شعر کا خاص وصف سمجھتے ہیں لکھتے ہیں

وہی سمجھے گا ظاہر ہے کہ جو بچہ ہے مردم کا
ظرافت طرز شاعر ہے صفائی طور ماہر ہے

وہ شعر میں 'گرجی' یا جوش کے قائل نہیں لکھتے ہیں!

تحسین شعر تر مجھے لازم ہے کس طرح
سلک درخوش آب سخن ور کو توڑ دوں

اور

سن کے شعر سرد یہاں تک ہے طبیعت سرد
موسم سرما میں گویا داخل کشمیر ہوں!

اپنے عہد کی عکاسی

احسانؔ کے کلام میں اپنے معاصر شعرا کے برعکس اس دور کے واقعات اس دور کے 'طرب' و 'کرب' 'بے چینی' و 'بدحالی' سب کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ کہیں کہیں زمانے کی ناقدری کا رونا رویا ہے۔ انکی شاعری میں بھی غالبؔ کی سی 'انانیت' ہے لیکن جذبات انسانی پر احسانؔ کی گرفت مضبوط نہیں نہ ہی تخیل میں وہ رفعت ہے جو عرش سے پرے نکل جائے۔

شاہ اسمٰعیل کی تحریک جہاد کا نصیر نے مذاق اڑایا تھا۔ احسان پنجاب میں سکھوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اس طرح گویا شاہ اسمٰعیل کی تحریک کے موئید ہیں لکھتے ہیں۔

صد ہزار افسوس ہے یا پنج تن آٹھوں پہر

پنجۂ کفار میں یوں کشور پنجاب ہو!

(یہاں بھی رعایت لفظی کو ہاتھوں سے نہیں دیا۔ پنج تن۔ آٹھ پہر۔ پنجہ اور پنجاب میں تجنیس ہے) غالباً وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے انگریزی حکومت اور انگریز افسروں کے خلاف جی بھر کر بھڑاس نکالی ہے۔ ایک انگریز افسر کی ہجو ان کے کلیات میں ملتی ہے۔ جس کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

کنجروں کو عجیب دیا بتا | شہر میں رہ گیا ہے یہ کتا

ہجو کیا کہہ کے میں اُسے دوں گل

پا بہ گل ہے وہ آپ ہی پاگل

جہاں وہ انگریزی حکومت اور انگریز افسروں کے خلاف جی کی بھڑاس نکالتے ہیں وہیں مغل بادشاہوں کو بھی نہیں بخشتے قلعہ میں مختاروں کے اثر و اقتدار پر کس طرح ضرب لگائی ہے۔ سہ

خود بدولت سے نہیں فائدہ ہو تا ہر گز

کام جاہے کہ نکل آئے تو مختار سے مل

شاعروں کی بے قدری کا حال احسان سے سنئے!

سہ غالباً یہ لارڈ لیک کی طرف اشارہ ہے جس نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا تھا اور شاہ عالم کا اقتدار چھین کر مجبور محض بنا دیا تھا۔

قطعہ

شعر جاہل سناتا ہوں تجھے ایک قطعہ میں پڑھکر | کہ تو عالم سے بہتر ہے یہ نقشہ اب ہے عالم کا
گیا وہ وقت جب شاعر یہاں سونے میں تلتے تھے | کسی سے فائدہ اب تو نہیں اک دام و درہم کا
یہی پاپڑ اگر بیلے تو بس مضموں یہ بوجھیگا | کہ بھونے کچھ پاپڑ ہو گئے اور ہوا اچار شلغم کا
عجب ہے شہر کا نقشہ خدا محفوظ ہی رکھے | کہ اب تو جو رذالا ہے وہی سالا ہے رستم کا

احسان نے بعض جگہ غیر مروج اچھوتی بحریں استعمال کی ہیں مثلاً

کیوں خفا تو ہے کیا کہا میں نے | مر کہا تو نے ’مرحبا‘ میں نے

یہ بحر خفیف مخبون مقطوع ہے لیکن احسان نے ’عین‘ کو ساکن کر دیا اسطرح جدت پیدا کی۔

اولاد عبدالرحمٰن خان احسان کے دو بیٹوں سیف الرحمٰن اور عبدالحکیم خاں کا ذکر ان کے دیوان میں ملتا ہے۔ فارسی میں ایک قطعہ لکھا ہے جس میں اپنے دونوں بیٹوں کو نصیحت کی ہے۔

ے اے نور چشم و جان احسان | اے عبد حکیم و سیف الرحمان
ہر ہفتہ کنید ختم قرآن | ہر نعمت چنین کنند مردان

اپنی شعر گوئی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ بیٹوں سے کہتے ہیں

برخود کردم زجہل بیداد | جدی بکنند ہم چو اجداد
در علم و عمل چو من مباشید | محو شعر و سخن مباشید
خاطر نہ کنید زیں پریشان | دیوانگی است جمع دیوان
گو قدر شناس ان نماندند | عیسیٰ رفت و خران بماندند

برخورد حسن اعظم ہیے ... بخشند نہ این احسان ہیے!

(فارسی میں بھی وہ رعایت لفظی ترک نہیں کرتے نمانند ـ یمانند اور کلیم گلیم میں تجنیس برتی ہے ـ)

فرحت اللہ بیگ صاحب کے بیان کے مطابق سیف الرحمٰن خان کی ذوالفقار الدولہ نجف خان کی لڑکی سے ہوئی تھی ـ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں نجف خان[1] کا اقتدار بہت بڑھا ہوا تھا ـ یہ متعصب شیعہ امیر تھا ـ مولوی امتیاز علی عرشی صاحب کے بیان کے مطابق اس کے دورِ عروج میں دہلی کے سنّی بہت پریشان رہے ـ عرشی صاحب نے تو "جام جہاں نما" کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ

"مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت نجف خان کے متوسلوں کی نازیبا حرکت تھی"

نجف خان نے ۴۹ برس کی عمر میں وفات پائی ـ قمری ۱۱۹۷ کے حساب سے دیکھا جائے تو احسان کی عمر نجف خان کی وفات کے وقت صرف سولہ سال ہوتی ہے ـ اس کا بھی امکان ہے کہ نجف خان کا کوئی لڑکا اسی خطاب سے ممتاز ہوا ہو کیونکہ بقول امتیاز علی عرشی نجف خانی طائفہ دو تین برس کے اندر تباہ ہو گیا ـ

اس صورت میں یہ بیان کہ نجف خان اور عبدالرحمٰن خان احسان آپس میں سمدھی تھے مشتبہ معلوم ہوتا ہے ـ

سیف الرحمٰن خان کو فرحت اللہ بیگ صاحب کے بیان کے مطابق پہلے رشید الدولہ باپ کے انتقال کے بعد موسیٰ خان کا خطاب ملا ـ اور عبدالحکیم خان کو عیسیٰ خان کا ـ

سیف الرحمٰن خان | سیف الرحمٰن خان کے تین لڑکے تھے ـ

---

[1] ذوالفقار الدولہ نجف خان ایرانی النسل تھا ـ ایران کے صفوی خاندان سے تعلق رکھتا تھا ـ نادر گردی میں جب صفوی خاندان کا خاتمہ ہوا ـ مرزا محسن (صفدر جنگ کے بڑے بھائی) محمد شاہ کی طرف سے ایران میں سفیر مقرر کئے گئے تھے ـ مرزا محسن نے نجف خان کی بہن سے شادی کرلی اور دونوں بہن بھائی کو اپنے [illegible]

(۱) نواب احمد حسن خان

(۲) مولوی عنایت الرحمٰن خان

(۳) مولوی احسان الرحمٰن خان

فرحت اللہ بیگ صاحب کے بیان کے مطابق نواب احمد حسن خان کی شادی بہادر شاہ ظفر کی سالی (ہمشیرہ زینت محل) نواب شمشیر الدولہ بہادر کی دختر سے ہوئی تھی۔ اس کا امکان اس لئے ہے کہ احسان نے ظفر کی شادی کے موقع پر ۲۰ اشعار کا ایک "سہرا" قصیدہ نما لکھا ہے لیکن نہ تو وہ "سہرا" کہتے ہیں نہ قصیدہ مدح وگریز میں دس دس اشعار کے دو قطعے ہیں اس کو وہ قطعہ کہتے ہیں۔ اس قطعہ میں محاوروں کو بڑے انوکھے انداز میں نظم کیا ہے۔ یہ قطعات ان کے کمال فن اور جدت کی گواہی دیتے ہیں مثلاً

عروس دہر تو خوش ہو کسی نے | بہادر شاہ سا دولھا نہ پایا
وہ سینہ ہے کہ گنجینہ ہنر کا | تو نے بوعلی سینا نہ پایا
دسوں ہیں انگلیاں جسکے چراغ اب | ازل سے علم کا پروانہ پایا
جو خط دیکھا تو بولا منشی عقل | کہ قاضی نے بھی یہ رتبہ نہ پایا
کمان داری میں وہ یکتائے آفاق | کہ ہم نے پہ بہ پہ ڈھونڈا نہ پایا

دوسرے قطعہ میں بادشاہ کی مدح انوکھے انداز میں کی ہے۔

کیا دیوان ظفر کے ہوتے اس نے | کوئی جراءت سا یاں اندھا نہ پایا
جو شہ کے شعر کو انشا سے تولا | تو وزن انشا کا یک جا نہ پایا
ڈھونڈھتے ہیں آتش کے بھی ان جا | کوئی گویا سا یاں گنگا نہ پایا[1]

(بقیہ صفحہ (۳۹) غرض شاہ عالم کے دربار میں رسوخ پیدا کر لیا ۱۷۷۲ء میں جب شاہ عالم دہلی آئے نجف خان انکے ہمرکاب تھا اپنی وفات ۱۷۸۲ء تک یہ دہلی میں بڑا طاقتور امیر رہا۔ آخر ۱۷۸۲ء میں مرض سل سے انتقال کیا۔

[1] یہ قطعات صرف نسخہ "د" انڈیا آفس میں درج ہیں بقیہ دو دواوین میں نہیں

چوتھی کے موقع پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں

ایک وہ باغ میں کس طرح سے چوتھی کھیلے — سرخ روئی سے میری طرف چقندر پھینکا
میں تو مر ہی گیا ان کے — اور یہ مجھ سے کہ میری سمت کو پتھر پھینکا
گالیاں گن کے سنائیں مجھے دو سو چھپن[256] — میں نے دو چار قدم بڑھ کے جو گولہ پھینکا
دل دیا مجھ کو پیر اک ناز سے یہ کہنے لگے — اسے دس کوس پر تو لے میرے تو کر پھینکا

احسان کے دوسرے بیٹے

عبدالحکیم خاں (جنکا خطاب عیسیٰ خاں تھا) کا حال تفصیل سے نہیں ملتا۔

صرف فرحت اللہ بیگ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور شاعر عظمت اللہ خاں ان کے نواسے تھے۔

عنایت الرحمٰن خاں

دوسرے بیٹے عنایت الرحمٰن خاں پہلے دلی کالج میں معلم[1] رہے بعد میں سالار جنگ اول نے انھیں حیدرآباد بلا کر ناظم تعلیمات بنایا جس کا حال گارسان۔ د ی۔ تاسی نے بھی لکھا ہے وہ اپنے خطبہ ۱۸۷۷ء میں لکھتا ہے۔

"سالار جنگ نے ایک قابل فرد کو ناظم تعلیمات بنایا ہے"۔

لیکن آغا حیدر حسن صاحب جن کا اس خاندان سے تعلق ہے بتاتے ہیں کہ وہ ناظم تعلیمات نہیں۔ "ناظم انعامات" کے عہدہ پر فائز تھے۔

حال ہی میں مظہر اقبال صاحب نے "قومی زبان[2]" میں عنایت الرحمٰن کی ایک مترجمہ تصنیف "موید الاسلام" کا حال لکھا ہے۔ یہ کتاب جان ڈیون پورٹ کی "سیرۃ النبی" کا ترجمہ ہے جس کا پیش لفظ غالب کے چہیتے شاگرد میر مہدی

---

[1] غالباً یہ معلم تھے لیکن گارساں ڈی تاسی معلم لکھتا ہے ملاحظہ کیجئے خطبات گارساں ڈی تاسی راقم الحروف نے دلی کالج کے اساتذہ کے ضمن میں اس کی کھوج کی لیکن ان کا نام نہیں ملا۔

مجروح نے لکھا ہے۔

عنایت الرحمٰن خاں کے دو صاحبزادوں غلام محمد حسین خان میونسپل کمشنر دہلی اور ابوالحسن خان منصف دہلی کا حال لالہ سری رام مصنف "خمخانہ جاوید" سے معلوم ہوتا ہے۔ جن کے لالہ صاحب سے ذاتی مراسم تھے۔

جناب آغا حیدر حسن صاحب نے اس خاندان کے موجودہ افراد کا بھی حال بتایا ہے۔ موصوف کے بیان کے مطابق نواب غلام حسن خاں کے صاحبزادے نواب امیر حسن خان رئیس دہلی حال حال تک دہلی میں مقیم تھے پھر ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔

سیف الرحمٰن خاں کی ایک پوتی (دختر عنایت الرحمٰن خان) کی شادی علاؤالدین احمد سابق پرنسپل اورنگ آباد کالج سے ہوئی۔ یہ خاندان بھی ترک وطن کر کے پاکستان چلا گیا۔

احباب و تلامذہ احسان کا تعلق دربار شاہی سے تھا اس لئے اس دور کے اکثر عمایدین سے ان کے تعلقات تھے۔ سر سید احمد خان۔ افضل العلماء شاہ عبدالعزیز۔ نواب الٰہی بخش خان معروف۔ مولوی کریم الدین پانی پتی۔ امام بخش صہبائی۔ حکیم مومن خان مومن۔ نواب حامد علیخان ۔ مرزا قادر بخش صابر۔ مرزا قادر بخش موزوں۔ غالب علیخان سعید۔ سید ہدایت اللہ ہدایت۔ نواب برکت علیخان برکت (پیشکار جنرل)۔ اعظم الدولہ سرور۔ مصطفیٰ خان شیفتہ۔ مندرجہ بالا اصحاب کو احسان کی ہمنشینی و ہم جلیسی کا فخر ملا تھا۔

الٰہی بخش خان معروف نے احسان کی غزل کی اور احسان کی معروف کی غزل کی تضمین کی ہے۔

احسان نے معروف کی اس غزل کی اردو میں تضمین کی ہے۔

برد ہندی لیئے زجا مارا

معروف نے احسان کی مندرجہ ذیل غزلوں کی تضمین کی۔

(۱) رنگ زرد دم ہم چو زر بے فائدہ ۔

(۲) بسنت پھولی ہے لیکن نہیں ہے یار دریغ

تلامذہ احسان کے تلامذہ میں زیادہ تر "سلاطین" یعنی شہزادے اور شہزادیاں تھیں جن میں سے تین نے "استادی کا رتبہ پالیا ۔

(۱) مرزا معز الدین ثابت ابن شاہ عالم

(۲) مرزا قادر بخش صابر مؤلف تذکرہ گلستان سخن ۔

انھوں نے احسان کی غزل ؎ "لی خوب ابھی خبر ہماری" پر تضمین لکھی ہے ۔ یہ بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے جن کا دیوان حیدرآباد کے مطبع آصفی میں طبع ہوا ۔

(مرزا قادر بخش موزون)

ان کے علاوہ مختلف تذکروں میں ان کے مندرجہ ذیل شاگردوں کے نام ملتے ہیں ۔

(۱) مرزا پیارے رفعت (تذکرہ گلستان سخن صفحہ ۲۴۴ و ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا)

(۲) قادر بخش صابر (مصنف تذکرہ گلستان

(۳) غلام حسین بیدل (تذکرہ گلستان سخن صفحہ ۱۶۰

(۴) تہور مرزا غلام فخر الدین خان (قادر بخش صابر کے بھائی) تلمیذ احسان و مومن ۔)

(۵) مرزا سعادت سلطان تیمور (تذکرہ گلستانِ سخن صفحہ ۱۸۰)

(۶) حفیظ (شاہی مرثیہ گو صفحہ ۱۹۸ تذکرہ گلستانِ سخن)

(۷) سالکؔ (مرزا خجستہ بخت ابن شاہ عالم)

(۸) سوزاںؔ (مرزا امام بخش)[1]

(۹) شہرہؔ (مرزا نصیر الدین نواسہ اکبر شاہ ثانی)[2]

(۱۰) عالیؔ (مرزا عالی بخت ابن مرزا فیروز بخت ابن شاہ عالم بادشاہ

مرزا معز الدین ثابتؔ کے انتقال کے بعد احسان کے زمرہ شاگردی میں داخل ہوئے۔

(۱۱) عزیزؔ مرزا اعزیز الدین

(۱۲) صاحبؔ شیر زمان (نبیرہ احسانؔ)

(۱۳) قمرؔ (مرزا قمر طالع فرزند ایزد بخش مرزا نیلی

(۱۴) قناعتؔ (مرزا غلام نصیر الدین)

(۱۵) مضطرؔ (مرزا خسرو شکوہ عرف مرزا آغا جان ابن مرزا سلیمان شکوہ

(۱۶) موزونؔ (مرزا قادر بخش)

(۱۷) وفاؔ۔ مرزا دارا بخت ابن مرزا جمشید بخت ابن شاہ عالم دالا

حمیت شاہ ماہر زان کا تذکرہ "تذکرہ نیغم" میں بھی ملتا ہے۔

ذاتی وجاہت | آغا حیدر حسن صاحب کی عنایت کردہ قلمی تصویر سے احسانؔ کی قلعہ شاہی میں قدر و منزلت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ نیز ان ہی کے بیان سے جیکے راوی مولوی فرحت اللہ بیگ ہیں ثابت ہوتا ہے کہ احسانؔ صاحب ثروت تھے۔ انکی

---

[1] تذکرہ گلستانِ سخن صفحہ ۲۴۶۔

[2] تذکرہ گلستانِ سخن صفحہ ۲۵۳۔

جائداد کافی تھی جسے ان کے پوتے نواب احمد حسن خاں نے جوئے میں برباد کر دیا اس کے بعد بھی کافی دنوں تک اس خاندان میں دولت رہی۔

بقول مرزا فرحت اللہ بیگ

"ان کی محل سرا کا برجی پھاٹک ہندوستان کی صنعت کا ایک بہترین نمونہ تھا۔"

غالباً اسی کی طرف اشارہ ان کے اشعار میں لکھا ہے۔

اسطرف سے اسطرف کو جانیوالی ہمنشیں — ایک کوچہ ہے ادھر کو اس گذر سے پیشتر
ایک دروازہ نظر آئے گا عالی سا تجھے — بلکہ شاید گذرا ہو تیری نظر سے پیشتر

یہی نواب احمد حسن خان قلعے کے تعلقات کی وجہ سے باغیوں سے مل گئے تھے ہر سرو کی گڑھی میں جو خزانہ تھا اس پر قبضہ کر کے وہی لائے اور نصیر الدولہ خطاب پایا لیکن جب باغیوں کو شکست ہوئی تو یہ اور ان کے والد سیف الرحمٰن خان الور چلے گئے مگر وہاں سے اپنے نو سو ساتھیوں کے ساتھ پکڑے ہوئے دہلی آئے۔ چھ سو کو فورڈ صاحب نے گڑھ گاوں ہی میں ختم کر دیا۔ مگر یہ دونوں باپ بیٹے بچ گئے۔

احسان کی وفات احسان کا انتقال ۱۲۶۰ھ میں قمری مہینوں کے حساب سے پچاسی سال کی عمر میں ہوا۔ ان کے عزیز شاگرد قادر بخش صابر نے ان کی وفات پر ایک پُر درد قطعہ لکھا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

قطعہ

تنگ نائے دہر فانی سے ہوں دل برداشتہ — ہے جنوں انگیز و حیرت خیز یہ وحشت سرا
رفتہ رفتہ ساکنانِ خاک ہیں گرمِ سفر — راہ چلنے میں نہ دن کا فکر نہ ڈر رات کا
دانہ ہائے سبحہ کے مانند اجل کے ہاتھ سے — منتقل ہے ایک کے پیچھے دوسرا
حضرت احساں کہ وہ تھے گلستانِ دہر میں — طوطیِ شکر مقال و عندلیبِ خوش نوا
قدوۂ اربابِ فضل و اسوۂ اہلِ کمال — قبلۂ رحمات علم و کعبۂ اہلِ صفا

نسخۂ ارشاد و عرفاں آیت لطف و کرم
معنی تلمیذ رحمٰن صورت جود و سخا

ہائے اس مصباح ظلمت سوز بزم دہر کو
صرصر جور اجل نے کس طرح گل کر دیا

اس کے مرنے سے جدھر دیکھو ادھر کس کس طرح
حسرت و اندوہ کا ہنگامہ برپا ہو گیا

عین ہنگام الم میں صابر دلگیر نے
اپنے دل کو تھام کر باصد غم و باصد بکا

کی رقم اس معدنِ احساں کی تاریخ وفات
دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احساںؔ اٹھ گیا
۱۲۶۴

صابرؔ نے اپنے استاد کی شان میں ایک اور قطعہ لکھا ہے جو ان کے دیوان میں شامل ہے۔ صابرؔ کا دیوان سید محمد سلطان عاقل نے مطبع اخبار آصفی میں طبع کرایا تھا قطعہ یہ ہے

قطعہ

پہلے استاد تھے احساںؔ، نصیرؔ و ممنوںؔ
ہوئی احساںؔ سے پُر اصلاح طبیعت میری

پھر ہوا حضرت صہبائی کی اصلاح کا فیض
طبع باریک ہوئی انکی بدولت میری

اور ہم بزم رہے مومنؔ، ذوقؔ، غالبؔ
استاد ول ہی سے ہر دم رہی صحبت میری

نسخوں کی تفصیل | اس کلیات کی تدوین میں میں نے چار نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔ جسے بالترتیب ا، ب، ج، د سے تعبیر کیا ہے۔

(۱) نسخہ "ا" کلیات نہیں دیوان ہے اس میں قطعات قصائد وغیرہ نہیں ملتے البتہ بعض غزلیں دوسرے دواوین سے زیادہ ہیں اس کی نقل مجھے پٹنہ سے جناب پروفیسر عبد القادر صاحب سروری کی بدولت دستیاب ہوئی میں نے دیوان کی پوری نقل منگوائی۔ یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ کا مخزونہ ہے۔

(۲) نسخہ "ب" اس دیوان کی نقل کتب خانہ سالارجنگ میں بھی محفوظ ہے۔ البتہ غزلوں کے اشعار میں کہیں کہیں اضافہ اور کہیں حذف ملتا ہے۔

(۳) نسخہ "ج" آغا حیدر حسن صاحب کی ملکیت ہے۔ اس میں احسآن کا فارسی کلام بھی شامل ہے[1]۔

نسخہ "د" انڈیا آفس کا مخزونہ ہے جس کا Micro film مجھے میری عزیز شاگرد بیگم نزہت معظم علی نے روانہ کیا۔ امریکن ریسرچ سنٹر کے مائیکرو فلم ریڈر سے میں نے اس کا پروف تیار کرایا ہے۔ یہ سب سے زیادہ مکمل نسخہ ہے اور اسی کو میں نے بنیادی نسخہ بنایا ہے غالباً اسی کی نقل لالہ سری رام کے پاس تھی جس کا حال فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے۔

نسخہ "ا و ب" میں صرف غزلیات یکجا کی گئی ہیں۔ گویا یہ صرف "دیوان" ہیں۔ نسخہ ج، د کو کلیات کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس میں غزلوں کے علاوہ قطعات کی کافی تعداد ہے جو احسآن نے وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ انڈیا آفس والے نسخہ کی نقل میں فارسی کلام درج نہیں۔ آغا صاحب کے نسخہ میں فارسی کلام بھی درج ہے لیکن سب سے زیادہ اردو اشعار نسخہ "د" میں ہیں۔ البتہ آغا صاحب کے دیوان کی اور انڈیا آفس کے مخزونہ دیوان کی کتابت ایک ہی ہے۔ نسخہ جات ا، ب کی کتابت مختلف ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ "قصہ مہر افروز و دلبر" اور کلیات احسان کا کاتب ایک ہی ہے۔

نسخہ جات 'ج' 'د' 'د' میں ہائے مخلوط، ہائے معروف اور یائے مجہولی کافی فارسی کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مثلاً گ کی جگہ اکثر "ک" لکھا گیا ہے۔

---

[1] اس کا نسخہ آغا صاحب نے بڑی عنایت سے مجھے مستعار دیا ہے۔ اور میں نے اس سے کافی مدد لی ہے۔

اسی طرح ہائے معروف اور یائے مجہول میں فرق نہیں کیا گیا۔ بھی۔ مجھے اکثر اوقات یائے مجہول کو یائے معروف لکھا گیا ہے۔

چاروں نسخوں کے آغاز میں مرزا معزالدین ثابت کا فارسی دیباچہ ہے۔ جس میں انھوں نے احسان کے شاہ عالم کے دربار سے متوسل ہونے کی نیز شاہ عالم کے احسان سے گہری شہادت دی ہے۔ آخر میں امام علی مقتول کی تحریر بطور خاتمہ کے درج ہے۔

اصل دیوان کے ابتدائی اشعار میں چاروں نسخوں میں اختلاف ہے۔

نسخہ 'ا' و ب میں غزلیں اس حمد سے شروع ہوتی ہیں۔

یہ دو جو بحر ہیں یہاں کون بجز خدا میرا	خدا ہی دونوں جہاں میں ہے ناخدا میرا

نسخہ "ج" یعنی آغا صاحب والے کلیات کے ابتدائی اوراق جھینگر چاٹ گئے ہیں البتہ آخر میں ٹائپ شدہ صفحات لگا دیے گئے ہیں۔ اس کی ابتدا بھی ان ہی اشعار سے ہوئی ہے۔

نسخہ "د" (انڈیا آفس) کی ابتدا میں نعتیہ قصیدہ ہے۔

یہی وظیفہ مجنون بہ دشت عشق رہا	فدا ہوں اس پہ کہ اسریٰ بعبدہ لیلیٰ
گرا جو شام کو دست فلک سے ساغر مہر	نشے میں عشق کے ہے جو رگنبد مینا
جبین عرش معلیٰ ہے سجدہ گاہ نیاز	اس آستاں پہ ہے سبحان ربی اعلیٰ
جنون عشق میں ..... ہو تو چشم و ناخن سے	بنا دوں دشت کو عمان کوہ کو صحرا
تو اس کی عشق میں مرد جغار کھے ہے مدام	. . . .
میری گناہ میں اس مغفرت کا قصور	تو وہ غفور ہے تو وہ . . . .

پھر ایک قطعہ ہے

یمنا فلک قدر و نخنی تیرا گدا ہے شہنشاہ یثرب و بطحی
شفیع روز قیامت راز مدام بہر سالت بہر عز و علا

اسکے بعد سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

(دیوان جناب مستطاب حافظ عبدالرحمن خاں صاحب المتخلص بہ احسان)

بتاریخ یکم جمادی الثانی ۱۲۵۷ھ

گورنمنٹ دہلی کی مہر ہے۔

the govt. Deli M.S 173 India of fice Liberary

نسخوں کی تعین کتابت ان میں سب سے زیادہ قدیم نسخہ "ا" ہے یعنی اس کا خاتمہ اس طرح ہے۔

یہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ تھا جس کی نقل منگوائی گئی "دیوان ہذا تصنیف وحید عصر یگانہ دوران حافظ عبدالرحمن خاں المتخلص بہ احسان در عہد سلطنت بادشاہ جم جاہ فلک سریر خورشید کلاہ معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی سنہ میمنت جلوس والا مطابق پنجم ماہ ربیع الاول ۱۲۳۹ھ انجام پذیرفت"

نسخہ ب کا خاتمہ اس طرح ہے۔

نسخہ ج ۱۲۶۰ھ کا ہے اسکے کاتب مرزا قادر بخش موزوں ہیں عبارت یہ ہے۔

"تمام شد دیوان ہذا التصنیف فضائل مرتبت معانی منقبت حافظ عبدالرحمن خاں علیہ الرحمۃ و مغفران بہ خط خام محمد قادر بخش کمترین از شاگردان خان والاشان بتاریخ بست و پنجم ماہ رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ بہ تصحیح و مقابلہ دیوان مصححہ مصنف صورت اتمام پذیرفت۔"

گویا یہ دیوان احسان کی زیر نگرانی لکھا گیا۔

نسخہ "د" میں ۱۲۵۷ھ درج ہے۔ اور خاتمہ کی عبارت اسطرح ہے۔

خاتمہ دیوان

پیداست از حدیث خیرست — حادث حد شان آفرینش
شد زردی روئے دشمن تو — وجہ یرقان آفرینش

حیران بہ ثنائے تو احساؔن — حسان جہان آفرینش
احساؔن تو ما ثمردہ بماند — فرسودہ بیان آفرینش

دیوان جناب مستطاب حافظ عبدالرحمٰن خان صاحب المتخلص بہ احساؔن
یکم جمادی الثانی تمام شد ۱۲۵۷ھ۔

احسان کے پوتے احسان الرحمٰن خاں

احسان کے پوتے احسان الرحمٰن خاں اور محمد کرم اللہ خاں نے دہلی میں ایک محفلِ مشاعرہ کی طرح ڈالی تھی۔ جس کے جلسے ایک ماہ میں دو مرتبہ ان اصحاب کے مکان پر ہوتے ان جلسوں میں اس زمانے کے سر برآوردہ اہلِ سخن جمع ہوتے اسکی روداد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جلسوں میں غالبؔ نے بھی شرکت کی تھی۔

اس مشاعرہ میں پڑھی گئی غزلیات کو گلدستوں کی شکل میں چھاپا بھی گیا ہے چنانچہ ایک گلدستہ "گلدستۂ انجمن" کے نام سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں موجود ہے جس کا تعارف ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنے مضمون "تلامذہ غالب" میں پیش کیا ہے[1]۔

"گلدستۂ انجمن" کے مرتب مولوی عبدالکریم ہیں۔ عبدالکریم صاحب نے اس انتخاب کا دیباچہ بھی لکھا ہے جو متن کے علاوہ حاشیوں میں بھی درج ہے۔

عبدالکریم صاحب لکھتے ہیں۔

چونکہ اس بحرِ بے پایاں و بے کنار کو انتہا اور ساحل نہیں اس واسطے اس خیال محال سے عطفِ سال لازم و واجب ہوا۔ سخنورانِ والا نظر پر ہویدا ہو کہ یہ احقر العباد محمد عبدالکریم ابتدائے عمر سے گلچینِ چمن فیض خدمت سخن گویانِ رنگین مقال رہا ہے۔ اور گلبانگ شگفتہ بیانی سخن موزوں کو ہمیشہ ابتامِ غنچۂ خاطرِ افسردہ جانتا ہے۔ جو کلام عاشقانہ سراپا سوز و گداز نظر آتا ہے دل مذاق منزل لطافت آشنا تڑپ جاتا ہے۔ بالخصوص کلام تازہ دیکھنے سے حلاوت بے اندازہ ملتی ہے۔ اور جراحت کہن دلِ بسمل ادا بندی گفتارِ نو سے لطفِ بے قراری تازہ پاتا ہے ہر چند اس زمانے میں علم و ہنر کی کساد بازاری ہے اور نخلِ فضل و کمال کا جو کام

---

(۱) ماہ نو اشاعت خاص مارچ ۱۹۶۹ء

برگ ریزی ہے مگر پھر بھی جو صاحبان طبع رسا اور مذاق سخن سے آشنا ہیں انکی محفل میں ایسے ہی امور مذکور ہوئے چنانچہ مخدومی محمد کرم اللہ خاں خلف محمد شفیع خاں عرف منشی آغا جان صاحب اور محمد احسان الرحمٰن خاں صاحب خلف اصغر نواب سیف الرحمٰن خاں عرف موسیٰ خاں صاحب کہ جسم دوستی کی جان آگاہ اور چشم خلائق کے نور نگاہ ہیں ازبسکہ سنجیدہ و فہمیدہ و مظہر اوصاف حمیدہ ہیں۔ اہل سخن کے جلسہ صحبت کے راغب اور صاحب کمال کے ملنے کے طالب یہ تجویز فرمائی کہ بے کاری میں عمر صرف کرنا اصراف[1] ہے۔ کوئی محفل احبا قرار دینی چاہیے کہ جس میں سب سخن وران جمع ہو کر داد شعر وشاعری دیں اور علی الرغم زمانہ فارغ البالی میں بہرہ و بہر اوقات کریں۔ چونکہ اس امر کے واسطے کوئی تدبیر بہتر مشاعرہ سے نہ تھی اس واسطے موصوفین نے اپنے کاشانہ ارم نشانہ میں ہینہ میں دوبار جلسہ مشاعرے[2] مقرر فرمایا۔

---

(۱) اسراف
(۲) اس مشاعرہ میں غالب نے بھی ایک طرحی غزل سنائی تھی جس کی ردیف "تکیہ" ہے جو دیوان غالب مرتبہ عرشی کے صفحہ (۳۰۳) پر درج ہے۔ اس کے متعلق بعض نقادوں جیسے عبدالرحمٰن بجنوری کا

دیوان

جناب مستطاب حافظ عبدالرحمن خاں صاحب

المتخلص احسان

بتاریخ یکم جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ تمام شد

مُہر

THE GOVT DELHI M.S NO 173
(HINDUSTAN)
INDIA OFFICE LIBRARY.

احسان آن رحمٰن که هر یک عبد مومن خود را از رحمتِ خاص خود دولتِ ایمان بخشیده و زبان را که پارهٔ گوشت است قوّتِ نطق داده و سخن سنج گردانیده ۔ مصرع

"حکیمی سخن بر زبان آفرین"

از قدرتِ کاملهٔ خود بنای ہستی دو عالم ریخته ، و شیرینیٔ لسان شعرا را با شہد آمیخته ، مطلع ہدایت و مقطع نہایت و قصیدهٔ مطول دو جہان صنعت مختصر اوست ، مخمس پنج انگشت انسان و رباعی چشم و گوش و قطعہای اعضا و مثنوی کُل مخلوقات منسوب بدوست ۔ مثنوی

رحمی که زره برون نباشم | از حکمِ تو گو برون نباشم
ثابت حمدت چه سازد انشا | ہستیٔ تو مغزِ دین و دُنیا
صد شکر که ذاتِ مُصطفیٰ را | آں سرور جملہ انبیا را
پیغمبر ما بدان نمودی | رحمی بر عاصیان نمودی

پیغمبری که ما عاصیان را صلای شفاعت دُاده ، و خوانِ نعمت عنایت بر ہرکران نہاده ۔ مصرع

شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریمٌ

صادقی است کہ جناب فیض مآب صدیق را یارِ غار خود ساختہ، عادلی کہ حضرت عمر را عمری بہ ترتیب خود بنواختہ، جامعی کہ ذات با برکات عثمان را جامع قرآن کردہ، امیری کہ امیر المومنین علی را رتبۂ علی بخشیدہ، محسنی کہ از طفیلش ابرِ رحمت حسنین بر فرق ما سایہ فگن، قادری کہ از عنایتش شیخ شیخ و السموات والارض شیخ عبدالقادر جیلانی دستگیر رنج و محن، سروری کہ نام عبدالرحمن را پسند فرمودہ بایں اسم نہادن امر نمودہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔

امابعد عاصی عزلت گزین مرزا معز الدین ابن شاہ عالم پادشاہ غازی اَنَارَ اللہُ بُرْھَانَہٗ کہ تخلص ثابت دارد و در راہِ اخلاص ثابت است می گوید کہ این را از صغر سن شوق شعر فارسی و ریختہ کمال بود و طالب اہلِ کمال بودم می خواستم کہ اصلاح شعر از استادی بگیرم کہ استاد مسلّم الثبوت باشد چنانچہ در ہمین تلاش در مجلس خواص والد صاحب مغفور خود حاضری شدم و محفلِ خاص عبارت از آن است کہ مجرائیان از دیوان خاص شرف مجرا دریافتہ می رفتند و حضرت ظلِ سبحانی خاصہ تناول فرمودہ بدیوان خاص از برای استراحت تشریف ارزانی می فرمودند، چون اعلیٰ حضرت ممدوح را شوق اشعار فرمودن بسیار بود، آن وقت ہر روز یا مطلع یا غزل یا کسی مصرع فی البدیہہ فرمودند، چنانچہ حافظ "عبدالرحمن" خان احسان استاد حضرت صاحب عالم و عالمیان برادر صاحب و قبلہ مرزا محمد ایزد بخش بہادر عرف مرزا نیلی صاحب دامِ اقبالہٗ مدام حاضری بودند و اعلیٰ حضرت ایشان را استاد خود می فرمودند و بغایت عنایت بحال ایشان مصروف می داشتند استاد مسطور فی البدیہہ غزل ہای فارسی و ریختہ سرانجام می نمود و پادشاہ جم جاہ را از شیرین زبانی خود مسرور می ساخت روزی پادشاہ روبروی من فرمودند کہ حافظ جیو مصرع ریختہ می گویم مصرعۂ دیگر فی البدیہہ باید گفت کہ بخاطر با بدولت نمی آید عرض کرد کہ ہر چہ حکم ارشاد فرمودند

مصرع

صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں

خان مذکور بی تامل مصرعۂ ثانی بہم رسانید و آن این است ۔ مصرع

نامناسب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں

پادشاه تبسم نموده فرمودند همه غزل با تمام رسانند همان جا استاد مذکور غزل آنچنان زود ترسرانجام نمودند که گویا که غزل گفته خود یاد بود حاضرانِ مجلسِ ابو محمد خان داروغهٔ خاصه و نور علی خان داروغهٔ توشکچی خانه وغیره تحسین کردند مگراین ہیچمدان بر مصرعه بہم رسانیدهٔ مومی الیه اعتراض نمود گفتم یا وقتِ سحر باید گفت یا سحرگاه باید داشت لفظ گاه و وقت که هر دو درین جا یک معنی دارند بی معنی است مشارالیه خندیده گفت حضرت از علم شعر خبر ندارند و آن بدون صحبت شاعر کامل بهم رسیدن بسیار دشوار است تا آنکه این گفتگو پادشاه مسموع فرمودند و این عاصی را ارشاد ساختند که حافظ جیو استادِ وقت خود اند بدون سند این لفظ نگفته باشند بنده عرض کرد که این لفظ فارسی است تا کسی استادِ مُسلّم الثبوت ولایت زانگفته باشد اعتبار ندارد حافظ جیو بعد تامّل این شعر مرزا محمد علی ثابت تبریزی در سند خواندند: شعر

آدمی پیر چو شد حرص جوان میگردد

خواب در وقتِ سحرگاه گران میگردد

پادشاه تبسم فرموده فرمودند مانمی فرمودیم که از ایشان خطا نخواهد شد عرض کردم که قبلهٔ عالم ایشان شاعر اند خود تصنیف نموده خوانده باشند اگر در دیوان صایب به بینم غلام را اعتبار آید پادشاه قدرے برهم شده فرمودند: مصرع

جوابِ جاہلان باشد خموشی

القصه استاد مذکور روز دیگر این سه شعر اساتذه در سند وقتِ سحرگاه آورده خواندند۔

حیاتی گیلانی	نغانِ بلبل و وقتِ سحرگاه	حیاتی و دلِ نادان و شب ها
علی نقی کمره	وقت سحرگاه زخیلِ دعا	بر سپه غصه شبیخون زنم
اشرف تذدینی	دلبرم وقتِ سحرگاه بدرخانه رسید	ہمچو صبح شفق آلود رخش سرخ و سفید

روزی اعلیٰ حضرت مغفور یک مصرعهٔ غزل فارسی طرح فرموده بودند استادِ مسطور این مصرعه فی البدیهه در مطلع بهم رسانیده بود: مصرع "نکردم عشق کس هرگز چو من عاشق سخن گشتم" آن وقت حاضر بودم

آہستہ بگوشش گفتم اضافت لفظِ عاشق چرا محذوف نمودند گفتند درست گفته ام و این سه شعر میرزا صائب خواندند :۔

سرنمی تبرک سر ز تیغ آب دار — این قدر کس چون قلم عاشق سخن باشد چرا

چون سبو تا ہست نم از زندگی در پیکرت — دستگیری کن می آشامانِ عاشق باده را

عالم روشن بہ چشمش زود می گردد سیاه — ہر کہ چون پروانہ بیدرد عاشق صحبت است

بسیار تحسین نمودم و گفتم شاعری کسی را سزاوار است کہ این قدر متتبع کلام اساتذہ باشد شنیدہ گفتند اگرچہ من ہمہ گفتہ ام و سند ہمچو صایب شاعرِ زبردست موجود است لیکن نزدیک من بدون اضافت این چنین اشعار از رتبہٴ فصاحت می افتند، یک روز پادشاہ این مصرع فرمودند :۔ مصرع

خدا را ندارم سوا تو کسی را

و از استاد من پرسیدند کہ لفظ سوا تو ہم درست است یا نی دیگران گفتند کہ لفظ سوا تو ہست پادشاہ فرمودند من از ایشان پرسیدم شنیدہ عرض کردند کہ پیر و مرشد درست است و این شعر شانی تکلو خواندند :۔ شعر

من جان ندہم بکس سوا تو، تو دل ندہی بکس سوا من

و از من گفتند این نیز اگرچہ درست است امّا بخیال من از فصاحت بعید است و ظاہر ساختند جائیکہ ہای مختفی باشد شعرا اکثر فک اضافت نمودہ اند چنانچہ مخمّس تاثیر :۔ شعر

مسکنِ شوخی بود ہر پارہ دِل دَر سینہ اَم

خانہ اَم چون کیفدان بادای چندین خانہ است

الغرض استاد مذکور اشعار فی البدیہہ بدون خطا بحضور پُر نور حضور والا مضبوط و مربوط سرانجام می ساختند کہ دِل سخن فہم محظوظ می شد تا آنکہ خوشہ چین خرمن صحبت ارشان شدہ ظاہر نمودم کہ دل می خواہد کہ شعر فارسی و ریختہ ہر دو گفتہ باشم گفتند کہ از عہدہٴ شعر فارسی برآمدن خیلی دشوار است اشعار ریختہ فرمودہ باشند کہ غزل ریختہ اگر خُوب باشد بہتر از فارسی است، ہدایت شاعر می گوید :۔ شعر

رواج اُٹھ گیا ہند سے فارسی کا　　　ہدایت کہا ریختہ جب سے ہم نے

شُنیدہ ظاہر نمودند کہ شاعر ریختہ گو را علمِ فارسی پر ضرور است بدونِ علم فارسی خطامی سازد و از خطای خود مطلع نمی شود آخرالامر از برکتِ صحبت آن استاد مسلّم الثبوت در ریختہ گوئی پایہ بہم رسانیدم کہ اساتذۂ این فن شریف شعرِ من پسندی نمایند و اکثر شاگردانِ من کہ برادر و برادر زادہ ہا اَند آنچنان ریختہ می گویند کہ قابلِ تحسین و آفرین اند غرض ازین گفتگو آنکہ حافظ عبدالرحمٰن خان احسان استاد این اضعف العباد بنای ریختہ آنچنان ریختہ اند کہ روبری ریختہ ایشان ریختہ کسی ریختہ گو پسند خاطر من نمی آید شیرین سخن را کہ خسروِ اقلیم فصاحت و بلاغت بگویم رواست چون مملکتِ سخن سنجی زیرِ نگین دارد اگر ملک الشعرا بگویم رواست چون خوی ایشان چنان واقع شدہ کہ بدون تحریک محرکی غزل نمی گویند و نیز حاضر باشی درحضور والا و کاروبار سرکار فیض آثار برادر صاحب و قبلہ ممدُوح دارند بنابران ہر چند کہ سلسلہ جُنبان تدوین دیوان ریختہ شدم صورت نہ بست اکثر غزل ہائی فرمایشی من و مشاعرۂ طبع زاد استاد موصوف بہم رسانیدم و تدوین آن نمودم کہ تا عندلیب طبع سخن سنجان ازین بوستان ہندوستان کہ غیرتِ ریاض رضوان است گل مراد چند ﴿ اشعار می گوید

بشیرینی جاتی خوش کلام　　　کہ ہم نام احسان ہے وہ نیکنام
بکیفیتِ جامِ پیرِ مغان　　　با مَنعیّتِ ملکِ عشقِ بُتان
مُعطّر ہوا اس سے ہندوستان　　　یہ ہے بوستان لائقِ دوستان
جدھر دیکھو واں یاسمین سخن　　　خیاباں خیاباں چمن در چمن

الٰہی این گلزار رشکِ ارم از صرصرِ حوادث روزگار مصُون و محفوظ باد بحرمت النبی و آلہ الامجاد۔

ربّ یسر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" وتمم بالخیر

قصیدہ در نعت سرورِ کائنات

یہی وظیفۂ مجنوں بہ دشتِ عشق رہا — فدا ہوں اس پہ کہ سُبحانَ ربّیَ الاعلیٰ[1]

گرا جو شام کو دشتِ فلک سے ساغرِ مہر — نشہ میں عشق کے ہے چُور گنبدِ مینا

جبینِ عرشِ معلّیٰ ہے سجدہ گاہِ نیاز — اس آستاں پہ کہ سُبحانَ ربّیَ الاعلیٰ

جنونِ عشق میسّر ہو تو چشم و ناخن سے — بناؤں دشت کو عمان کوہ کو صحرا

تو اس کے عشق میں ......[2] جفا رکھے ہے مدام — غدار تو .... آستاں پر ....

مری[3] گناہ میں ...... مغفرت کے قصور — تو وہ غفور ہے تو وہ عفو بخشتا

بداں شرم کہ کنم دام — کہ پیشِ عفو تو آرم بہ تحفۂ روزِ جزا

فرد

احسان[4] سپہرِ رگ کی ہر دم ہے چڑھائی — کہتا ہے خبر دار خبر دارِ نفس، ما

---

[1] نسخہ الف، ب، ج میں یہ نعتیہ اشعار نہیں ہیں۔
[2] یہ لفظ کرم خوردہ پڑھا نہیں گیا۔
[3] دیوان میں ہمیشہ ہائے مجہول کو ہائے معروف لکھا گیا ہے۔
[4] یہ فرد نسخہ الف، ب، ج میں نہیں ہے۔

غزل

یہ دو جو بحر ہیں یہاں کون آشنا میرا
خدا ہی دونوں جہاں میں ہے ناخدا میرا

رہِ خدا میں ہوں پہونچا خدا خدا کر میں
خدا خدا ہی جیوں ہے خدا خدا میرا

رکھا ہے عشق کے دریا میں اب قدم میں نے
معاف کیجیو یارو کہا سنا میرا

جلا دی پھونک دی کن کنول کو آتشِ عشق
تیری کرم سے یہ مٹ جائے دغدغا میرا

جو خود بخود ہی مجھے دونوں جہاں دیئے تو کیا
خدا کرے کہ تو خود ہووے اے خدا میرا

نہ روٹھ مجھ سے برائے خدا کہ تو ہے یار
رفیق میرا صنم میرا دِل رُبا میرا

نہیں ہے دستِ سبو سے مجھے سرِ بیعت
کسی کی زُلف کو پہنچی ہے سِلسلا میرا

پھروں ہوں عشقِ بتاں سے کوئی نہ کہہ پھر پھر
خدا کے واسطے ناصح نہ سر پھرا میرا

ق

کہا یہ کس نے کہ شاکی ہوں تجھ سے اے قاتل
یہ حرف سُن کے لہو خشک ہوگیا میرا

وہ تیری تیغ کا احسان ہے میاں ہر دم
کہ عضو عضو ہے شاکر جُدا جُدا میرا

غزل نہ کیوں کہ پڑھوں دوسری کہ اے احسانؔ
محرک آج ہے ثابت سا میرزا میرا

رُکا جو یار تو بس حال یہ ہوا میرا
کہ دم بھی آوے ہے ہر دم رُکا رُکا میرا

[1] کہے گی خاک تو پیغام اے صبا میرا
ہوائے یار میں دم ہے ہوا ہوا میرا

[2] جو مر بھی جاؤں نہ کیجیو مری وفات کا ذکر
وفا کے نام سے چڑتا ہے بے وفا میرا

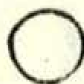
---

[1] یہ شعر نسخہ 'ا، ب، ج' میں نہیں صرف نسخہ "د" میں ہے

[2] یہ شعر نسخہ 'ا، ب، ج' میں نہیں صرف نسخہ "د" میں ہے

[1] غمِ دوگون کھلایا تو کیا ہوا اے عشق — ذرا تو اور کہ پورا ہو ناشتا میرا
[2] یہ سیلِ گریہ ہے ہرگز نہ ہوگی پند سے بند — بکا جو ناصحہ دوگنا ہوا بکا میرا
[3] جو بوسہ دیجے مزے کا مزا بدل جاوے — کہ اِن دنوں میں بہت مُنہ ہے بےمزا میرا
[4] اندھیری رات کو میں روزِ عشق سمجھا تھا — چراغ تُو نے جلایا تو دِل بُجھا میرا
[5] کہیں نہ ہو خفگی تیرے دِل میں فکر ہے یہ — کہ خود بخود ہے کچھ اس وقت جی خفا میرا
[6] دوچند حُسن ترا فرطِ خشم سے چمکا — بگڑ کے کام حُسن اے مہ سنور گیا میرا
نہ دردِ سر دو دوا سے مدام بیدردو — دوا پذیر نہیں دردِ بے دوا میرا
[7] تمہاری زُلف کا شامت زدہ کو سودا ہے — بلای عشق میں دِل ناگہاں پھنسا میرا
نہ کیوں کہ روؤں کہ ہے حال جاں کنی میں آہ — رفیق میرا جگر میرا لاڈلا میرا

کسی نے پُوچھا کہ احساں غلام کس کا ہے
لبوں پہ لا کے تبسّم کو یہ کہا میرا



[8] خفا جو مجھ سے بظاہر وہ گُل عذار رہا — اسی اَلم سے مجھے جب نہ تب بخار رہا
رُکی پہ جعدِ بُتاں کا بھی میں نہ یار رہا — اگرچہ حلقۂ ہر زُلف آنکھ مار رہا
نہ بحرِ فاتحہ اخلاص سے کبھو آیا — کہ میری خاک سے تک بے اُسے غبار رہا
موئی پہ کون ہے اپنا اگر یہ لوحِ مزار — برائے نام فقط اب سرِ مزار رہا
قرار کیا ہو دلِ بے قرار کو ظالم — قرار تیرا نہ ہرگز بیک قرار رہا

---

[1] تا [7] اشعار صرف نسخہ "د" (انڈیا آفس) والے نسخے میں نہیں ا، ب، ج میں ہیں۔

[8] یہ پوری غزل نسخہ ب، ج، د میں نہیں صرف نسخہ ا میں ہے

تمہارے ہجر میں لے بجر حسن آج تو آہ | چلی تھی جان بھی یہ دل تو در کنار رہا
بسان آہ فلک سیر نالۂ عشق | ہمیشہ گردنِ گردوں پہ بے سوار رہا
کیا جو تو نے کنارا تو کیا ہوا میں تو | تیری خیال سے دن رات ہمکنار رہا
تمہاری کشتہ مژگاں کا دشت فرقت میں | ہمیشہ خنجر براں بے آبدار رہا
میں اپنے شیشۂ دل پر ہوں غش کہ جس میں مدام | ترے خیال سے پریوں کا بے گزار رہا
نہ تیرے پاس رہا پاس عشق سے دل ہی | نہ تیرے ہاتھ سے دامن میں ایک تار رہا

تجھے نصیب ہو دنیا و دیں کہ تو احساں
ہمیشہ دست بکار اور دل بیار رہا

(۳)

سنگِ بے قدری لے سے دل کو مرے یکسر توڑا[1] | مول اس لعل کا تو نے بتِ کافر توڑا
تیری دیوار سے سر اپنا سراسر توڑا | نخلِ الفت سے ثمر ہم نے یہ دلبر توڑا
دلِ صد چاک کی پوچھی جو خبر اس نے وہیں | گلِ صد برگ مرے سامنے لاکر توڑا
نالہ و آہ بھی اب تو ہیں نکلنے سے رہی | خانۂ دل پہ لگا تیرا ستم گر توڑا

ق

سادگی نے ہی تری قتل کیا تھا کافر | تیرے زیور نے ستم اور ہی دل پر توڑا
مرکیاں تیری غضب اور یہ بالا ہے بلا | قہرِ زنجیرِ ستم ہی کافر توڑا
جب سنا مر ہے گیا آج مرا حلقہ بگوش | گوہرِ حلقۂ بینی وہیں رو کر توڑا

---

[1] یہ پوری غزل نسخہ جات ب، ج، د میں نہیں ہے۔

تیری دولت سے مرے کشورِ دل میں اب تو
مشک و عنبر کا نہیں زُلفِ معنبر توڑا

تجکو توڑا دے بلائی وہ کہاں ہے مفلس
ڈور کا جس کو نہیں یار میسر توڑا

ہاتھ پہنچے نہ ترے پاؤں تلک میر ایکجو
حیف یُوں لپٹی ترے سَر سے ستمگر توڑا

ق

یادِ مژگاں میں دمِ فصد ترے عاشق نے
دَم ہے نشتر کی نکلنی کے برابر توڑا

ہاتھ افسوس سے مَل کر وہیں فصاد نے آہ
پائے تدبیر جو ٹُوٹا سرِ نشتر توڑا

کوئی گُل میں نے جو پھینکی کہیں پہنچی میں لگی
اس اُدا نے تو پھر ایک قہر ہی مجھ پر توڑا

پہنچی کو ہاتھ میں رکھ کر بہ نزاکت بولی
ہاتھ ٹُوٹے نے مرے ہاتھ کو آکر توڑا

گریۂ آہِ جگر سوز سے چھوڑا دِل کو
آتش و آب سے احساں نے یہ پتھر توڑا

Book 13
Page 66

(۴)

پیری میں ہم سے کشت بیاباں کا ہوچکا
دامن سے رَبط خارِ مغیلاں کا ہوچکا

عالم تمام اب رُخِ جاناں کا ہوچکا
بازار گرم مہرِ درخشاں کا ہوچکا

دل میرا خُوب ہے لبے سو جبہ خُوب خُوب
خُوبی یہ اس میں ہے کہ وہ خُوباں کا ہوچکا

دَست اپنا کیوں نہ زیرِ زنخ سوچ سے رکھوں
دِل میرا خالِ زیرِ زنخداں کا ہوچکا

تجھ کو خبر نہیں یہ نتیجہ ہے چاہ کا
تیجا بھی تیرے عاشقِ بےجاں کا ہوچکا

پہلو میں میرے دِل کو نہیں کَل کسی طرح
جانا یہ مَیں نے آج سے جاناں کا ہوچکا

مذکور تیری لَب کا ہُوا اس کے رُوبرو
کام اب تمام لعلِ بَدخشاں کا ہوچکا

دیکھیں ہیں خواب میں بھی تری زُلف و خط کو ہم
ہم کو خیالِ سُنبل و ریحاں کا ہوچکا

غیرت کی جا ہے نرگسِ لیلیٰ سے یہ کہو — مجنوں ترا تو چشمِ غزالاں کا ہو چکا
داغوں کا میرے گر ہے یہ شہرہ تو شہر میں — بازار گرم لالۂ نعماں کا ہو چکا
اس زُلف و رُخ سے تیرے سُن اے فرنگ — کام اب تمام گبر و مُسلماں کا ہو چکا
گریۂ پہ میرے گریہ کناں خلق کیوں نہ ہو — گریہ سا گریہ دیدۂ گریاں کا ہو چکا
سیری ہمارے زخم کو مطلق نہیں ہوئی — جتنا تھا زور شور نمکداں کا ہو چکا
تھا محتسب جو بادہ نسادوں میں مُشتہر — وہ آج بادہ بادہ گساراں کا ہو چکا
میرا ہے رنگ زرد رکھے ہے مثالِ زر — میں زر خرید اس غمِ ہجراں کا ہو چکا
اس ٹھہری بانکی چال سے سیدھی بنو گی تم — گالی نہ دو کہ وقت وہ ہذیاں کا ہو چکا
گر تیغ کھینچیے گا کھنچ جائے گا میاں — ہی کھینچی کا دورِ تحفہ خاں کا ہو چکا

احساں نے کیا پڑھی غزلِ ثانی آن کر
ثانی کوئی تو ایسی غزل خواں کا ہو چکا

○

سینہ تو وقفِ نشترِ مژگاں کا ہو چکا — دِل جمع تھا وہ زُلفِ پریشاں کا ہو چکا
راحت سے بیر اس دلِ بریاں کا ہو چکا — جو اپنا زخم ہے وہ نمکداں کا ہو چکا
یوسف ترا کہاں ہے جو ڈھونڈھے ہے تو اُسے — یعقوب سے یہ کہہ دو وہ زنداں کا ہو چکا

لہ سو بار اگر مسیح جلائے تو یہ کہوں
بندہ غلامِ یحییٰ جیلاں کا ہو چکا

اپنے ہی گھر میں آپ نے سونا کیا شروع
آرام اب کی ہم کو زمستاں کا ہو چکا

کہہ دو امید کو جو نہ آئے وہ یہاں کہ میں
حسرت کا اور یاس کا حرماں کا ہو چکا

طاقت نہیں رہی مجھے جنبش کی ہم نشیں
میں تو کسی کی جنبشِ مژگاں کا ہو چکا

وقفہ دیا نہ ہم کو غمِ جیبِ یار نے
سر اپنا آج وقفِ گریباں کا ہو چکا

سمجھوں ہوں چشمِ مور سے کمتر اسے وسیع
مفتوں میں تو ملکِ سلیماں کا ہو چکا

دریا بھی یاں ہے گرم توے پر ہو جیسے بوند
ہم سے علاج سینۂ سوزاں کا ہو چکا

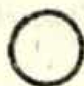
کھولا جو اس نے در بری آنکھیں سی کھل گئیں
کل سے کھلا میں آپ کے درباں کا ہو چکا

ق

مر جائے گا فراق میں کہتا ہے مجکو تو
اس منہ پہ وصل اس مہِ تاباں کا ہو چکا

فی الواقعہ یہ تو نے کہا ایک ناصحا
یاں کل ہی واقعہ شبِ ہجراں کا ہو چکا

دوں میں اسے ہزاروں تو لاکھوں ہی پھر سنائے
احساں ہی جو نہ مانے وہ احساں کا ہو چکا



یک دستِ فتنہ برپا ہم نے جہاں میں دیکھا
منصور کو سراسر دارالاماں میں دیکھا

آتش جگر میں گاہے گہِ شعلہ جاں میں دیکھا
اللہ ہم نے کیا کیا عشقِ بتاں میں دیکھا

لہ یہ شعر نسخہ ا، ب، ج میں نہیں صرف نسخہ د میں ہے۔

کس شعلہ رُو کی الفت جوں برق دل میں چمکی ۔۔۔ آتش کا یک زبانہ کام و دہن میں دیکھا

ہم کو کفن اسی کا لازم ہے ماہرویاں ۔۔۔ الفت کا پرتو آسا ہم نے کتاں میں دیکھا

جو ہیں کھرے انھیں کو دس کھوٹیاں سُنائے ۔۔۔ ہم نے نیا سَلیقہ اس نوجواں میں دیکھا

اے اہلِ دِل خدائے دِل نے یہاں دکھائی ۔۔۔ دِلّی میں تھا جو دیکھا کوئی بُتاں میں دیکھا

اِس خاکِ پا کا سُرمہ آنکھوں میں جب نہ دیکھا ۔۔۔ کیا خاک آکے ہم نے اِس خاکداں میں دیکھا

کیا رنگ اشکِ خُونیں فرقت میں ہیں دکھاتی ۔۔۔ رنگِ بہار ہم نے فصلِ خزاں میں دیکھا

آنسو سدا رواں ہیں اپنا ہے اب یہ نقشہ ۔۔۔ یارب یہ کس کا نقشہ آبِ رواں میں دیکھا

تجھ کو کبھی نہ دیکھا، دیکھا جہان سارا ۔۔۔ گرچہ تجھی کو مَیں نے سارے جہاں میں دیکھا

جتنے ہیں اہلِ جوہر ان کو زمیں نپاوے ۔۔۔ ہم نے غرض یہ جوہر اس آسماں میں دیکھا

ق

شُہرہ ہے لکھنؤ کا لیکن نعوذ باللہ ۔۔۔ مومن جو واں ہیں ان کو کُفرِ نہاں میں دیکھا

دِلّی کے ہندوؤں میں ہیں اہلِ دِل ہزاروں ۔۔۔ دِلّی سا شہر کس نے ہندوستاں میں دیکھا

دو دن سے مَیں جُدا ہُوں اِس مو کمر سے احساں

اِک سو طرح کا صَدمہ اِس درمیاں میں دیکھا



ہم پہ یہ ظلم نہ اے شیشہ گراں کیجے گا
مَی گراں ہے نہ کہیں شیشہ گراں کیجے گا

بس مجھے تیرِ جفا کا ہی نشاں کیجے گا
یا کبھو آپ کی خاطر بھی نشاں کیجے گا

کوئی سنتا ہوں جو سو عذر بیاں کیجے گا
رات کی رات کرم آج یہاں کیجے گا

دل، جگر، سینہ، مکاں تجھ سے یاں ایک سے ایک
کہہ دو آرام مِری جان کہاں کیجے گا

گام دِل کیونکہ بر آوے گا مرے گھر کی طرف
جب سواری کو بھی ہجروں سے رواں کیجے گا

کب تلک ہجر میں، میں نعرہ زناں آہ رہوں
کبھو موقوف بھی یہ مکرِ زناں کیجے گا

جن سے دِل تم نے لگایا ہے وہیں جائی پر
جنسِ دل میری اسی وقت نشاں کیجے گا

ہم بھی ہاں ایسے نہیں جو ہمیں غیرت ہی نہیں
ہاں نہیں تو نہیں، بس منہ سے ہاں کیجے گا

ق

اودی پوشاک عجب تم نے بھی واچھڑی جی
اِس بناؤ سے ابھی قصد کہاں کیجے گا

اے صنم نام خدا کیا ہو دھواں دھار بنے
آج اس پند کا اپنے نہ دھواں کیجے گا

جانبِ کشورِ وحشت علَمِ آہ کے ساتھ
جی میں ہے فوجِ سرشک آج رواں کیجے گا

آتشِ دل نہیں بجھنے کی بجھانے سے کبھو
دِل جلوں کو نہ کبھی گرمِ فغاں کیجے گا

آج عاشق کو ذرا ہنس کے جلا لو ورنہ
کل کو رو رو کے بیاں اس کا بیاں کیجے گا

کل اسی طرح سے پھر آن کے اے رشکِ ہما
غیرتِ روضۂ رضواں یہ مکاں کیجے گا

رخ نہ پھیروں گا ترے کہنے سے سن اے شہِ حسن
گر مجھے روبروئے پیلِ دماں کیجے گا

دہشت بر خوفِ محبت میں کہاں جائے اماں
مسکن اپنا دہنِ شیر زیاں کیجے گا

ہیں تمہیں چوٹ کے پھر اور یہ اب رکھوں خیال
وہم سے اپنے یہ ہرگز نہ گماں کیجے گا

محتسب آوے تو جاوے نہ سلامت یاں سے
یہ جوانوں کا کہا پیرِ مغاں کیجے گا

پھر اسی طرح کی پڑھتے ہیں غزل ہم احساں
ہر طرح دردِ نہاں اپنا عیاں کیجے گا

نیمچا جلد میاں ہی نہ میاں کیجے گا
نیم جانوں کا ابھی کام رواں کیجے گا

طاقتِ گرمیٔ خورشیدِ قیامت ہے کسے
تاب کی داغِ جگر سے نہ فغاں کیجے گا

دل میں تم ہو نہ جلاؤ مرے دل کو دیکھو
بیر النقصان نہیں اپنا زیاں کیجے گا

کہہ دو بقال پسر سے کہ مرا دل لے کر
قصد اخذ دلِ اغیار نہ ہاں کیجے گا

دل سے دل پاس ہیں تو بھی ہے دلوں کی خواہش
کیا دلوں کی کہیں دلّی میں دکاں کیجے گا

اور بھی سوزِ جگر بزم میں ہوگا روشن
شمع ساں قطع اگر میری زباں کیجے گا

یار جب ساتھ سفر میں ہو کہاں کی روزی
روز روزوں ہی میں عیدِ رمضاں کیجے گا

کس سے یارب کہوں احوال یہ کہتا ہے وہ بت
اپنی یاں رام کہانی نہ بیاں کیجے گا

وہ دھواں دھار سی زلفیں ہیں نظر میں ہر شب
وردِ اب سورۂ والّیل و دخاں کیجے گا

شہرِ دل کی تمہیں آبادی کا کچھ بھی ہے خیال
یا جہاں رہیے گا ویراں ہی وہاں کیجے گا

میری جانب سے کہو محتسبِ شہر سے یہ
سعیٔ ارزانیٔ مے از دل و جاں کیجے گا

پانی پی پی کے تمہیں دیویں گے دشنام یہ رند
تم تنک ہو گئے اگر بادہ گراں کیجے گا

جلد احساں سے کہو وہ بت خود کام آیا
اب تو للہ کہیں بند زباں کیجے گا



Page 27

فسردہ داغِ جگر دل رُبا نہیں رہتا
چراغِ عشق کا ہرگز بجھا نہیں رہتا

بغل میں رشک سے دل، دل رُبا نہیں رہتا
خفا ہے یہ کہ تو مجھ سے خفا نہیں رہتا

ہمیشہ حسن اسُن اے بے وفا نہیں رہتا
کبھی زمانہ سدا ایک سا نہیں رہتا

بجھی جو شمع تو پروانوں پہ ہوا روشن
کہ بعدِ مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

کہاں وہ گریہ وہ نالہ وہ جاں بلب رہنا
کسی کا کام ہمیشہ بنا نہیں رہتا

خدا نخواستہ تم تو صنم نہیں ایسے
تمہارے دل میں تو کینہ سدا نہیں رہتا

کہا جو میں نے کہ اے رشکِ ماہ گھر میں مرے
تو مہربانی سے کیوں اِک ذرا نہیں رہتا

لگا یہ کہنے کہ ہاں ہاں ہے یہ بھی اپنا شوق
نہیں نہیں نہیں رہتا ہوں جا نہیں رہتا

جو تجھ کو کہیے میں آنکھوں سے ضبطِ گریہ کروں
مرا قصور نہیں دل مرا نہیں رہتا

یہاں مجھے ہی نصیحت کو ہیں سبھی موجود
وہاں تو ہوش کسی کا بجا نہیں رہتا

یہ داغِ عشق ہے کیوں کر نہ گل رکھے اس کا
ہزار اس کو چھپاؤ چھپا نہیں رہتا

جو دل لیا ہے تو بوسہ بھی دو سمجھ رکھو
کہ بد معاملگی میں مزا نہیں رہتا۔

لگائی تاک ہے کیوں محتسب نے تجھ پہ دلا — اگر تو دختر رز سے بھلا نہیں رہتا

نہ کھینچ تیغ تو احسان ناتوان پہ آہ

میاں یہ زور کسی کا سدا نہیں رہتا



تمہارے قد سے ہیں قائم قیامتیں کیا کیا — اٹھی ہیں بیٹھے بٹھائے یہ آفتیں کیا کیا

لبوں پہ جان کا آنا یہ خوابِ شب کا جانا — خیالِ لب میں ہیں تیری حلاوتیں کیا کیا

دل اپنا تم کو دیا پھر رکھے وفا کی امید — بیان اپنی کروں میں حماقتیں کیا کیا

زمیں میں شرم سے اس قد کی گڑ گیا ہے سرو — ہوئی ہیں اس کو نہ حاصل ندامتیں کیا کیا

پھرا عدم سے کوئی اب تلک نہ اکتا کر — خدا ہی جانے کہ وہاں ہیں فراغتیں کیا کیا

تو بے نصیب ہے ناصح تجھے کہوں کیا میں — کہ رنجِ عشق میں ہوتی ہیں راحتیں کیا کیا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے — وگرنہ یاد تھیں مجھ کو شکایتیں کیا کیا

مجھے ہے گریہ میں پچھلائے پر ہنسی آتی — کہے ہے سن کے تو جب میری حالتیں کیا کیا

قطعہ ہفت شعر

کہے ہے مجھ کو برا شعلہ رو بقصد تشنیع — بیان تیری کروں میں شرارتیں کیا کیا

کہوں جو آ تو پھرے میرے گرد پہروں تلک — جو بولوں جا تو جتائے نفاقتیں کیا کیا

ڈرائے آہ سے گر آہ سن کے میں نہ ڈروں — دکھائے اشک کی اپنی سرایتیں کیا کیا

جو زلف دیکھی تو چمٹی مجھے بلا کی طرح — نصیب اپنی کی بتلائیں شامتیں کیا کیا

جو کھولوں بند قبا پھر کھلے ہے تیری زباں
نکالتا ہے تو اس میں قباحتیں کیا کیا

جو سرمہ دوں ہوں تو اک توتیا سا باندھے ہے
کہوں جو بات بنائے حکایتیں کیا کیا

مریضِ عشق تو ہو اور مجھ کو روگ لگے
رہیں ہیں اب کی زمانے میں چاہتیں کیا کیا

جو ذکر گل کا کیا میں نے منہ چھپا کے کہا
تجھے بھی یاد ہیں احسان کنایتیں کیا کیا



gh 13 Page 66

ہر آن جلوہ نئی آن سے ہے آنے کا
چلن یہ چلتے ہو عاشق کی جان جانے کا

قسم قدم کی ترے جب تلک ہے دم میں دم
میں پاؤں پر سے ترے سر نہیں اُٹھانے کا

ہماری جان پہ گرتی ہے برقِ غم ظالم
تجھے تو سہل سا ہے شغل مسکرانے کا

قسم خدا کی میں کچھ کھا کے سو رہوں گا صنم
جو ساتھ اپنے نہیں مجھ کو تو سُلانے کا

نصیب اس کے شرابِ بہشت ہووے مدام
ہُوا ہے جو کوئی موجد شراب خانے کا

بہت سے خُون خرابے مچیں گے خانہ خراب
یہی ہے رنگ اگر تیرے پان کھانے کا

ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ یاں احساں
وہاں ہے شغل اُسے زُلف کے بنانے کا



ہم ہیں، کوچہ ہے یار جانی کا
روز ہی زور ہوتا توانی کا

نام تیرا ہے ورنہ اے عنقا
ہی نشاں ہم سی بے نشانی کا

غم سے ہوتا ہے غم غلط اپنا
کس کو یاں غم ہے شادمانی کا

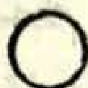
میں تو اس نوجوان پر غش ہوں
ہائے عالم تری جوانی کا

تو نہ ہووے تو جان مر جاؤں
تو ہی باعث ہے زندگانی کا

اس کی زلفِ دراز سے ہے خضر
سلسلہ عمرِ جاودانی کا

نیند اُڑ جائے سنتے ہی اُس کی
یہ اثر ہے مری کہانی کا

نہیں احساں تجھے سلیقہ کچھ
شعر گوئی کا شعر خوانی کا



لب بلب لب سے ترے جب لب پیمانہ ہوا
جاں بلب تو ہی مجھے کہہ میں ہوا یا نہ ہوا

یاں تلک جمع تری زلف پریشاں میں ہے دل
تار جو اس کا تھا سو سبحۂ صد دانہ ہوا

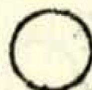
مجھ کو حسرت ہی رہے اور وہ بلائیں لیوے
تیری زلفوں کا کوئی میں ہوا شانہ نہ ہوا

ہائے افسوس مرا جام ہو مئے سے خالی
کیوں مری عمر کا لبریز پیمانہ نہ ہوا

روز کہتا تھا کہ آتا ہے مرے پاس تو کیوں
شب جو جانا نہ ہوا غصی وہ جانا نہ ہوا

کیا ہی کوچہ ہے مرے دوست کا اللہ اللہ — برہمن آن کے واں دشمن بُت خانہ ہوا
مرگ کو پہنچا ہوں نزدیک تری جان سے دُور — مجھ پہ کیا کیا کہوں فرقت میں کہ کیا کیا نہ ہوا

چارۂ ناچار ہیں ہم عشق کے ہاتھوں احساں
تو ہُوا، قیس ہُوا، مَیں ہُوا پروانہ ہوا



کچھ طور نہیں بچنے کا زنہار ہمارا — جی لے ہی کے جاوے گا یہ آزار ہمارا
کُوچہ سے ترے کُوچ ہے اے یار ہمارا — جی لے ہی چلی حسرت دیدار ہمارا
تُو ہم کو اُٹھا لیجیو اُس وقت الٰہی — جس وقت اُٹھے پہلو سے دلدار ہمارا
یارا ہے کہاں اتنا کہ اُس یار کو یارو — مَیں یہ کہوں اے یار ہے تُو یار ہمارا
ہم پادشہِ مملکتِ عشق ہیں ناحق — منصُور سا مارا گیا سردار ہمارا
کہہ دیجیو مکھولی کو تو اے گردشِ طالع — ہاں جلدی سے لا تخت ہوا دار ہمارا
بے غم ہیں ہر اک غم سے نہیں غم کا ہمیں غم — کیا غم ہو کہ غم تیرا ہے غم خوار ہمارا
ابرو کی تری بیت کی کیا بات و لیکن — ہے آہ کا مصرع بھی دُھواں دار ہمارا

احساں تُو غزل فارسی ہی اپنی کہا کر
دِل ریختہ تیرے سے ہے بیزار ہمارا



ہم خواب تجھے خواب میں بھی یار نہ پایا
یار اپنا کبھو طالعِ بیدار نہ پایا

نرگس نے تو کچھ پایا بھی زنہار نہ پایا
کیا پایا اگر دیدۂ خونبار نہ پایا

ہو عُمر کی تعمیر ذرا جس سے عمارت
اِس عمر میں ایسا کوئی معمار نہ پایا

ہُوں آہِ شرر بار کا مشکور کہ اس بن
کوئی سببِ گرمیٔ بازار نہ پایا

جُوں تکمۂ زر ہم کو گلے تب نہ لگایا
جب سیمبروں نے ہمیں زردار نہ پایا

ہے گرم تپاک اپنے سے ہر دم وہی ہمدم
غیر از دمِ سرد اپنا کوئی یار نہ پایا

ہیں جان و دل و دیں کے طلبگار یہ دِل دار
پر ہم نے کوئی اپنا طلبگار نہ پایا

اللہ وہ دربار ہے تیرا کہ جہاں تک
جبریل نے یک بار کبھو بار نہ پایا

کل تک تو ترے کُوچہ میں احساں تھا پڑا جاں
پر آج جو ڈھونڈھا تو وہ بیمار نہ پایا



روتی ہیں مری دیدۂ گریاں تماشا
دیکھ آبِ رواں کا تُو مری جان تماشا

دِل جمع میں تھا وہ بھی دیا تو بھی ہے برہم
تیری بھی ہے یہ زُلفِ پریشان تماشا

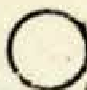
ہے خال دُھواں، چال پری، گال بھبوکا
تیری ہے غضب آن عجب شان تماشا

دیکھ آ کے تماشا تُو مری جان کہ عاشق
داغوں سے بنا سروِ چراغان تماشا

دامن کے ہیں سو ٹکڑے گریباں کے ہزاروں — دامانِ تماشا ہے گریبانِ تماشا
ہر آن تری آن پہ میں غش ہوں مری جاں — قربان تری آن کی ہے آن تماشا
یارانہ تو احساں سے کیا تُو نے ہے لیکن
دیکھے گا تو اُس بُت کا نادان تماشا



جی ہی آخر کو یہ لے جائے گا جانا دِل کا — جان کو روگ لگانا ہے لگانا دِل کا
کب سے میں چھپتا ہوں دِل دِل مرے دُلدُل والے — دِل مرا دے کہ نہیں خُوب ستانا دِل کا
میرے پہلو میں تو کیا ڈھونڈے ہے ہر رات اسے — تیری زُلفوں میں ہے دِلدار ٹھکانا دِل کا
آنکھیں تم مجھ سے چُراتے ہو مرے چور ہو تم — تم پہ ثابت ہے مری جان چُرانا دِل کا



تو کیوں ہی گریہ کناں لے مرے دل برآئی خدا | نہ رو نہ رو کہ نہ تجکو کبھی رُلائی خدا
جو بناؤ تو کیا تم خدا کو دو گی جواب | خدا کی بندوں پہ یہ ظلم بندہ ہائی خدا
رضا میں تیری ہوں دن رات اے صنم مصروف | جو اس پہ تو نہیں راضی نہ ہو رضائی خدا
خدا کا اور تمہارا ہی آسرا ہے مجھے | مدد کو پہنچو رسول خدا برائی خدا

بتوں کی کوچے میں کہتا تغافل یہی احساں
میاں کسی کا نہیں ہے کوئی سوائی خدا



بیچین سا جی کہ ہوا اے مرے دشمن دل کے | میں جیا جب کہ بغل سے تجھے باہر پھینکا
مژدہ آہوی حرم تیر استارہ چمکا | رخش میرے بہ رخشندہ بنا تجھ پر پھینکا
| اپنے تکیہ سے غرض ہم نے ہے بستر پھینکا

تو نے کیا کیا نہ مرے یار ستمگر پھینکا

اس لب بام سے اے صرصر فرقت تو بتا | رشتل تنکے کے مرا یہ تن لاغر پھینکا

ے غزل نمبر ۱۰ صرف نسخہ "د" انڈیا آفس میں ہے اب ج میں نہیں

رنگ بے رنگ عجب طرح سے ہولی کھیلا
رنگ اس رنگ سے اوکا فر اکفر بچھیڑ
قمقمہ کی سی طرح یہ دلِ خوں گشتہ مرا
میں تو یہ دیکھ رہا ہوں ہر سے منہ پہ پھینکا



عقدہ کھلا نہ وا ای یہ ہم پہ حباب کا
خیمہ کدھر کو لی گئی صرصر حباب کا
ہر اشک میرا بحر ہی ہر پیچ آہ موج
ہر آبلہ ہی پاؤں کا ہمسر حباب کا
اِک آشنای خانہ بدوش اپنا تھا وہی
برباد یوں ہوا ہے مقدر حباب کا
ہی وہ مُرید آبلۂ پائے عاشقاں
پانی پہ ٹھہری کیونکہ نہ بستر حباب کا
بی مغز، خود نما و تُنک ظرف و تنگدل
یکدست پایا شیخ کو ہمسر حباب کا
انگیا کی تیری توری یہ اے موج بحر حُسن
پہنچا فلک پہ فخر سی سر ہر حباب کا
ہم چشم میری چشم کا سمجھا ہی آپ کو
اے مردماں پھرا ہے مگر سر حباب کا

موجِ نسیمِ فصلِ بہاری سی ساقیا ہی جامِ گُل میں موج پہ ساغر حباب کا
احساں اُٹھا کی دیکھ کہ مثلِ دُرِ سرشک
نایاب و بی بہا ہی یہ گوہر حباب کا



بوقتِ بوسۂ لب کاش یہ دل کامراں ہوتا زباں اُس بدزباں کی مُنہ میں اور میں بے زباں ہوتا
نہیں ہرگز بیانِ جادوئے چشمِ بُتاں ہوتا اگر یہ شیر بھی ہوتا شکارِ آہُواں ہوتا
کوہکن گرمِ فغاں ہوتا لبِ شیریں میں شیریں جو بھی شورِ اَلاماں ہوتا
لبِ دریا لباسِ سُرخ سے ہوتا جو وہ رقصاں چراغِ چشمِ ماہی شعلۂ جوّالہ وَاں ہوتا
وہ نرگس چشم، سُنبل مو، صنوبر قد، اگر آتا

نہ دیتا گر اِس حلقہ میں لے ساقی مے باقی یہ دَورِ ساغرِ مے حلقۂ ماتم بیاں ہوتا

قطعہ

پکارے ہے جسے اللہ اکبر کہہ کے پانچوں وقت فقط دیدار اس کا عاشقوں کو بے بیاں ہوتا
اگر میں پوچھتا اس سے کہ اس کو کس نے دیکھا ہے مؤذن ہاتھ کانوں وقتِ اذاں ہوتا
اگرچہ کہ دل کو تیری سادگی ہی قتل کرتی ہے جو زیوں ہوتا تو کیا کیا لطفِ حُسن اے میری جاں ہوتا
گلے میں ہار پھولوں کا چھڑی پھولوں کی ہاتھوں میں دَھڑی مِسّی کی لب پر اور مُنہ میں ایک پاں ہوتا

---

[1] یہ غزل صرف نسخۂ ’ج‘ میں ہے۔

نہیں ہے گنبدِ گردونِ گرداں میں صدا ہرگز
اگر کم ظرف ہوتا آسماں ہوتا

مسی تیری اس دل کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے
دھڑی لب پر اگر ہوتی تو دھڑیوں عشق یاں ہوتا

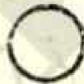
جو آتا اس گھٹا کالی میں تو کالے دوشالے میں
تو اے آتش کے پرکالے دُھواں بنیاد دھواں ہوتا

گذرنا خاک سے میری اگر محمل نشیں میرا
غبار اپنا فدای گردِ راہِ کارواں ہوتا

ہمارے ہاتھ سے صندل بہت
اگرچہ دردِ سر تم کو نصیبِ دشمناں ہوتا

نہ ہوتا گر ترا کوچہ
احساں

کدھر جاتا، کہاں
تا، کہاں روتا کہاں ہوتا



تو آج آئے رو مجھ پاس آجا
بہر صورت مجھی صورت دکھا جا

تو آ ای آتشِ برقِ غمِ یار
مرا یہ خرمنِ ہستی جلا جا

مری آتی ہے بس نیند آ ہی تو آپ
یہ اپنی چشم پوشی دیکھتا جا

مری جاری ہیں آنسو آہ قاصد
شتابی کہہ یہ اس کو ماجرا جا

لکھا میں فی یہ اس یوسف کو کل خط
عزیزا، دلبرا، نازک مزاجا

ق

رکھی ہے چاہ تیری آہ بی تاب
قلق اس میری دل کا تو مٹا جا

خدا ہی ہی مری کشتی کا حافظ
خدا کی واسطی تو ناخدا جا

نہ سنوا غیر کی باتیں سن اے یار
تری جو جی میں آوی تو سنا جا

وہی ہے جا بجا بیجا نہیں یہ
بجا ہے اُس کی ہی ہر ایک جا جا

اگر جاتا ہی ای میری مسیحا
علاج اس دردِ دل کا تُو بتا جا

مری سینہ پہ رکھ دستِ نگاریں
مری یہ آگ دِل کی تُو بجھا جا

اگر بیٹھا ہی ناصح مُنہ کو سی بیٹھ
وگرنہ یاں سی اُٹھ ای بے حیا جا

تری نوبت ہی احساںؔ کوئی دن یاں
تُو ڈنکا عشق کا ہر جا بجا، جا

(۱۲)

میں ان تغافلوں سی سُن ای یار جی چکا
تم سا اگر طبیب ہی بیمار جی چکا

آثار گر یہی ہیں تیری ظلم کی تو میں
سر کو پٹک پٹک پسِ دیوار جی چکا

کھانی دی زہر مجکو تو اِس خطِ سبز میں
کب تک جیوں بس ای مری غمخوار جی چکا

ان آنسوؤں کو میری ڈبونے کا فکر ہی
دشمن ہو جس کی فوج وہ سردار جی چکا

حق برطرف ہی زخمیٔ تیغِ نگاہ کا
جس کو لگی ہو عشق کی تروار جی چکا

دیتا کہا ہی بوسہ، عوض جاں کی اُس نے کل
فرطِ خوشی سے آج خریدار جی چکا

احساںؔ کو دشمنوں کی نہیں یار احتیاج
جس کا کہ تُو ہی یار، وہ ای یار جی چکا

○

[1] فقط مجھی ہی نہ دوراں نی گوشہ گیر کیا — فلک کی ناک میں بھی کہکشاں کا تیر کیا

مرا تو ناک میں دم تُونی ای چرخِ پیر کیا — [1] پہ تیری ناک میں آہِ رسائی تیر کیا

خدا ہی میری خداوند کا ہی قدر شناس — کہ اس کو ایسی شہنشاہ نی وزیر کیا

سدا سے دخترِ رز کا ہوں خصم تُونی مجھی — بنا تو محتسبِ شہر کیوں اسیر کیا

یہ بی زری بھی عجب بد بلا ہے سیمبرو — تمہاری آنکھوں میں اس نے مجھی حقیر کیا

مُقر ہُوں عشق کا میں اور سب سی ہُوں مُنکر — بتنگ کیوں مجھی ای مُنکر نکیر کیا

ڈر اپنی پیر سی بی پیر، پیر پیر نہ کر — کہ تیری پیر کی وعدہ نی مجھ کو پیر کیا

ہُوا ہوں عشق سی ناچاریاں تلک احساںؔ

جو مجھ کو ہائی نہ کرنا تھا ناگُزیر کیا

○

چہرہ پر آپ کی بی وجہ نہیں دادِ ہُوا — داد دو میری کہ یہ باعثِ بی داد ہُوا

بے ستم تُونے ستم ہی سے لیا ہاتھ کو کھینچ — مجھ پہ یہ اور ستم ای ستم ایجاد ہوا

میری قدرت ہی کہ میں عرض کروں نوعِ دگر — حق ہی جو کچھ کہ مری حق میں ہی ارشاد ہوا

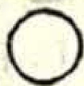
---

[1] یہ شعر نسخہ "د" میں ہے۔



میں تجھ بغیر جامِ ہلاہل کو پی گیا [1]	جم جم تو جی کہ ہاں تری باعث سی جی گیا
کیا خوب، میں تمہارا ہوں بد خواہ واہ واہ	یہ کیا گمان جی میں تمہاری اجی گیا
ق	
لعنت ہے اس شعور پہ گر ہی شعور یہ	یعنی خیال تیرا کدھر فلسفی گیا
عینک سے جس طرح سی نفوذِ نظر ہو یوں	افلاک سی گذر وہ ہمارا نبی گیا
بی خضرِ راہ، راہِ محبت ہو ملی کہاں	میں اپنی ساتھ لی کی وہاں بیخودی گیا
یارو سبھوں کو میری گریباں کا فکر ہی	ناصح کی منہ کو آن کی کوئی نہ سی گیا
مرنے کا میری کیا تجھی غم زلف تو بتا	تیری بلا سی جان سی اپنی کوئی گیا

احسال وہی نہ ہووی کہ تیری گلی سی آہ
اک شخص خاک و خون میں لپٹا ابھی گیا



اگر ہو اتفاق آپس میں تیرنگی سے گزر جائے [2]	گزارا ایک پیراہن میں ہے بادام کا
پریشاں حال و سرگرداں و آشفتہ کیا اس نے	بہت قصہ ہے طولانی برے احوال درہم کا
	رہے تا حشر منہ کالا کسی کے زلفِ پُرخم کا
تف اے شیطان ساہ لوح آدم	ہوا تو یک قلم اب زیرِ مشق اولادِ آدم کا

---

[1] یہ غزل صرف نسخہ 'ا' اور 'ب' میں ہے 'ج' اور 'د' میں نہیں۔
[2] یہ غزل نسخہ 'ا' اور 'ب' اور 'ج' میں نہیں صرف نسخہ 'ج' (انڈیا آفس) میں ہے۔

یہاں تک تعزیت نامے لکھے پیری میں یاروں کے — کہ اپنا حلقۂ ماتم بنا ہے حلقۂ ماتم کا
نظر سے میری غائب جب سے وہ بیکی ہے آنکھوں میں — بیابانِ الم میں بن گیا بیلا ہوں میں غم کا
بیاں میرے بہشتی رو کا لازم ہے تجھے ہر دم — جہنم میں پڑے یہ تذکرہ واعظ جہنم کا
ترا چاہِ ذقن آبِ لطافت سے ہے یاں تک پُر — کہ جس سے پانی پانی ہو گیا ہے چاہِ زمزم کا

اگر ہاتھ آوے شیریں کوہکن سے ہاتھ کٹوا دوں — کہ خسرو دیکھنے والا ہے مجنوں سے پر ماتم کا
میرا یہ غنچۂ دل شکلِ گل کھلتا ہے گلشن میں — سپر غم کی ہے بلبل یہ نظارہ سپہرِ غم کا
اگر ہے دست مرتد کو گیاہِ سبز دنیا میں — ہُوا جب غنچۂ مریم، لگا جب غنچۂ مریم کا
یہ وہ عالی مکاں ہے، لامکاں سے دو قدم آگے — سمندِ عشق جا پہونچا ہے ابراہیم ادہم کا
یہ ہو حال اس کا برہم نقش ہٹ کر وہ وہیں جل جائے — اگر قصہ کہوں درہم سے میں احوالِ درہم کا
سبق میں نے پڑھا ہے سالم و اسلم سے سلّم کا

جیسے سونے کی چڑیا ہاتھ آوے کیوں نہ وہ — فلک پہ ہے دماغ ای گل تیری شبنم کے محرم کا
لیا رُخ نے اگر دل کو نہ کھینچے تیغ یہ ابرو — نفاق اچھا نہیں اصلا برا ہے بیر باہم کا
وہاں وہ یار ہے پر مہ نہ دیکھو تم اُسے دیکھو — نمونہ ہے مرے غم کا نمونہ میم مدغم کا
ترحم عیبِ جوہر کر کہ عیب اکثر وسیلہ ہے — رحم کا اور اعمیٰ اور اعرج اور ابکم کا
جزاک اللہ فی الدارین خیرا یوسفِ مصری — ثباتِ وصل سے شیریں کیا کام ایسے پُرغم کا
زلیخا بانوے شیریں زلیخا بانوے لیلیٰ — زلیخا بانوے عذرا معظم کا مکرم کا

لبِ خنداں کو اس کے دیکھ کر گریاں ہوں میں احساںؔ
اُدھر بجلی چمکتی ہے اِدھر ـــــــــ کا



گلی سے تری جو کہ اے جان نکلا [1] گریباں سی دست و گریبان نکلا
تری آن پہ غش ہوں ہر آن ظالم تُو اِک آن لیکن نہ یاں آن نکلا
یہی مجھ کو رہ رہ کے آتا ہے ارماں کہ تجھ سی نہ کچھ میرا ارمان نکلا
مری آہِ آتش فشاں دیکھتی ہے لئی گھر سی ہر آن قرآن نکلا
مری جان شرطِ رفاقت نہیں یہ نکل جان تُو بھی کہ پیکان نکلا
گیا میں نے مجرا تو جھنجھلا کے بولا کہاں کا مرا جان پہچان نکلا
عجب بے بہا ہے مرا اشک یارو یہ کمبخت لڑکا تو طوفان نکلا
مجھی شیخ اُلفت سی مانع ہی احساں
دلی جس کو سمجھا تھا شیطان نکلا



مجھ پر نہ پیکِ یار ہی کچھ خشمگیں ہوا نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا
دل میں تری گذرتی ہیں سو سو طرح کی وہم تُو ایک بد گمان ہے مجھ کو یقیں ہوا
بن تیری ابروؤں کی مجھی تیغ کی قسم میاں، چین ایکدم مری دل کو نہیں ہوا

---

[1] یہ غزل نسخۂ 'ج' اور 'د' میں نہیں، صرف نسخۂ 'ڈ' اور 'ب' میں ہے۔

اس طفلِ مہر کن کی محبّت میں دوستو حاصل خواہشِ دل مجھی مثلِ نگیں ہوا

جی تونیاز کر چکا اب ناز کب تلک حد سی زیادہ ناز بس اسی ناز میں ہوا

کچھ خود بخود ہی آج میں کھاتا ہوں پیچ و تاب مذکور اس کی زُلف کا شاید کہیں ہوا

احسان لب اس کے وہ ہیں جن کا سخن ہر ایک
شرمندہ سازِ عیسیٰ گردوں نشیں ہوا



میاں کیا ہوا گر ابروئے خمدار کو دیکھا کیوں میری طرف دیکھ کی تلوار کو دیکھا

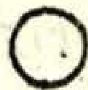
آنکھیں مری پھوٹیں تری آنکھوں کی بغیر آہ گر میں نے کبھی نرگسِ بیمار کو دیکھا

دیکھی نہ مری اشکِ مسلسل کبھی تم نے اپنی ہی سدا موتیوں کی ہار کو دیکھا

اقرار کو آنا ترا معلوم کہ اک عمر بی پیر تری ہم نی ہی اطوار کو دیکھا

دیکھا نہ کبھو کوچۂ دل دار کو نرگیں بس ہم نی بھی اس دیدۂ خونبار کو دیکھا

اس میں بھی در اندازوں نے سو رخنی نکالی
احساں نی جو اس رخنۂ دیوار کو دیکھا



یوں ہی کفر ہر صبح ہر شام ہو گا الٰہی کبھو یاں بھی اسلام ہو گا

کہیں کام میں وہ تو خود کام ہو گا یہاں کام آخر ہی واں کام ہو گا

یہی دل اگر ہی یہی بے قراری تہِ خاک بھی خاک آرام ہو گا

صنم تین پانچ آپ کا چار دن ہی سدا ایک اللہ کا نام ہو گا

یہ مژگاں وہ ہیں جن کی کاوش سی اِک دن
مشبک جگر مثلِ بادام ہوگا

بتو، جب کہ آغازِ اُلفت ہی یہ کچھ
خدا جانی کیا اس کا انجام ہوگا

دُعا کی عوض گالیاں اور تو کیا
عنایت یہی مجھ کو انعام ہوگا

ق

یہ دو اِک بلا ہیں گرفتار ان کا
کوئی صُبح ہوگا کوئی شام ہوگا

یہی صُبح سی شام تک گر عمل ہی
عمل تیری زُلفوں کا تا شام ہوگا

مَیں ور ناتواں ہوں اگر ذبح کیجی
نہ اِک نالہ مجھ سی سرانجام ہوگا

جو بسمل تو کرتا ہی بسم اللہ ای شوخ
تری کام میں میرا ابھی کام ہوگا

بری لگ رہیں چھت سی آنکھیں ہیں دیکھو
مشرف کب اس سی لبِ بام ہوگا

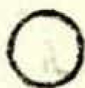
کبھو تو بھی ہوگا مسلمان اے بُت
سدا تیرا جھوٹا ہی پیغام ہوگا

ق

شکارِ اجل ہوں گے اِک روز ہم سب
ہمیشہ نہ رستم نہ یاں سام ہوگا

کہاں ہی وہ صیدِ افگنی گور میں آہ
خدا جانی کیا حالِ بہرام ہوگا

نہ سُن میری احساں مبارک تجھی عشق
مجھی کیا، ترا نام بدنام ہوگا



کان کے درد سے ہلکان ہے ایوان میں کیا ۱؎ ‏ دکھ ہرا کانِ ملاحت کے بڑا کان میں کیا
تیرا وحشت زدہ دوڑے ہے بیابان میں کیا ‏ پہنے زنجیر تو آیا ہے وہ جولان میں کیا
نہ کہو لطف ہے اس نشترِ مژگان میں کیا ‏ دل سے پوچھو کہ حلاوت ہے اگر جان میں کیا
کشتۂ حسرتِ قامت کو تری لاتے ہیں ‏ ہے بپا حشر دگر حشر کے میدان میں کیا
عشق سے کام ہے ہم کو نہ قانون سے غرض ‏ بابِ پنجم کے سوا پڑھیے گلستان میں کیا
ساقیا، وہ بتِ کشمیریہ ہو الغمہ سرا ‏ بادہ نوشی کا مزہ لوٹیے ملتان میں کیا
گر خطِ غیبیہ نہ ہو اپنا قلم ہاتھ کروں ‏ مجھ کو دکھلاؤ تمہارے ہے قلمدان میں کیا
ہمراہ فاختہ ہوش و خرد باختہ مل ‏ سیر دیکھے چمنستاں کا بیابان میں کیا
سرو تھا، لے کے چھڑی بہرِ تقیّد حاضر ‏ آئی گہلی تھی وہ مرغانِ خوش الحان میں کیا
جلدی شاماں کو یہ تھی شام نہ ہو جائے کہیں ‏ صرف مینا تھی سبق پڑھتے کہ ارمان میں کیا
طوطی کہتی تھی یہ ہر لحظہ، نبی جی بھیجو ‏ اور طوطا بھی حق اللہ کے تھا دھیان میں کیا

کوچۂ یار میں پڑھتا تھا یہ مطلع احساں
آئی آواز قریں ایک مرے کان میں کیا

داغ سو ایک ہے دل پہ چین مرے جان میں کیا ‏ گھر گیا اب تو یہ پروانہ چراغان میں کیا
اُف رے لے گرمیٔ اشک آگ لگائی تو نے ‏ میرے داماں میں کیا میرے گریبان میں کیا
دامنِ کوہ کو تکتا ہے بہ حسرت مجنوں ‏ سنگ باقی نہ رہے دامنِ طفلان میں کیا

۱؎ یہ غزل صرف نسخۂ "د" میں ہے نسخۂ "ا، ب، ج" میں نہیں۔

مَیں کوئی دم کا ہُوں مہماں، بس اِک آن ہے زیست
اِک ادا دیکھی ہے مَیں نے کسی مہمان میں کیا

قلقلِ خالِ ملاحت کے تصوّر میں ترے
چرچراہٹ ہے کبابِ دلِ بریان میں کیا

گردِ غم اِس دلِ پُر درد سے دھوئے گا اگر
جھنجھلا جائے گا اے جان تری شان میں کیا

صُورِ محشر بھی پھُنکے تو نہ خبر ہو مجھ کو
محو بیٹھا ہوں مری جان ترے دھیان میں کیا

دیکھ اے سلسلہ جنبانِ جنونِ مجنوں
قیس روتا ہے گھر آخر کے میدان میں کیا

ق

دل کے غم سے ہے کلیجا مرا منہ کو آتا
لو خبر جلد کہ باقی ہے مری جان میں کیا

دِل نہ زُلفوں میں نہ کاکُل میں
وہ مرا لختِ جگر چاہِ زنخدان میں کیا

ترے ان شعروں کو احسانِ حزیں میر اسلام
مرثیہ دِلّی کا، اور ہے ترے دیوان میں کیا



تلاشِ یار میں اے دل کسی دیار میں جا
تو جا کہ تیری نہیں ہی مری کنار میں جا

نہ ہند میں دلِ بیتاب، نہ تتار میں جا
گُو تار باندھی ہوئی زُلفِ تابدار میں جا

بجا ہُوا کہ پھنسا چاہِ غم میں تو اے دِل
کہا تھا کس نے کہ تو کوئے کینہ کار میں جا

جہاں دل اپنی کو جا کر ذرا بھی خوش کیجی
نہیں رہی ہی کہیں ایسی روزگار میں جا

ہزار بار ہی تو گُل سی رشکِ گُل بہتر
ہزار بار کہوں گا یہی، خزار میں جا

ق

تپ جنوں ہی تجھی آہ یُوں بغل سی بری
دلا نہ عشقِ بتاں کی تو اختیار میں جا

ہوا ای آہ شرر بار گرم ہے ظالم
خدا کو مان کسی جا نہ اِس بخار میں جا

یہ بحرِ عشق ہی یہ موج دیکھئی کیا ہو
پڑی ہے کشتیِ دِل آہ مانجدھار میں جا

کیا ہی کس نی مری داغِ دِل کا ذکر وہاں
یہ کس نی آگ لگائی ہی لالہ زار میں جا

دلا یہ عشق ہی آ آشنا نہ ہو اُس کا
ڈُبا نہ مجکو نہ اِس بحرِ بی کنار میں جا

خیال خام میں اِک فوجِ غم ہے تیرے ساتھ
بجا ہی گر نہ ملی مجکو روزگار میں جا

ہجومِ درد یہاں تک ہے بعدِ مرگ بھی آہ
کہ تل بھی دھرنی کی پاتا نہیں مزار میں جا

نہ تو ہی قیس نہ بُلبل نہ کوہ کن احسان
نہ دشت میں نہ چمن میں نہ کوہسار میں جا

جو غم ہی دِل کو تو پڑھتا ہوا یہ شعر ہرا
تو اپنی کوچۂ دِلدارِ غم گُسار میں جا

سیاہ بختوں کی رُتبہ کو اہلِ دید سی پُوچھ
کہ مثلِ سُرمہ رکھے ہیں وہ چشمِ یار میں جا



لبریزِ غم و یاس و فغاں دِل نظر آیا
اس کشتِ محبّت کا یہ حاصل نظر آیا

سہمی تھا مرا جی تو فقط تیرِ مژہ سے
پر خارِ لبِ یار بھی قاتل نظر آیا

میں سہل سا سمجھا تھا تری عشق کو لیکن
مشکل ہی کہ یہ سخت ہی مشکل نظر آیا

بیتابیِ دِل مجکو نہ پھر وہ نظر آئے
شاید کہ کیا آہ یہ بسمل نظر آیا

کعبہ میں نہ بُتخانہ میں، نہ دَیر میں دیکھا
جب غور سے دیکھا تو مقابل نظر آیا

آخر کو لگی گور کے ہم آہ کنارے
دریائے محبت کا یہ ساحل نظر آیا

بوسہ جو لیا مَیں نے تو "مُنہ پھیر کے بولا"[1]
احسان مجھے تو بھی کوئی جاہل نظر آیا

[1] نسخۂ ب میں "منہ پونچھ کے بولا" ہے۔

Book 13
Page 69

○

دل دیا تب کہ بہت زلف رسا نی چاہا / آپ فرماتی ہیں یوں اس کی بلا نی چاہا

تا دمِ مرگ نہ ہوں تجھ سی مری جاں جدا / میں نی چاہا تھا ولیکن نہ خدا نی چاہا

چل بسی دیکھتی ہی چال ادا کی ہم تو / ہو وی قصہ ہی ادا تیری ادا نی چاہا

گھر سی کس طرح سی یوں حضرتِ منعم نکلیں / دی نہ بربو نی اجازت نہ دوا نی چاہا

ہو گئی یکدست تری اور ہی ای یار نمود / جب تجھی ہم سی کسی بی سر و پا نی چاہا

مرتی مرتی بھی نہ یکبار تجھی دیکھ لیا / اسقدر بھی نہ مری جان قضا نی چاہا

کوئی اپنا نہ ہوا سلسلہ جنبانِ جنوں / ایک نی الجملہ اسی زلفِ دوتا نی چاہا

جس طرح چاہو ستاؤ مجھی ہر روز بتو / اس کا اک رات عوض لونگا خدا نی چاہا

نام عنقا سی مجھی ننگ ہی آتا احساں
شہرۂ نام کو کیوں اہلِ فنا[1] نی چاہا

○

جیتی ہی جی فقط[2] تو مجھ تک کبھو نہ آیا / میں مر گیا تو میری مرقد پہ تو نہ آیا

اس دشنۂ مژہ پر غش ہوں کہ جسکی دولت / کس دم بہ زیرِ خنجر میرا گلو نہ آیا

دریا ای خم تلک تو پہنچا ہی لیک ساقی / ہیہات ہات اپنی دستِ سبو نہ آیا

---

[1] نسخہ 'د' میں فنا کی بجائے 'نغاں' ہے۔

[2] نسخہ 'د' میں "فقط" حذف ہے۔

بیتابیوں کا میری آئیں نہ پوچھ مجھکو
آئی نہ تاب جب تک آئینہ رُو نہ آیا

سُن آرزو کو میری کہتا ہی دُوریاں ہے
جب میری پاس آیا بے آرزو نہ آیا

ان قدموں کی قسم ہی جُز اس قدم کی ہرگز
اب تک کسی ہی جا پہ یہ سَر خرو نہ آیا

ای مُحتسب ہماری قسمتی یہں دخترِ رز ہے
پر تیری ہاتھ میں تو ضدسی کدو نہ آیا

عالم شمیم سی ہی اس گُل کی عطر آگیں
لیکن نظر وہ گاہے[1] مانندِ بُو نہ آیا

ٹھہری ہی صُلح جب سی آنکھیں ہی ہی لڑاتا
باز اپنی خُو سی ہرگز وہ جنگ جُو نہ آیا

کیوں کر نہ مَی پیوں میں قرآں کو دیکھ زاہد
وہاں وَاشربُوا ہی آیا' لاتُسْرِفُوا نہ آیا

جب تب سے غم کی جوں زرای سیم تن ہُوا ہوں
تیرا مزاج ادھر کو تب ایک گُو نہ آیا

بی پردہ ہو کی ناصح کیوں کر مجُھ سی نکھتے
پردہ ہی تو نکل کر جب رُوبرُو نہ آیا

احساں کا تن تماشا زخموں ہی بن گیا ہے
اس تیغ بن کسی کو ایسا رُفو نہ آیا



Book 13
Page 69

ہم کو نہ مدرسہ ہی میں تجھ بِن ملال تھا
جب میکدہ میں آئی تو وہاں بھی کلال تھا

جی کا وبال زُلف کا ہر ایک بال تھا
جب ہم کو عشق تھا ہمیں جینا وَبال تھا

تم آئی ورنہ ہجر میں بچنا محال تھا
ہم کو شبِ فراق ہی روزِ وصال تھا

کل اپنی دوست دار سی تم تھی رُکی ہوئی
کیا دل پہ دشمنوں کی تمہاری مَلال تھا

شب بنتی بنتی یار سی صُحبت بگڑ گئی
وہاں اعتدال یاں دلِ بے اعتدال تھا

---

[1] نسخہ 'د' میں 'گاہے' کی بجائے 'گاہے' لکھا ہے۔

وہ طفل بھی ہیں قاعدہ داں آج بن گئی
ہی کل کی بات جن کا سبق دال ذال تھا

ساقی نی آپ کل اسی خندہ صفت کہا
می کیا پئی کہ زاہد خندہ لاں مآل تھا

مینا ہی بادہ ہاتھ سی یوں میری پی گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

ابرو بھی روئی یار پہ یارو طلسم ہی
شب ہم نی آفتاب پہ دیکھا ہلال تھا

دل در کنار جان کا ہر روز فکر ہے
شب کو فلق سی قصہ ہی یہاں انفصال تھا

جب اپنی آہ و نالہ و اشکوں کی دھوم تھی
باران و رعد و برق کا کس کو خیال تھا

مجلس کا حال ہم کو ہی معلوم شیخ جی
اب ناچ ہی زمانہ ماضی میں جال تھا

تیرا[1] اسیر دام دو گیسو جو مر گیا
جنجال سے چکا یہ ہمیں احتمال تھا

مرقد پہ اس کی جا کی نہ دیکھا کوئی درخت
قسمت کا پھیر دیکھ مگر ایک حال تھا

آیا تھا کل دو پہر کو وہ یار میری پاس
احساںؔ عروج اپنا تو وقتِ زوال تھا

○

بیتابی سی جوں موجۂ سیلاب نہ ٹھہرا
یک جا پہ کبھو عاشقِ بے تاب نہ ٹھہرا

ہی گردشِ ساغر سی قرار اب تو یہ ساقی
ٹھہری ہی کہ تو جامِ مئی ناب نہ ٹھہرا

اوّل تو بہت عشق کا تھا غیر کو دعویٰ
آخر وہ میری سامنی کذاب نہ ٹھہرا

ساجد ہی کسی ابروئی خمدار کا دائم
عاشق کہ بجز میں کبھو محراب نہ ٹھہرا

ہی طفلِ سرشک اس تیری بیتاب کا اتنی
جنبش سی جو گہوارہ گرداب نہ ٹھہرا

---

[1] یہ شعر نسخہ ا، ب میں نہیں، صرف نسخہ جات ج، د و ہ میں ہے۔

تاثیر نہ کی گریہ نے دل پر تری ظالم
چکنا تھا گھڑا اس پہ ذرا آب نہ ٹھہرا

کس طرح سے دلِ بیتاب کفن میں
مرقد پہ مری وہ گلِ شاداب نہ ٹھہرا

تاثیر تیری نغمہ کی ہرتی مغنّی
ہم عاشقِ صادق ہیں تو کذّاب نہ ٹھہرا

عشّاق کا سب پردہ ابھی تجھ پہ ہی کھلتا
معیار یہی ہی کہ تو مضراب نہ ٹھہرا

جب سی کہ تیری فندقِ پا ہم نے ہی دیکھی
اپنی تو نظر میں کبھی عنّاب نہ ٹھہرا

ہر دم نہ گلی کاٹ غریبوں کی ستم گر
تو اپنی تئیں شہر میں قصّاب نہ ٹھہرا

ای بوالہوس اس پاؤں پہ سر رکھیو نہ ہیہات
ای بی ادب اس طرح کی آداب نہ ٹھہرا

ٹھہرا نہ کبھی مصدرِ صد برقِ بلا تو
اس ظلم کی ای آہِ جگر تاب نہ ٹھہرا

کیا کیجئے غم خالِ رخِ یار میں احساں
لوہے کے چنوں کا ہی سدا چابنا ٹھہرا



دشمنِ دلِ دیدۂ گریاں ہی دوسرا
کچھ بھی سمجھ ہی اس کو یہ طوفاں ہی دوسرا

چاروں طرف ہی دھوم مری چشمِ تر کی یار
ہر ایک یوں کہی ہی یہ عمّاں ہی دوسرا

پریوں کی ہیں پری کی پری واں وری پری
کوچہ بھی اس پری کا پرستاں ہی دوسرا

تیرا مریضِ عشق تو جی سی گزر گیا
کل پہلا دن تھا آج مری جاں ہی دوسرا

جانی دو اس کی ذکر کو لاحول ہی پڑھو
ہی جس کا نام شیخ وہ شیطاں ہی دوسرا

کیوں کر نہ ہی اختلاط تری خال و رخ میں یار
ہندو ہے ایک اور مسلماں ہی دوسرا

تن پر نہ سر ہی اور بدن پہ نہ اب کفن
مجھ سا بھی کوئی بی سروساماں ہی دوسرا

ق

سوہانِ رُوح یہ دلِ بریاں ہی ایک تو طُوفانِ نُوح دیدۂ گریاں ہی دوسرا
کیا تم سی ماجرای دلِ و دیدہ میں کہوں گریاں اگر ہی ایک تو بریاں ہی دوسرا
اِک وار پھر لگا کی لگا کہنی فخرؔ ﷺ سے
احساں کی سر پہ یہ مرا احساں ہی دوسرا

قطعہ

لامکاں تک ہی ذرا ای دلِ رنجُور گیا اپنی نزدیک مرا نالہ بہت دُور گیا
مہِ تاباں کا ترے رُوبرو اے رشکِ قمر شب کو مانندِ چراغِ سحری نُور گیا

فرد

جو کوئی جان بچا کر تمہارے دَر سے پھرا [1] یہ جانتا ہوں مری جاں خدا کے گھر سے پھرا

قطعہ

ہم بھی جب مُضطر نہیں تھی پھر جہاں سیماب تھا خانہ زاد اضطراب خاطرِ بیتاب تھا
شب عجب تھی تاب اس جگنی کی جگی سامنی ماہِ عَالَم تاب بھی اِک کرمکِ شب تاب تھا

فرد

عرب [2] بچے کو عجم میں دیکھا دھنوان بھبوکا میرے تماشا
یہ زُلفیں اس کی وہ اسی کا مکھڑا لباس سنبل برنگِ لالہ

---

[1] یہ فرد نسخہ جات 'ا' 'ب' میں نہیں، صرف 'ج' 'د' 'ذ' میں ہے۔

[2] یہ فرد نسخہ جات ا، ب میں نہیں، صرف ج، د میں ہے۔

فرد

کوہِ غم سر پر گرا جب یار رنجیدہ ہوا ۱؎ میں غمِ جانکاہ سے جوں کاہ کاہیدہ ہوا

فرد

میں کہا کیوں تو نے میرا راز اے کافر کہا ۲؎ سُن کے بولا سچ تو ہے جھوٹے کا میں نے سر کہا

فرد

پلاؤں مے تجھے سر کاٹے ہاتھ تو میرا ۳؎ جو اب کی تو نہ پیئے مے، لہو پیئے میرا

قطعہ

زلف ہے صورتِ بسم اللہ وحد ابرو ہے ۴؎ خال نقطے ہیں، رخِ یار ہے قرآن میرا

قطعہ

آفتابِ فلکِ سلطنتِ عز و علا ۵؎ شاہِ عالم کہ وہ تھا مخزنِ احسان میرا

میں جو دربارِ معلّٰے میں نہ ہوتا کہتے کیا سبب ہے کہ نہیں آج وہ احسان میرا

اے فلک تو تو رہے اور نہ رہے وہ افسوس وہ سخن سنج سخن فہم سخندان میرا

مثلِ شب گر ہوں سیاہ پوش مجھے لائق ہے کہ جدا مجھ سے ہے وہ مہرِ درخشان میرا

فرد

دونوں نے ایک ہو کر بے وجہ سر اٹھایا کیوں خط کو منہ لگایا زلفوں کو سر چڑھایا

۱؎ یہ فرد نسخہ جات ا، ب میں نہیں صرف ج اور د میں ہے۔

۲؎ " " " " " "

۳؎ " " " " " "

۵؎ یہ قطعہ صرف نسخہ جات ج اور د میں ہے۔

قطعہ

ابھی مرتا ہوں تم پر یہ نہ کہیئے   نہ کرتا میری بے مرضی جو مرتا
غلط سمجھے ہو تم اے یارِ جانی   مثل یہ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

فرد

جو پوچھا میں نے دل زلفوں میں جوڑے میں کہاں باندھا ۱؎
کہا جب چور تھا اپنا جہاں باندھا وہاں باندھا

ولہ

مانگ ۲؎ کر بوسہ میں ذلیل ہوا   ان دنوں تو بہت بخیل ہوا
جس نے مورِ ضعیف کو مارا   وہی پامال پائے پیل ہوا
او سے اصحابِ ۳؎ فیل کا کیا ڈر   جس کسی کا تو خود کفیل ہوا

قطعہ

کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ شاہِ شاعراں ہیں ہم ۴؎   مبارک ہے کہ ان کو ہم نے بھی صاحب قراں باندھا
اگر شیخی کرے واعظ بجا ہے اس کا دورہ ہے   کہ اکثر شیخ چلّی نے بھی چلّہ ہے وہاں باندھا

۱؎ یہ شعر صرف نسخہ 'د' میں ہے۔

۲؎ مندرجہ بالا شعر صرف نسخہ ج، د میں ہے۔

۳؎ یہ فرد صرف نسخہ د میں ہے۔

۴؎ یہ قطعہ صرف نسخہ د میں ہے۔

قطعہ ترنج شعر[1]

کہا میں نے فلک سے اوبی دہقان نے بنے مسجد کی جا مسند حیف ڈیرا
جو دولھا بنے تجھ سے بنے بے خانماں وہ ترے سر پر ہے بدنامی کا سہرا
کہا احساں یہ جرم اختراں ہے عطارد نے کہا سفلوں کا چہرا
دیا میں جواب ان کو کہ ان کا سپہ سالار ہی تو ہے سپیرا
چو از قومے یکے بے دانشی کرد نہ کہہ را منزلت ماند و مہ را

قطعہ

کوچۂ زلف میں کیا جاؤں کوئی یاں نہ رہا[2] ہائے اِک دل تھا وہی سلسلہ جنباں نہ رہا
آہ جب مرگ سے میں آ کے ہم آغوش ہوا کون جز سایۂ تابوت سیہ پوش ہوا

ولہ قطعہ برائے حضرت عرش آرام گاہ ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی نور اللہ مرقدہٗ

ولہ

ہوں شہِ ہند کا استاد یہ ہے فخر مجھے شہرہ میرا تو شہا، تا شہِ ایران گیا
عرض غماز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے کیا گیا میرا مگر اُس کا ہی ایمان گیا
حکمِ والا یہ ہُوا قلعے میں احسان نہ ہو سُن کے اِس حکم کو اِک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہِ جہاں قدر شناسِ احساں خلق کیا کہو گی گر اِس حکم کو مَیں مان گیا
شہر وہ کیا ہے جس شہر میں احسان نہ ہو
قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

---

[1] یہ قطعہ صرف نسخہ ج و د میں ہے۔
[2] یہ قطعہ صرف نسخہ ج میں ہے۔

ولہ[1]

گُل سمجھیں تو جل شیوہ ترا جل کیوں ہُوا | گُل تھا مثلِ خار تو غیروں میں ہل مِل کیوں ہوا
بُلبُلیں خاموش ہیں، رُو پوش گُل کیوں ہُوا | یہ چراغِ عیشِ بُلبُل اے صبا گُل کیوں ہوا
ہجر میں خُونِ جگر کھاؤ تو فرماتے ہیں کیا | یہ دن روزوں کے ہیں خاصہ تناوُل کیوں ہوا
عُمر اپنی تو بڑھی در ماہ لیکن گھٹ گیا | یہ تعجب ہے ترقی میں تنزُّل کیوں ہوا

قطعہ

بُلبُل اس کو ہے سمجھا صد ہزار افسوس و حیف | محو حرفِ غیر تُو اے غیرتِ گُل کیوں ہوا
سُرخ باندھا اک دو شالہ بر سرِ گُلرُو ہے صاف | خلق گُلدم جس کو کہوے وہ تو بُلبُل کیوں ہوا
نعل در آتش ہُوں میں مت باگ لے تو زینہار | یعنی الگ مجھ سے ترا اے شوخ دُلدُل کیوں ہوا
تیرے دیوانے کے لائق اے جنوں مجنوں نہیں | ایسے دیوانے کو یہ عُہدہ تفضّل کیوں ہوا

قطعہ[2]

حال وہ تیرا کہا، معلوم ہے میں نے کہا | وائے غفلت ہائے غافل پھر تغافُل کیوں ہوا
پھر بھی گھوڑے بس رہے ہیں یہ مثل کیس | پر، روانہ آپ کا جلدی سے دُلدُل کیوں ہوا
میرا ہادی میرا مرشد میرا مالک عشق ہے | اس کے ہوتے مجھ کو مجنُوں سے توسّل کیوں ہوا

کیوں ہوا خاموش احساں لکھ غزل اک اور بھی
کیوں ہوا ہے جب ردیف اسکی ......[3] کیوں ہوا

---

[1] یہ غزل صرف نسخہ د میں ہے۔

[2] یہ قطعہ صرف نسخہ د میں ہے۔

[3] مٹا ہوا پڑھا نہیں گیا۔

تمہاری چشم نے مجھ سا نہ پایا[1] دیا سُرمہ بھی اور چپکا نہ پایا
خدا کو کیا کہوں پایا نہ پایا کہ وصلِ بے خودی اصلا نہ پایا
بہت صورت کو میں ترسا نہ پایا نہ پایا وہ بہت ترسا نہ پایا
سحابِ تر نے بحرِ خشک سب تے ہمارا دیدۂ ترسا نہ پایا
چلے ہم دِل جلے اِس بزم سے یار جلے ہاتھوں سے اِک بیڑا نہ پایا
سدا سورج نے دِن بھر اس کو ڈھونڈا کبھی وہ چاند کا ٹکڑا نہ پایا
بہت اچھا ہوا، اچھی ہے قسمت مریضِ عشق کو اچھا نہ پایا
جو اِس گردن کا نقشہ ہے وہ ہم نے صُراحی دار موتی کا نہ پایا
دُرِ اشکِ مسلسل اے شہِ عشق تری دولت سے یہ سہرا نہ پایا
بہت سیدھا بناؤں گا فلک کو کہ اِس کج کو کبھی سیدھا نہ پایا
ترے زینہ پہ رکھوں پاؤں ہیہات کہ نکہ میں نے یہ پایا نہ پایا

قطعہ

عروسِ دہر تو خوش ہے کسی نے بہادر شاہ سا دولھا نہ پایا
وہ سینہ ہے کہ گنجینہ ہنر کا کہ تو نے بوعلی سینا نہ پایا
دسوں ہیں انگلیاں جس کے چراغ اب ازل سے علم کا پردا نہ پایا

---

[1] یہ غزل صرف نسخہ "د" (انڈیا آفس) والے مخطوطے میں ہے۔ ا، ب، ج میں نہیں اس میں مدح کے اشعار بھی آئے ہیں۔ مدح میں جدت دکھائی ہے۔

جو خط دیکھا تو بولا مفتیِ عقل — کہ قاضی نے بھی یہ رتبا نہ پایا
بہ کثرت مشقِ وحدت ہے کہ اب — کوئی توحید میں یکتا نہ پایا
انا العبد الصغیر اس کا مقولہ — انا الحق گو نے یہ پایا نہ پایا
کماں داری میں وہ یکتائے آفاق — ...... پئے یہ بے ڈھونڈھا نہ پایا
شہ آفاق کے تیروں سے سہما — فلک نے پھر کوئی گوشا نہ پایا
کہا دیوانِ ظفر کے ہوتے اس نے — کوئی جرأت[1] سا یاں اندھا نہ پایا
جو شہ کے شعر کو انشا[2] سے تولا — تو وزن انشا کا یک جا نہ پایا
دھوئیں اڑتے ہیں آتش[3] کے بھی اس جا — کوئی گویا[4] سا یاں گونگا نہ پایا
سخن سے تیرے کب احساں نے شاہا — حظِ دنیا و ما فیہا نہ پایا
ملک تیرے دعاگو ہیں ہمیشہ — فلک نے رتبہ مجرا نہ پایا

کشمیر میں بالا

گردش میں ہوں میں اسکے تصور سے شب و روز — دشمن یہ لکھا تھا مری تقدیر میں بالا
سرِ حلقۂ سودا زدگاں نام ہے میرا — بول اپنا ہوا حلقۂ زنجیر میں بالا
ڈبیا میں کیا بند جو اسے کانِ ملاحت — یہ کس کی گرفتار ہے تقصیر میں بالا

---

۱ دیگر شعرا سے مقابلہ بڑے انوکھے انداز میں کیا گیا ہے۔ قلندر بخش نام، جرأت تخلص
۲ انشاء اللہ خاں انشا
۳ حیدر علی آتش
۴ فقیر محمد خاں گویا

میرے نالوں سے نہ دن چین نہ شب کو ہے قرار
مر گئے پہونچے ہیں اب تو مرے ہمسائے قریب

ایسی مجلس سے اگر رہیے بعید اولیٰ ہے
دل دماغ اپنا تو وہ اور یہ غوغائے قریب

پاس جاؤں تو مچل کر کہے چل یاں سے دور
دور بیٹھوں تو گھڑک کر مجھے فرمائے قریب

عشق کے بیچ میں ہوں چاہے ہم دم پس مرگ
عشق پیچاں ہی مری قبر کے لگوائے قریب

مشک و صندل ہو ترے رنگ سے بالوں ہمسر
غصہ دل کو مرے کس طرح نہ آجائے قریب

خوب سا مشک   میں نے
یار میں جانوں جو صندل بھی نہ گھس پائے قریب

کچھ ردیف اب کی بڑھا قافیہ احساں تو بدل
پھر قریب ایسے بٹھا تجھ کو وہ بٹھلائے قریب

بحرِ ایضاً

یوں غم و درد ..... دل و سینے کے قریب
جوں نگہبان معین ہوں خزینے کے قریب

آئی جب بارہ وفات رویا میں آٹھ آٹھ آنسو
روئے جبریل امیں آہ مدینے کے قریب

پشت خم کردہ عاشق پہ قدم رکھ پہلے
یہ بھی اک پایہ بنا ہے ترے زینے کے قریب

قطعہ

جب کسی نے یہ کہا مر ہی چلا ہے عاشق
تم جو جا بیٹھو تو آجائے وہ جینے کے قریب

لوٹ کر لینے کو اک ناز سے بولے ہے ہے
کس کی کم بختی ہے جو بیٹھے وہ کمینے کے قریب

..........[1]
مد دائے گریہ کہ ..... سفینے کے قریب

کر خزانے پہ تو   ..... نظر
ڈر خزانے سے کہ آتش ہے خزینے کے قریب

حالِ عاشق کہوں کیا تجھ سے مری جان ہے دور
شربت مرگ کے پہونچا ہے وہ پینے کے قریب

---

[1] پڑھا نہیں گیا۔ کرم خوردہ۔

قُربِ گندم سے وہ آدم کو ہے صدمہ پہونچا — کیمیا یہ ہے کہ تُو ہووے سینے کے قریب
بیٹھے بیٹھے ہیں ...... تپِ غم سے لیکر — تن سے چسپیدہ مرے اور یہ سینے کے قریب

قطعہ

مَیں نے احساں سے مدینے میں کہا یا حضرت — راہِ کعبہ ہے ...... مدینے کے قریب
بیٹھتے اُٹھتے وہیں چلیئے' یہ فرمانے لگے — کھینچ کر آہ کو لا ہاتھ کو سینے کے قریب
میرا کعبہ تو مدینہ میں ہے اے صلِّ علیٰ
گرچہ کعبہ نہیں اے قبلہ مدینے کے قریب

زیبق کا ہے کشندہ مرے دل کا اضطراب — بسمل سا..... آئے ہے بسمل کا اضطراب
دِل کو ہے عزمِ کوچۂ قاتل کا اضطراب — .... کا اضطراب
بے تاب مجھ کو دیکھ کے ہم راز سے کہا — رُسوا مجھے کرے گا یہ جاہل کا اضطراب
ہنگامِ وصل ہائے رہے آرامِ جاں ترا — آخر کو وہ شکیبِ اوائل کا اضطراب
مت جا تُو یار تیغِ جفا کا نہ وار کر — آنکھوں سے دیکھ مردمِ ساحل کا اضطراب
رویا جو قیس دشت میں، لیلیٰ عیاں ہوئی — مانندِ موجِ بحرِ سلاسل کا اضطراب
حیرت فزائے رعد ہیں یہ نالہ و فغاں — شرمندہ سازِ برق ہے بہ دل کا اضطراب
عاشق تڑپ رہا ہے قدم رنجہ کیجیے — بسمل اللہ آکے دیکھیئے بسمل کا اضطراب
لے گردباد دشت میں تُو جا کے قیس کو — محمل سا کھلے صاحبِ محمل کا اضطراب

لہ یہ غزل صرف نسخہ 'د' اور 'ج' میں ہے۔ نسخہ ج میں ۲۸ شعر ہیں جبکہ نسخہ 'د' میں صرف اٹھارہ ہیں۔

قسامِ جُزو کُل نے کیا حُکم اِس طرح اشراف کا شکیب اور اَرذل کا اضطراب
ایک روز میں نے مُنعمِ مسئوُل سے کہا اے سنگ دِل ہے سِل سے ترے دِل کا اِضطراب
صَدکوہِ جُرم سر پہ نہیں تجھ کو کچھ تعلق غافل فقط ہے ایک مرضِ سِل کا اِضطراب

احسان غزل لکھ اور کہ تسکین کے نہیں
یکدست پائے از سرِ نو دِل کا اِضطراب[1]

طبلوں پہ دیکھ اُس کے انامل کا اضطراب وہ چند ہو گیا ہے مِرے دل کا اِضطراب
کون اُٹھ گیا کہ سر بہ فلک کھینچنے لگا چُوں گردباد حلقۂ محفل کا اِضطراب
مانندِ مُرغِ قبلہ نُما ہم کو مت سمجھ کھلتا نہیں ہے مَردُمِ عاقل کا اِضطراب
دے بوسہ لَب کا، زخمیِ تیغِ نگاہ کر زائل ہو شُربِ بادہ سے گھائل کا اِضطراب
تڑپا جو مَیں تو برقِ جہاں تاب نے کہا اللہ رے مُشتِ خاک و کفِ گِل کا اِضطراب
اِس بحر کے ہیں یار وہ شناور کے جسطرح جُوں اِضطرابِ موج ہے ساحل کا اِضطراب
مُضطر ہے قلق اور .... وہ مُستعِد قائل ہے دست و دامنِ قاتل کا اِضطراب
سیماب کان پکڑے اگر گُد گُدی کے وقت دیکھے وہ ایک حُور شمائل کا اِضطراب
سیماب و برق و موج و جرس کا یہ دِل نہیں پیدا کریں وہ میرے مقابل کا اِضطراب
اِس اَبر میں ہے تیرے بغیر اے قرارِ دِل مانندِ برق عاشقِ بے دِل کا اِضطراب
باندھا ہے میں نے کھول کے احساں آب و تاب محفل کا قُل کا بِسمِل کا سلاسل کا اِضطراب
قُلقُل کا اضطراب نہ باندھا کہ شیشہ کو ہر چیں لگیں جو باندھے قُلقُل کا اِضطراب

---

[1] غالباً یہ ذوالفقار الدولہ نجف خاں کی طرف اشارہ ہے۔ نجف خاں شاہ عالم ثانی کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہا اور امیر الامرا کا خطاب حاصل کر لیا۔ ۱۱۹۶ھ تک یہ دِلّی میں بڑا طاقتور امیر رہا۔ ۱۱۹۶ء میں اس نے مرضِ سِل سے انتقال کیا۔ (۱۷۹۶ء)

(ت)

مارا خیالِ زلف نی دل پر جو دام رات
دیکھا کیا ہوں خواب پریشاں تمام رات

بس بن چکی کہ اپنا مزاج اب بگڑ گیا
صاحب کہیں گی دن تو کہی گا غلام رات

کھولی اگر وہ زلفِ سیہ فام صبح کو
ہو جاوی لیکی ہند سی تا روم و شام رات

ساقیا تیرا رہی سب سر و ساماں درست
عہد میں تیری ہی پیمانی پیماں درست

ہم بھی خم ٹھونک کی آتی ہیں کوئی دم میں ہاں
حضرتِ عشق ذرا [illegible] درست

اب تو ای دستِ جنوں ہاتھ سی تیری ہی رہا
نہ گریباں درست [illegible]

آتشِ دل سی ہوں مجبور مجھی رکھیو معاف
تیری قرباں جو نکلی نہ یہ پیکاں درست

مجھ پہ برہم ہی ہوئی مجھ سی شکستہ خاطر
چاہئی عمر کہ ہو زلفِ پریشاں درست

سینہ اس طرح کھلا بند ہیں وا بندہ نواز
کچھ بھی موقع ہی ذرا کیجئی گریباں درست

آدمی کیا ہی اگر دیکھیں تجھی رشکِ پری
یک بیک رہ ہوئیں فرشتوں کی نہ اوسان درست

غش نہ ہوں کیونکہ بشر وصف ہوں یہ تجھ میں اگر
بات جوں شہد و شکر آن پہ تیری ہاں درست

جبکہ تجھ سا صنم ای تب ہو میسر تنہا
پھر خدا ہی کی وہی بندی کا ایماں درست

نادرست آپ اگر لاکھ کہیں گی کچھ بات
میری منہ سی بھی سنئی گا مری جاں درست

ریختہ کہنی کا احسان کو سلیقہ معلوم
فارسی کو ہی سند حافظ قرآن درست

ولہ قطعہ من مفردات بہادر شاہ بادشاہ

خطبہ میں تیرے نام کو سنکر شہ دوراں ؛ کچھ منبر و مسجد ہی بنالیدہ ہیں یک مست
محراب کا یہہ عالم ہے یہہ اے قبلہ عالم ؛ منہ تیری طرف اور ہے کعبہ کی طرف پشت

قطعہ پنج شعر در مرض پیچش حضور بہادر شاہ بادشاہ

شہا سُنا تھا یہہ میں نے کہ طبع اقدس شاہ ؛ درست دست کے باعث نہیں بوضع نخست
یہہ دست و معدہ دشمن سے آپ کریں پیچش ؛ مریض وہ ہو تو رہوے صحیح و محکم و چست
تو تندرست رہے تجھ سے ہے درستی کل ؛ دل شکستہ احسان تیرے سبب ہے درست
نہ تیری طبع مقدس پہ ہو غبار ملال ؛ تیرا مزاج معلیٰ کبھی نہ رہوے درست
جہاں . . . . سلامت رہی سلامت تو
سلامت ہمہ آفاق در سلامت

ولہ قطعہ در مدح حضرت غوث صمدانی

شاہ جیلاں کے غلاموں میں ہیں ہم اے احسان ؛ رتبہ اپنا ہے بلند اور ولی ہمت پست
ہمت لیست سے کچھ اپنی ہمیں مدنظر نہ رہی ؛ رہی مے خانہ عصیاں میں مدام اپنی نشست
کیفیت تو یہہ ہی سمجھو نہ ہمیں خوار و ذلیل ؛ گو قدح خوار و ذلیل اور رہیں ہم بادہ پرست
ہم ہوں دو چار عدو گرچہ ہوں دس بیس ہزار ؛ ہم ہی غالب رہیں دغلب کہ نہ ہو گاہ شکست

با ہر جا کہ ہنادیم قدم فتحی شد
غالباً ہمت صاحب نظری با ما ہست



میں یہاں بیٹھا تو تم وہاں اٹھ گئی ای یار کیا باعث
ہوئی بیدل ہی اپنی آپ کیوں بیزار کیا باعث

عنایت کی نہیں اگلی سی اب آثار کیا باعث
کئی ہیں بند تم نی رخنۂ دیوار کیا باعث

کہا میں نی بری گھر بھی کبھو آؤ گی یہ بولی
نہیں کیوں آؤں مجھی کیا واسطہ کیا کار کیا باعث

نہ وہ آہیں نہ وہ نالی نہ وہ افغاں نہ وہ گریہ
دکھی ہی مجھکو ای الفت تو یوں بیکار کیا باعث

نڈر لاتقنطوا پڑھ کر گناہوں سی تھا میں اپنی
یہ واعظ کیوں ڈراتی ہیں مری مجھی غفار کیا باعث

تمہاری خاطر عاطر میں ای گلرو یہ کیا آیا سو
مجھی کیوں دیکھ کر ہنستی ہو تم ہر بار کیا باعث

فقط اک دید کو نادیدہ دل اور دیدہ ہی اپنا
تو ای بی دید دکھلاتا نہیں دیدار کیا باعث

پس مردن میری بالیں پہ رو کر یہ لگی کہنی
تو کیوں چپکا پڑا ہی عاشق بیمار کیا باعث

نہ آئی ایک دن لیت و لعل میں کیوں رکھا ہر شب
ق کیا بیدل کو اپنی بیدل ای دلدار کیا باعث

سخن سی موم بہتر ہی جواب صاف جو دیوی
کبھی انکار کیا موجب کبھی اقرار کیا باعث

بگاڑا ہی آئینہ رو سی نہیں گر آپ کا احساں
بنی حیرت سی کیوں تم صورت دیوار کیا باعث

○

نہ ماری جون کی طرح کیوں دلِ نزار کو آج
جو تین لگی ہیں میری زلف تاب دار کو آج

صبا ہی صبح سے کوچہ سوں تیرے ائے گل رو
اُوڑ آئے باد میں آئی میرے غبار کو آج

پیادہ گھر سی نکل بھاگی ایکبار ی آج
کہاں ہی قصد کدھر کو چلی سواری آج

کھڑا ہوں راہ میں بوسہ نہ دو گی کس رہ سی
بہر طریق نہ چھوڑوں گا راہ داری آج

تمہاری کوچہ میں ای دوست مجکو ذبح کیا
یہ مجھ سی کی دلِ دشمن نی دوستداری آج

سبک کہیں گی تجھے لوگ اٹھ بالیں سی
کہ رات اس تری بیمار پہ ہی بھاری آج

تم آج آؤ کہ کل تک جیوں جیوں نہ جیوں
نہیں ہی کل مجھی بی دھب ہی بیقراری آج

تمہاری آج کی وعدہ کو میں سمجھتا ہوں
کہ تا بہ حشر نہ نبڑی گی یہ تمہاری آج

تو ہر بانی سی خورشید رو ذرا آجا
کہ صبح سی مجھی تیری ہی انتظاری آج

خبر ہی فوج الم کی جو کشت دلِ پہ گری
ضرور ہی تجھی ای ساقی جانداری آج

خدا کے واسطے کہہ دو طبیب سے اسکی

○

میں تو کہتا نہیں قشقہ بتِ عیار نہ کھینچ
کھینچ پر مجھکو نہ کہہ آہ شرربار نہ کھینچ

مرچکا میں تو ہوں تکلیف تو ای یار نہ کھینچ
تیغ ابرو ہی کافی ہی مار مجھی تلوار نہ کھینچ

دم کھینچا آتا ہی ساتھ اس کی مرا ای ہمدم
آہ پہلو سی مری ناوک دلدار نہ کھینچ

گنہ گار ہوں میں دیواریں چن دے لیکن
اوٹ سرکار یہہ مری سامنے دیوار نہ کھینچ

فوج زہاد یہ منصور ہی منصور . . . . . ہوا
ایسی سردار کو ای عشق سر دار نہ کھینچ

تیری سرگشتگی کی تجھکو ہی سدا رہوی نصیب
ساتھ اپنی مجھی بھی ای گنبد دوار نہ کھینچ

گرمیاں تیری یہ سب میری تو نزدیک ہیں سرد
دور اپنی تپیں ای آہ شرربار نہ کھینچ

تنگ اتنا مجھی ایک بوسہ کی خاطر مت کر
اس قدر جا ہی ای لعل شکر بار نہ کھینچ

آہ تو ہی مجھی بتلا کہ جھلا کیا میں کروں
تو جو کہتا ہی کہ تو آہ بھی زنہار نہ کھینچ

پھر کری گا وہ مجھی ناخن یا شہر بدر
آسماں پر تو ہلال آپ کو ہر بار نہ کھینچ

جان میں جان نہیں دیکھ یہ حالت تیری
سانس سینہ سی تو یوں ای دل بیمار نہ کھینچ

سر بزرگوں کی قدم پر ہی بہر کیف ہی خوب
پای خم سی مجھی ہیہات تو خمار نہ کھینچ

کوچۂ یار کی احسان ہی نشانی تجھ پاس تو
میں تیری پاؤں پڑوں پاؤں سی تو خار نہ کھینچ



کیا ہی ہی ہر آن تیری آن سی آنی کی طرح
یہ بھی تیری بیمار الفت یہ بھی جانی کی طرح

کیا ہی کافر سا کافر دیکھی تو بھی ہو دی غش
ہای کیا کافر ہی ای کافر کی جھنجھلانی کی طرح

خاک میں مل کر تماشا مزرعۂ دنیا کا دیکھ
ساتھ ہی ہر قفل کی کنجی ہی نہاں دانی کی طرح

میں تو پروانہ ہوں تیرا یہ مجھی پروا نہیں
اور اس پر ہیں سدا جھیپر ہوں پروانی کی طرح

رشتۂ الفت کوئی رکھتا ہی شمع بزم سی ای پتنگ اپنی نکالی تونی سر کھانی کی طرح
تھا نشان شانہ کب پیدا نہیں پنہاں ہی یہ اس دلِ صد چاک سی نکلی ہی یہاں شانی کی طرح
میکدہ میں عشق کی کچھ سرسری جانا نہیں کاسۂ سر کو یہاں گردش ہی پیمانی کی طرح

کس پہ بیدو کو دیا دل کیا ہوا احساں تجھی
کیا سبب کیوں کس لئے پھرتا ہی دیوانی کی طرح

کیوں بولتی ہو ہوئی طرحدار بی طرح میں ایک طرح کا ہوں نہ کہو یار بی طرح

بیتاب و بی قرار ہوں کس طرح سی نہ میں بیدل سی اپنی آپ ہیں بیزار بی طرح
چیں بر جبیں ہو تیغ پہ رکھ ہاتھ دمبدم دیکھی ہی اس طرف کو وہ خونخوار بی طرح
پیکان تیرِ یار کو دل دی چکا ہوں پر پھیلائی اپنی منہ کو ہی سوفار بی طرح
تنخواہ ایک بوسہ ہی تس پہ یہ حجتیں ہی نادہند آپ کی سرکار . . . بی طرح
یہ اپنی بیٹھنی ہی کی آثار ہیں صنم کافر اٹھی ہی ہجر کی . . . دیوار بی طرح
سد حیف سبحہ عقدہ کشا تو نہ ہو سکی میری گلی پڑی ہی یہ . . . زنار بی طرح
کھونتی ہی سرمہ دیکھ کی تو بیمارِ عشق کو تجھکو ہی چشمِ یار یہ آزار بی طرح
دل کو دئی بنی ہیں کہ بگڑی ہوئی ہیں یہ ق احساں ہوا ان کی ہاتھ سی ناچار بی طرح

عشوہ کرشمہ غمزہ و آن و ادا و ناز
اب تو ہوئی ہیں ایک یہ دو چار بی طرح

لگا جو دابنی میں پاوں ہو کے شب گستاخ
کہا کہ سیکھ تو آداب بے ادب گستاخ

یہ دسترس ہی کر اس پاؤں پہ رکھی سر کو
کوئی وہ زلف ہی ظالم بلا غضب گستاخ

اسی ہی شکل سی صورت کو تیری تکتا ہے
یہ آئینہ بھی ہی آئینہ رو عجب گستاخ

کہوں جو کچھ بھی تو کہتا ہی طعن سی وہ بت
ہوئی ہیں آپ بھی نام خدا کچھ اب گستاخ

تیغ قاتل کی میری سر کو ہی خدمت شاید
اسکو بھی ہی یہ محراب عبادت شاید

دوستو پاس کرم تم نے نہیں آج کیا
دشمنوں کی کہیں ماندی ہی طبیعت شاید

یہاں سے تم اٹھ کے وہاں بیٹھی یہ تعظیم نہیں
میری آنی سی ہوئی تم کو اذیت شاید

صور محشر ہی مرا نالہ جب نکاہ نہیں
شب ہجراں نہیں ہی روز قیامت شاید

مثل تصویر ہی خاموش مرا آئینہ رو
مر گیا آج کوئی کشتۂ حیرت شاید

آتش ہجر نی بی طرح جلایا مجھکو
اہل دوزخ بھی یہ دیکھیں گی مصیبت شاید

میں نے منعم سی کہی اپنی حقیقت لیکن
بی حقیقت ہی نہ سمجھا وہ حقیقت شاید

جو تہہ خاک میں آسودہ وہی ہیں ابتو . . .
زندگی میں کبھی ہو وی گی حلاوت شاید

حالت وجد نہیں شیخ یہ کیا حالت ہی
اب نہیں بھوک سی حالت کی بچی حالت شاید

باندھنی دیتی نہیں بندی کو تم بند قبا
اس میں کچھ ہو گی مری جان قباحت شاید

جب کہا میں نے نہ پھر گلیوں میں بولا وہ ماہ
آپ کی شہر میں ہو وی گی حکومت شاید

سرو قد میرا ہی سراو رقدم ہیں تیری — تیری قدموں سی وہ رکھتا ہی قدامت شاید

اب نہیں آنکھ بھی تو مجھ سی ملاتا ظالم — بس ابھی بات کی ہوتی ہی مروت شاید

سایہ افگن ہی ایسی قبر پہ بید مجنوں — کہہ دو شیریں سی یہ لیلی کی ہی تربت شاید

ہیں فی احساں سی کہا خسرو شیریں سخناں ق — دل سی تم رکھتی نہیں مجھ پر ... عنایت شاید

میں تو اصلاح کو لیتا ہوں بامید کہ ہو — بزم شیریں سخناں میں مجھی ثروت شاید

سن کی فرمانی لگا میں تو ہوں حاضر لیکن
عشق شیر دہی باید و محنت شاید

م

جو چاہے کل مجھے ہیکل کی تو دیکھا تعویذ — مفید اور نہیں ہے دوا دعا تعویذ

کسی کی رنگ طلائی کا کشتہ ہوں میرا — بناؤ سنگ محک سے مزار کا تعویذ

جو میرا بس ہو تو ایکدم جدا رکھوں تجھکو — گلے کا اپنے بنا کر رکھوں دلربا تعویذ

جو خود بخود ہو صنم رام دل کو ہو آرام — کچھ ایسا ہاتھ لگے مجکو اے خدا تعویذ

فقط نہیں ہے یہ جھومر ہے یار آفت آخاں — بلا ہے آپ کا بالا کڑا کڑا چھڑا تعویذ

نہ کیوں کہ میں ہوں مسخر کہ تسخیر آج ق — نہیں ہے ایسا مری جان دوسرا تعویذ

کہ جس نے بازوئے باز خرد کو توڑا ہے — عجب ادا سی ہے بازو پہ رہ گیا تعویذ

مریض عشق کو کوسی ہے لیک پردے میں — ہکی ہے خوب یہ باندھا ہے مرحبا تعویذ

نہ کیوں کر دیکھ کے عاشق کا ہوئی کام تمام — تمام تم نے تمامی کا ہے سیا تعویذ

یہ چھیڑ اپنی ہے بیمار سے ہے سمجھ کے مریض ق — لکھی ہے آب عنایت سے بارہا تعویذ

کبوتر اپنا جو نامہ کو لے کے جاتا ہے — اسی کے خون سے لکھتا ہوں بے وفا تعویذ

گلی میں جاتے ہو تم اس پری کے لے احسان
گلی میں آپ کی لازم ہے مشفقا تعویذ

قائمہ تم جو مجھی نزع میں یار آئی نظر — ہی نہ یارای سخن اور نہ یارای نظر

سمجھتی تجھکو ولا ابتو ہیں یار آئی نظر — جب نہ زر ہو دی تو تب ان کا پیار آئی نظر

وعدہ سب ہیچ ہیں تب جانوں وہ قاصد آیا — ہو کر جبکہ میانی میں سوار آئی نظر

ہیں نے گھورا تو لگا کہنے مجھی غیرت حور — کیا فرشتی تجھی ای عاشق زار آئی نظر

شیخ جی منہ پہ تو کہنا ہی خوشامد تمہیں — خر دماغی سی مجھی مثل حمار آئی نظر

نظر آتی ہی تری مانگ میں یوں سلک گہر — ابر میں جیسی کہ بگلوں کی قطار آئی نظر

تار وحشت کا تو پھر باندھ دی اید دست جنوں — کہ نہ دامن نہ گریبان میں تار آئی نظر

شب لپٹنا نہ گوارا ہو جو یہ . . . . . بولی — تم بھی پیچ پیچ کی کوئی ہمکو گوار آئی نظر

ابر و مے ساقی و مطرب سے کھلی دل کس کا
کیفیت جب ہو کہ وہ بادہ گسار آئے نظر

ماہیت بحرِ محبت کی نہ پوچھو جس کا
نہ تو وار آئے نظر اور نہ پار آئے نظر

وہاں گذرتی ہوئی جبریل کی پر جلتی ہیں
اپنا اس کوچہ میں کس طرح گذار آئے نظر

شہ جیلاں کی مرقد کو نہ دیکھوں ایکدن
اور فرقت کی ہمیشہ شب تار آئے نظر

جسکی دیکھے سے مری بخت سیہ ہووے سفید
یا الٰہی مجھے وہ سبز مزار آئے نظر

جان اپنی نظر آئی نہیں دیتی ہیں ہمیں
یار دہ وہ چشم کہاں ہے کہ وہ یار آئے نظر

کشتہ خنجر کا نہ ہوں کہ جو دم سو ووں
کوئی کھینچی ہوئی سینہ پہ کٹار آئے نظر

کیا ہوا کس کی نظر تمکو لگی تم احسان
جب نظر آئے ہمیں زار و نزار آئے نظر

ساقیا دے شراب ناب ضرور
خانۂ توبہ کر خراب ضرور

اس طرح ہمکو ہے شراب ضرور
جیسے تشنہ کو ہووے آب ضرور

دے ہی دے ساقیا شراب ضرور
دے کہ دے میں ہے آفتاب ضرور

یوں ہی ہشیار کو ضرورت مے
جوں ہے بیہوش کو گلاب ضرور

تار نغموں کا باندھ اے مطرب
چنگ میں لا تو اب رباب ضرور

مے و ساقی ہے مطرب و دف و نے
اس گھڑی گھر تو اے سحاب ضرور

ابر ہے اور مغنی و مے و ناب . . .
آ تو اے رشک آفتاب ضرور

گھر میں بجھ بن نہیں ہے دل لگتا . . .
آ تو اے خانمان خراب ضرور

گر ضرورت بود روا باشد
وصل سے کر تو کامیاب ضرور

بی ضرورت چنین خط با شد ○ یعنی اسدم نہیں عتابِ ضرور

خوفِ روزِ حساب پھر کیجیو . . . . اب تو بوسی دی بی حسابِ ضرور

مطربا یار کو ہی عزمِ شکار ق بیت یہ کا باَب و تابِ ضرور

تا وہ فتراک سی مجھی باندھی . . . اس کی پاؤں پڑی رکابِ ضرور

غوثِ الاعظم یہی ہی وقت مدد . . کر مدد ای فلک جنابِ ضرور

کبھی ذرہ پروری . . . . رکھی مہر ای شاہ مہ رکابِ ضرور

قبر یک محتسب تھی کل دیکھی . . . تھی ق گرچہ اس سی تھا اجتنابِ ضرور

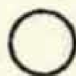
می چھڑک کر یہ رند سب بولی . . . اس کا پہونچی اسی ثوابِ ضرور

گو ضرورت ہی تجھ کو ای درویش لیک خالق سی ہی حجابِ ضرور

پھر نہ کہیو کہ بھیجی گا کچھ نہ آج تو اب مستطابِ ضرور

بندگی کا بھی کوئی دن ٹھہرا آج کمخواب کل ہی خوابِ ضرور

آہ گرم اشک سرد احسان دیکھ
عاشق کو ہی آب تابِ ضرور



مجھکو مت ٹھکراؤ بس چلیئے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتی ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

کس کو ہی تاب تقابل بل بی وہ تیغ نگاہ
کانپتا خورشید بھی ہی جسکو تھر تھر دیکھ کر

دیکھ کر ان کو وہ قامت یار کا یاد آ گیا
گل قیامت ہیں فی کی سرو و صنوبر دیکھ کر

شوخ میں اس بدکیش کو لایا تھا پر کیا کروں
ڈر گیا طرز مسلمانی وہ کافر دیکھ کر

مژدۂ شہد شہادت ای جگر خوں گشتگاں
کچھ ادھر دیکھا ہی اس نی اپنا خنجر دیکھ کر

میں نی مثل مو بنایا تن کو لاغر اس لئی
فرق تا رکھی نہ وہ اپنی برابر دیکھ کر

بل بی نخوت ہی ستم سنہ تو لگا ایک طرف
بلکہ بل کھانی لگی زلف ستمگر دیکھ کر

بوسہ لی بیٹھا اگر اٹھو انہ برہم ہو گی یار
مجکو سودا کیا ہوا زلف معنبر دیکھ کر

جب سی گہنا تم نے پہنا تب سی وہ آنکھیں نہیں
آپ کچھ اترا گئی ہیں اپنا زیور دیکھ کر

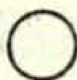
دیکھیو میری طرف سچ کہیو ای اختر شناس
کیوں فلک کو تونی دیکھا میری اختر دیکھ کر

میری نظروں میں وہ گردن اور وہ آنکھیں پھر گئیں
رو دیا میں نے صراحی اور ساغر ... دیکھ کر

یوں ہنسا آنکھوں میں میری دیکھ کر انبوہ اشک
جسطرح سرشار خوش ہوا اپنا لشکر دیکھ کر

پنجہ بر تاب خوارج ہی وہ یار حیاہ
ہر زماں ہفت آسماں ہیں جسکو شسدر دیکھ کر

پر بہا ہوتا ہی احسان میوۂ فصل اخیر
میں یہ سمجھا رتبۂ والای حیدر دیکھ کر



بلبل کو ہم ستا دیں یہ لیں عذاب کیونکر
آخر ہیں ہم بھی عاشق کھینچیں گلاب کیونکر

ہجر بتاں میں مجکو آوے گی تاب کیونکر
جاوے بیگا یا الٰہی یہ اضطراب کیونکر

کاٹے جو سر کو قاتل لیوے ثواب کیونکر
یہ دیکھئے کہ گا سر کا عذاب کیونکر

اس صید ناتواں کو فتراک سے نہ باندھا
پاؤں پڑے نہ تیری ظالم رکاب کیونکر

کمخاب سے عرق یا ایما ہے کم تو سونا . . .
سو جاؤں تو نہ ہووے مجکو عتاب کیونکر

کمخواب پہن نے کی ہے اس گلبدن کو کثرت
کمخواب جبکہ وہ ہو پھر آوے خواب کیونکر

اس زلف کا ہوں گاہک کیا کام ہے جو پوچھوں
عنبر کا نرخ کیا ہے. مشک گلاب کیونکر

پان اس نے ہے چبایا ٹک دیکھیو تماشا
بنتا ہے یہاں زمرد اب لعل ناب کیونکر

روے عرق فشاں کی اب لیجئے کیوں کہ بوسے
ریزش کی تپ ہو شدت پہنچے گلاب کیونکر

منظور قتل عاشق پردہ میں ہے ہمیشہ
منہ پر نہ اپنی رکھے قاتل نقاب کیونکر

فکر شراب دل میں ذکر بتاں ہے لب پر
میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

وقت مدد ہے شاہا کوہ گنہ ہے سر پر
سر خاک سے اٹھاؤں یا بوتراب کیونکر

آپ ہی کی ہے توجہ پھر ہم سے پوچھتے ہو
اس طرح ہو گئی ہے دلی خراب کیونکر

فی پان دے نے مسی ہوں سو کھا ہوں آہ اس سے
تیرے لب و دہن سے ہوں کامیاب کیونکر

کچھ بھی ہے تجکو غیرت محرم کو دیکھ اپنی
یہاں سر اٹھا رہا ہے ہر دم حباب کیونکر

غنچہ کو بس نے پھوکا لایا دہن کو آگے ؛
بوسہ نہ مجکو دیوے وہ نکتہ یاب کیونکر

کہتی ہیں دوست مجکو دشمن کتاب پڑھ تو — پیدا کرو و لیکن پڑھنی کی تاب کیونکر
اس کا رخ کتابی آتا ہی یاد مجکو — کیوں کر مطالعہ ہو دیکھوں کتاب کیونکر

کیوں کر وہ خفتہ صادق غصہ کی تیری احسان
کیوں کر عتاب کیوں کر ہم وہ عتاب کیونکر



کوٹھی یہ چڑھتا کبھی مری جان سمجھ کر — پریاں نہ اتر آویں پرستان سمجھ کر
یہ شعر نہ ہو جو کہو آسان سمجھ کر — دل دیجیو کہیں حضرات احسان سمجھ کر
یہ اس کی نشانی ہی ایسی سی ہی مری زینت — پہلو سی نکالو مری پیکان سمجھ کر
کل شیخ کی گھر میں ملا دختر رز سی — کچھ مجھ سی نہ بولا مجھی مہمان سمجھ کر
تعظیم نہ کی زاہد مغرور نے میری — ہم شاعر و ہم حافظ قرآن سمجھ کر
تقصیر نہیں اس کی یہ ہی اپنی حماقت — کیوں آیا گدھے پاس میں انسان سمجھ کر
یہ نالۂ عشاق ہی لازم ہی کہ گل بھی — آواز یہ بلبل کی دھری کان سمجھ کر
ہیں قیس وغیرہ تو سبھی اپنی ہی لڑکی — بیٹھا ہوں الگ ان سی پگہان سمجھ کر
سرکار میں آوے گا یہ سرکار جنوں ہی — یہاں ای دل دیوانہ ہو دیوان سمجھ کر
تم اپنی عنایت ہی نہ دار رکھیو خداوند — بندی کو غلام شہ جیلان سمجھ کر
میں اس در دولت سی کہاں جاؤں محمد — آیا ہوں یہیں دولت ایمان سمجھ کر
گر گا اسی صحرای جنوں کا ہی یہ مجنوں — تو اس سی الجھ خار بیابان سمجھ کر

بہر طلبِ دل جو نہایت کی شتابی
میں فی نہ پڑھا مطلعِ احسان سمجھ کر



مانگو ہوا ابھی دلِ مجھی نادان سمجھ کر ۔۔۔ پھر دوں گا جواب اس کا میری جان سمجھ کر
بچ جائیو کمبخت میری بخت سیہ سی ۔۔۔ یہاں آئیو ملا کی شبِ ہجران سمجھ کر
کیا کام منہ تو سی مجھی میں اسی ہر دم ۔۔۔ دیکھوں ہوں تیرا عکسِ گریبان سمجھ کر
رنگ اپنا ہوا سنتی ہی ملتانی کی مٹی ۔۔۔ تو کیجیو سفر جانبِ ملتان سمجھ کر
نور بزہ ہوا اور ساقی کوثر کا ہی اب دور ۔۔۔ ایذا دی مجھی گردشِ دوران سمجھ کر
مملکت میں الفت کی گورنر ہی سدا عشق ۔۔۔ آمادہ ہو تو رستم دستان سمجھ کر
منجری جنوں کی ہی یہ تیار کی پلٹن ۔۔۔ ہاں دیکھیو صف غار مغیلان سمجھ کر
جرنیل تو صحرا میں ہیں اور کوہ میں کرنیل ۔۔۔ ہی شہر میں چھوڑا مجھی کپتان سمجھ کر
کیا محتسبِ شہر کدورت سی لیگا . . . ۔۔۔ ام کرتی ہیں پیمانہ سی پیمان سمجھ کر
یارب میں کہاں جاؤں کہ ہر دم بتِ کافر ۔۔۔ ایذا مجھی دیتا ہی مسلمان سمجھ کر
جب بھی لگا شب کو غصہ سی تنعم ۔۔۔ اک رحم سا آیا مجھی ہزیان سمجھ کر
ارمان سی ارداں ہی ارمان نہ توفی ۔۔۔ ارمان نکالی میری ارمان سمجھ کر
دل سرد ہی تم سی کہ نہ بہیں گرم تپاک کی ۔۔۔ یک شب بھی نہ یہاں سوی زمستان سمجھ کر
میاں بوسی ابھی لو لگا دھری رہیگی تردار ۔۔۔ گالی نہ سنا سب کو تو یکسان سمجھ کر

اے غزالِ مرغ زار طرز خاص احساں بس اب
ایک غزل پڑھ اور اچھوتا مسلماں چھوڑ کر



قیس مست جانبد و غل زنجیر و زنداں چھوڑ کر
کس طرف جاتا ہے دیوانے یہ ساماں چھوڑ کر

زلف پر چین سے نکل آیا دلِ آشفتہ شب
یہ وبال آیا کہ نکلا چین خاقاں چھوڑ کر

سخت جانی میری سن کر وہ بت آہن گر آج
میرا منہ تکنے لگا حیرت سے سنداں چھوڑ کر

پہلوان عشق ہوں آیا مقابل قیس گر
ہٹ کھڑا ہو وامق و فرہاد میداں چھوڑ کر

شہر پھر خالی کیا اے نالۂ آتش فشاں
گھر کے گھر آخر گئے گبر و مسلماں چھوڑ کر

عین جذب عشق و الفت کی کشش اللہ رے
مصر کو یعقوب پہونچے شہر کنعاں چھوڑ کر

برہم و درہم ہوئی جمعیت خاطر تمام
کون آیا منہ پہ شب زلف پریشاں چھوڑ کر

دامن صحرا و جیب کوہ کو کر چاک چاک
اے دل دیوانہ اپنے جیب و داماں چھوڑ کر

چھوڑ کر یہ کوچہ گردی کہہ کر بالائے بام
بیٹھ جا پردے میں تو چلوں کو جاناں چھوڑ کر

اس فرنگی زادی کا منہ تکتے گذری ہے انھیں
اب لگے انجیل پڑھنے یا امراں چھوڑ کر

اب مرغاں پیر گبہ مشہور ہے شیراز میں
کم تر آتا ہے یہاں وہ پیر ایراں چھوڑ کر

زاہد حیواں پھرا جب واں سے تب ہم نے کہا
جا بے مرغے کیوں تو آیا اب مرغاں چھوڑ کر

تو وہ احساں رند نورانی ہے جسکے سامنے
با ادب بیٹھے ہیں مجد شاہ ایراں چھوڑ کر

ہیٔ دُرِ علم جو درکار تو حُسن رکھو احسان
دریبی ہی نہ در حیدرِ .... کرار کو چھوڑ



لہ موئے مجنوں گیا سیرِ گلستان چھوڑ کر
نام حق بڑھنے لگے بُلبل گلستاں چھوڑ کر

سروتے قمری بھرے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
کیا شگوفہ تو گیا سروِ خراماں چھوڑ کر

لعلِ اب پر غش ہوں گو دستِ حنائی لگی ہیں خوب
کون لے مرجان کو لعلِ بدخشاں چھوڑ کر

دشت میں مجنوں کو چھوڑا کوہ کن کو کوہ میں
نائب اپنے ہم چلے یاں چھوڑ کر واں چھوڑ کر

یہہ میری مرغی ہے گر ہو روضہ رضواں دلا
منہ پھیرو آستاں شاہ جیلان چھوڑ کر

منہ اگر موڑوں جفا سے تو نہ پھر منہ دیکھیو
آزما ایک پہلے منہ پر تیغ پران چھوڑ کر

تم سرو سامان کے سامان میں ہو غافلو
سامنے سب کے گیا سامان سلیمان چھوڑ کر

آئینہ دیکھا تو غرہ حسن پہ اپنے کیا
روٹھ گیا آئینہ رو عاشق کو حیران چھوڑ کر

آئینہ ساز اپنے پیشہ سے پشیمان سب ہوئے
کان اپنے پکڑے اپنی اپنی دکان چھوڑ کر

ہے ردیف گندہ نارخ ضبط تھا لازم تجھے
کیا یہہ بد لیتو نے پھیلائی ہے نادان چھوڑ کر

تجھ سے اس مجلس میں خطرہ ہو صاد یہہ کہے
بلبلِ نالان کہاں جانے گلستان چھوڑ کر

سُبْت احباب ثلاثہ سب گنا ہوں سے ہے بد
سب منقر ہیں تو ہے راہی راہ ایماں چھوڑ کر

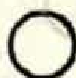
آستان شاہ جیلاں پہ نہیں جانے کا تو
اے سگ بدو رخ درِ فرعون وہامان چھوڑ کر

حشمت دنیا کا منہ کالا یہہ نکلے اس سے رمز
جب گیا کالا محل یاں خان دوران چھوڑ کر

لہ یہہ غزل نسخہ و و ب میں نہیں صرف نسخہ ج و د میں ہے۔

رہ کر تو ذرا روئیو ای دیدۂ تر . . . دیدہ رہ میں سے نہ پھر جا ہی وہ باراں بھی کر

احساں کا کہا مان تو برکت کی طرح سے
اشکوں کو بہا دیدۂ گریاں سمجھ کر



نخوت و شیخی کی ای شیخ تو اطوار کو چھوڑ
چھوڑ زنار نہیں کا ہے فائدہ پندار کو چھوڑ

باغ جنت کو نہ دیکھوں تیری رخسار کو چھوڑ
خلد میں جاؤں نہ اس سایۂ دیوار کو چھوڑ

آ گیا بس میں ہی بس اب کہیں انکار کو چھوڑ
نہ چھوٹا تھا مری ہاتھ سے تلوار کو چھوڑ

تجھکو میں چھوڑ دوں پر مجھکو یہ کہتا ہے یہ دل
ایسی قابو میں نہ تو ایسی طرحدار کو چھوڑ

رقص لیلی کا تماشا بھی منظور رہی تو
تو کہاں آت کی اس مرغ گرفتار کو چھوڑ

گر مقید ہی تو اس کا نہ رہی نام شراب
محتسب قید سے اس رند قدح خوار کو چھوڑ

بار ہجراب تو اٹھا دل سے مری خانہ خراب
تیری دروازہ پہ آ بیٹھا ہوں گھر بار کو چھوڑ

اس کی افسوں سی بھجتی ہیں ہر دم شیریں
کوہکن جاوے کہاں دامن کہسار کو چھوڑ

یوں چلی عشق میں صبر و خرد و تاب و تواں
فوج جس طرح سے بھاگی کسی سردار کو چھوڑ

شاید جی کو خدا زندہ رکھی ای مجنوں
اس پری کی نہ تو اس سایۂ دیوار کو چھوڑ

بند میں وحشت کی آں قیس ہی لیلی سے کہو
ٹلو اس طرح نہ تو عاشق غمخوار کو چھوڑ

دوستو تم نے سنا نا نام مشفق کا سلوک
قطعہ سمجھانے یہ آیا تھا کہ اس بار کو چھوڑ

میں بھی دو چار گھڑی ایسا ہی رویا ناچار
وہ تو اک پانچ تھا یہ بھاگا ہی دستار کو چھوڑ

فرد ۱؎

اے دستِ جنوں دامنِ دل وار بچانا ؎ اور میرا گریباں جو پھٹ جائے تو جانے

فرد ۲؎

فرہادِ دشتِ جنوں کی دیکھو جو دست ؎ کیا ہے قبر میں ٹکڑے کفن کو

○

تیر پہلو میں نہیں ای رفقای پرواز ؎ طائرِ جاں کی یہ پر ہیں برای پرواز
یوں تو پر بند ہوں پر یار پروں پر میری ؎ جو گرہ تیری ہی سو عقدہ کشای پرواز
ایک پرواز کی طاقت تو نہیں اس پہ ابھی بھی ؎ اور جو حکم ہو صیاد سوای پرواز
دیکھیو نامہ خدا لایا ہو کبوتر اس کا ؎ کچھ مری کان میں آتی ہی صدای پرواز
بے پر و بالی پہ غش ہوں کہ یہ ہر دم ہی رفیق ؎ تجھی پر و بال ہی تک ہم سی وفای پرواز
اپنی نزدیک تو اس دام میں پھنس کر صیاد ؎ کبھی کمبخت کو ہو ویگا ... ہوای پرواز

تو بھی اس تک ہی رسائی مجھی احساں دشوار
دام توں گر پر جبریل برای پرواز

○

دل تو حاضر ہی اگر ہے کبھی پھر ناز سی رمز ؎ میں تیری ناز کی صدقی اسی انداز سی رمز

۱؎ یہ فرد صرف نسخہ و، ب میں ہے۔ نسخہ ج، د، میں نہیں۔
۲؎ 〃 〃 〃 〃 〃

رمز و ایما و کنایہ تجھی سب یاد ہیں یار
ہم تو بھولی ہیں غمِ غمزۂ غماز سی رمز

اپنی نافہمی سی میں اور نہ کچھ کر بیٹھوں
اِس طرح سی تمہیں جائز نہیں اعجاز کی رمز

دِل کو تو ہیچ میں لیویگا یہ میں جان چکا
یہی نکلی ہیں تری ہیچ کی آواز سی رمز

ہم جئیں یا کہ مریں کچھ نہیں غم شوق سی آپ
مسندِ ناز پہ فرمائی اعزاز سی رمز

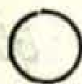
میں اسی دم تری تم وار سی کاٹوں گا گلا
تیغ دِکھلا کی بیاں عاشقِ جانباز سی رمز

باز جدم سی دَرِ عدلِ شہِ عالم ہی
بچۂ قاز بھی کرتا ہی یہاں باز سی رمز

کیا تعجب ہی اگر مردہ صد سالہ جئیں
کم نہیں میری مسیحا کی بھی اعجاز سی رمز

ہی تجھی خانہ خرابی ہی اگر مدِّ نظر
کیجیو ای فلک اِس خانہ برانداز سی رمز

رمز احساں سی ہی یعنی کہ غزل اور بھی پڑھ
سیکھ جای کوئی اِس چشم فسوں ساز سی رمز



کِسی کی تو یاد ہیں اب بھول گیا ناز سی رمز
نہ کنائے ہیں نہ ایما ہیں نہ انداز سی رمز

چومتی گُل کو اسی طرزِ روش سی دِل ہی
بو سمجھی کیجیئی اس سرو سرافراز سی رمز

میں یہ لکھ دیتا ہوں خط مجھکو لکھی گا تو خط
مجھکو معلوم ہوئی خط کی ہی آغاز سی رمز

ہی یہ قانونِ فراست کہ تو خود میں نہ ہو
جا بجا پردہ میں نکلی ہیں یہ ہمراز سی رمز

ایک دِن ہوتی ہی یہاں طَیِّ سجلِّ افلاک
کچھ یہ مفہوم ہوی شورِ علیوا ز؟ سی رمز

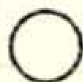
جانِ من جسمِ بشر کی ہی تمنا دِل میں
ہم نے کی وصل کی یوں اِس بتِ طناز سی رمز

گھرنا دل کا مری پیش نظر ہی تجھکو — میں یہ سمجھا ہوں تری گھیر کی پیشواز سی رمز

گل بسر چرخ یہاں دیکھ سکی ہی کس کو — یہی نکلی ہی سدا شمع سی اور کا زسی رمز

جای گلگشت نہیں گلشن گیتی احساں

طائر روح کی نکلی ہی یہ پرواز سی رمز



پھچکی سی بولا سر اپنا لا کی میری سر کی پاس — جتنا سر کو ان دور تجھی اور بھی تو سر کی پاس

کیوں اجل تو بھی نہیں آتی ہی اس مضطر کی پاس — ہم ملوں قسمت کہ تجھ بھی نہیں بستر کی پاس

دولت عظمیٰ ہی پکڑ لی سکی ای جان من — دل نہیں زلفوں میں تیری من ہی پر اژدر کی پاس

کان کا بالا ہی تیرا اگر دمہ بالا نہیں — تو بھی بالا بنا تا ہی کہ ہی زرگر کی پاس

اس بت ترسا کی صورت کو نہ ترساؤ مجھی — بس کہیں اٹھو بٹھا دو چل کی اس کی در کی پاس

کچھ تمہیں ترس خدا بھی ہی خدا کی واسطی — لی چلو مجکو مسلمانوں اسی کافر کی پاس

تیغ سی بولا خفا ہو کر وہ یہ شوخ فرنگ — دل نہ ہم بیٹھی لگا ایسی یا گل اور بوگر کی پاس

پاس ہی خار مغیلاں کا بھی اہل جنوں — یہ وصیت ہی کہ میری قبر ہو کنکر کی پاس

مدفن مومن اگر ہو شاہ مرداں میں تو پھر — اور ہی رتبہ ہی اس کا خالق اکبر کی پاس

قدر بو بجر و عمر وہ ہی کہ بعد مرگ بھی — منکر و دیکھو کہ آسودہ ہیں پیغمبر کی پاس

گرد دل احساں غم معشوق دمی صد آفریں

بہ پیر و مرشد واہ یہ بدعت خدا کی گھر کی پاس

قطعہ ہفت شعر [۱]

دوش بہ دوش دوش تھا مجھ سے بتِ کرشمہ کوش ۔۔۔ پردہ درِ خیامِ عقل رخنہ گرِ حریمِ ہوش
غازہ بہ رو، مسی بہ لب، پان بہ دہن، حنا بہ کف ۔۔۔ سلکِ درِ عدن بسر طرۂ عنبریں بہ دوش
پل میں مریض وہ کرے دم میں شفا وہ دے مجھے ۔۔۔ آہ وہ چشمِ مے پرست واہ وہ لعلِ بادہ نوش
نائلِ عیش جان کر جاہلِ بے وقوف کیسے ۔۔۔ مائلِ بوسہ جبکہ ہوں چپکے کہے کہ چپ خموش
عشق میں سب ہے بہتری دیکھ بہ چشمِ گوہری ۔۔۔ رنگِ قمر ہے مشتری دیدۂ مہر فروش
منکرِ مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے ۔۔۔ جام بہ دست و خم بہ سر شیشہ بہ بر سبو بہ دوش

نغمہ سرا ہو محتسب تا کہ ہو باغ باغ باغ
سوسنِ صد زبان ہو گل کی طرح تمام گوش



---

[۱] نسخۂ ا میں عنوان قطعہ ہفت شعر ہے لیکن صرف ایک شعر درج ہے۔ نسخۂ د میں یہ قطعہ نہیں، صرف نسخۂ ج میں ہے۔



پھر آیا جام بکف گلعذار اے واعظ
شکستِ توبہ کی پھر ہے بہار اے واعظ

نہ جان مجھکو تو مختار سخت ہوں مجبور
نہیں ہے دل پہ مرا اختیار اے واعظ

انارِ خلد کو تو رکھ کہ ہیں پسند ہمیں
کچیں وہ یار کی رشکِ انار اے واعظ

اسی ہی کاکل پہ پیچ کی قسم ہے تجھی
کہ تیری وعظ ہیں سب یہ بیکار اے واعظ

ہماری درد کو کیا جانے تو کہ تجھکو ہے
نہ دردِ یار ، نہ دردِ دیار اے واعظ

کیا جو ذکر قیامت یہ کیا قیامت کی
کہ یاد آیا مجھی قدِ یار اے واعظ

جلائیگا نہ کبھی یاد گر خیال اعتاں
کوئی وہ تجھی ہی بجھا ہزار اے واعظ



بزم میں مانعِ تھی شب کو وصل رشک لگا ہے شمع
ہیں نی بھی گل کی وہ لگن اک فریب اور جل سی شمع

تو نہ جا دیتی ہے اس کو بزم میں روشن طرف یہ ہے شمع
(۲) قدر میں ہوا ہے اے عندلیب گل سی شمع

بای زری ہو بف ۔ ہیں داہ ری اسکی چمک
شمع روشنی کی ہے روشن بزم میں کامل سی شمع

ہیں بھی نہ اک شمع کا پروانہ میری قبر پر
اس لئے خلقت پر عاشق ہے یا جل سی شمع

گل گریباں چاک ہیں گیسو ۔ ہو مجکو عشق ہی
لعن سی کبھی تھی یہ پروانہ نہ بلبل سی شمع

کرہ طورِ عشق میں اس طور سی کو دیدہ شاہ
ہے بجا روشن ہوئی فضل و ستم دلدل سی شمع

جب کہ کب پیری میں نکلا کب رہی آنکھوں میں نور
مطلقاً نسبت نہیں رکھتی ہی احساں پل سی شمع



مقیم بزم رقیباں ہو گلعذار دریغ
مقام حیف ہی اور جای صد ہزار دریغ

ہوا ہی زرد غم سی جسم زار دریغ
بسنت پھولی ہی لیکن نہیں ہی یار دریغ

بہار داغ جگر کس کو میں دکھاؤں آہ
بہار ہووی نہ ہو غیرت بہار دریغ

جو کل ہیں کھای لکھوں کسطرح تجھی احوال
نہیں ہی پاس کبوتر بھی ای نگار دریغ

موانہ میں شب ہجراں میں کیا ہوا مجکو
تمہاری منہ سی ہوں ای یار شرمسار دریغ

گذر ہوا تھا یہ کس رشک گل کا گلشن میں
کہ بلبلاتی ہیں یوں بلبلیں ہزار دریغ

دریغ کون ہی بالیں پہ اپنی غیر اجل ق
جو میری حال پہ کھاوی وہ ایکبار دریغ

نہ ہمجلس نہ ہمدم نہ کوئی یار افسوس
نہ مونس اور نہ مشفق نہ غمگسار دریغ

نہیں تھا چین مجھی کاروبار الفت میں
ہوا ہی دل پہ مری اب وہ کاروبار دریغ

کہاں رہا دل پہ داغ قیس دنیا میں
ملا ہی خاک میں لیلی وہ لالہ زار دریغ

کرم کیا تری ناوک نی اس طرف لیکن
ہوا نشانہ نہ اس پر یہ جاں نثار دریغ

جدھر سی یار گذر کر ادھر کو تو آیا
مژہ سی میں نے نہ جھاڑا وہ رہگذار دریغ

گلو ہی تشنہ یہ میری تجھی نہ رحم آیا کہ
دریغ تو نی رکھی تیغ آبدار دریغ

کڑھا ہی دیکھ کی مجکو تو اسطرح ظالم
بہاں زباں پہ الحمد آشکار دریغ

نہ دل کو تاب ہی فرقت میں کیا کروں احساں
نہ چین دیتی ہی جان پہ اضطرار دریغ



نہ ادا مجھ سی ہوا اس ستمِ ایجاد کا حق
میری گردن پہ رہا خنجر بیداد کا حق

ناصحو گر نہ سنوں میں مری قسمت کا قصور
تم نی ارشاد کیا جو کہ ہی ارشاد کا حق

یاد تو حق کی تجھی یاد ہی پر یاد رہی
یار دشوار ہی وہ یاد جو ہی یاد کا حق

اپنی تصویر پہ عاشق نہ ہو صدقے کراسی
اسی صورت سی ادا ہووی گا بہزاد کا حق

حق کو باطل کوئی کس طرح سے کہوی ای بت
کہیں ثانی نہیں اس حسن خدا داد کا حق

جان کنی پیشہ ہو جس کا وہ لحق ہی تیرا
تجھ پہ شیریں ہی نہ خسرو کا نہ فرہاد کا حق

بار احسان سی نہیں سر بھی اٹھا سکتا ہوں
میری سر پہ ہی رہا اس مری جلاد کا حق

سن کی کہتا ہی یہاں کون ہی سنتا مت سن
سننی والا ہی سنا اس مری فریاد کا حق

وہی انسان ہی احساں کہ جسی علم ہی کچھ
حق یہ ہی باپ سی افزوں ہی استاد کا حق



نکلا نہ اس کی لب سی میرا کام اب تلک
اللہ وہ صنم نہ ہوا .... رام اب تلک

نام اپنا جس کی غم سی ہوا بدنام اب تلک
دیتا ہی سن کی نام وہ دشنام اب تلک

پیغام یار آوی یہ قسمت کہاں کہ آہ
آتا نہیں اجل کا بھی پیغام اب تلک

تیری لبوں کی عشق میں ہیں اور ہی پیوں
مجھ پہ حرام ہی مئی گلفام اب تلک

اندھیر ہی کہ خال ہو یوں رخ پہ اے میاں ق
مصحف سی ہندوؤں کو نہ تھا کام اب تلک

ابرو نی ایک کھینچی ہی تروار دیکھہ کر
باری نہیں ہی سستی اسلام اب تلک

گو مر چکا ہوں پہ دلِ مضطر کی ہاتھو سی
میری نصیب میں نہیں آرام اب تلک

بھرا مرا کہ بوسہ کا اس دل سی جانِ من
ہوتا ہی مرحمت مجھی انعام اب تلک

یارب یہ دن ہی ہجر کا یا روز حشر ہی
ہوتی کسی طرح سی نہیں شام اب تلک

ہوتی تھی جنکو بستر گل پر بھی بیکلی
ہیں خاک میں پڑی وہ گل اندام اب تلک

پیغام بوسہ پہ ہی تسلی کسی یہاں
تیرا دیا ہی بوسہ بہ پیغام اب تلک

قائل ہوں ایسی شوق کا کہتی ہیں اسکو شوق
رکھتا ہی کام گور سی بہرام اب تلک

دیکھا تمہارا ہم نی اب و لہجہ اے لبو
اک نالہ بھی ہوا نہ سرانجام اب تلک

رتبہ وہ تری چشم کی کشتہ کا ہے کہ خلق
لاتی ہی اسکی قبر پہ بادام اب تلک

وعدہ تھا شام کا نہ پھرا وہ بت فرنگ
مجکو نہیں ہی ہجر میں آرام اب تلک

اس جنگجو سی کہہ دو یہاں توپ چھٹ چکی
گھر میں نہیں ہوئی ہی تیری شام اب تلک

بالیں پہ میری آ کی کہا شور حشر نی
عزت ذرا تو جا گئی آرام اب تلک

گذرا تمہارے تنک ماہ کہ میں ایک شب نہاں
اک روشنی سی ہی بلب بام اب تلک

احسان ہیں جس کی نام پہ دیتا ہوں اپنی جاں
وہ جانتا نہیں ہی مرا نام اب تلک



گو اس کی ہیں سودا میں پریشان و خفا ہم
کیا جانی تری زلف میں جو ہیں کون بلا ہم

کچھ تم میں نہیں دیکھتے پتھر کی سوا ہم
رکھتا ہی قرینی سی بتو تمکو خدا ہم

گر سنگ سی سر پھوڑیں بتاں بات نہ پوچھیں
پتھر ہیں یہ پتھر سی توقع رکھیں کیا ہم

گر مشک ختن میں نے کہا زلف کو عنبر کیا
انسان سی ہوتی ہیں مری جان خطا ہم

اس گل کی سدا لاتی ہیں پتا کی وہ پیشن
مرہون نسیم اور ہیں ممنون صبا ہم

تم رونقی وفا ہی کو ہو خوباں میں عزیز و
یہ بھلی ہی غنیمت کہ رہی رسم جفا ہم

وہ فرہی ہمارا کہ یہ سب ہوں گی فراری
اغیار فرد مایہ کو ہونی دی ... فراہم

کچھ اپنی ہی گریہ کا نہیں زور گھٹا اب
بدلی نظر آتی ہی زمانی کی ... ہوا ہم

کیا پوچھی تھا احوال ہمارا تو مری جان
دل رات تری جان کو دیتی ہیں ... دعا ہم

اپنی پہ نہ لیجاؤ تو اک بات کروں عرض
تم تو ہو بھلی کیونکہ کہیں تمکو برا ہم

سمجھا ہی تم ہم کو ولی ہم نہ سمجھی
ویسی ہی گرفتاری میں رہتی ہیں سدا ہم

القصہ یہ قصہ تو نہیں قصہ کوتاہ
کچھ اور نہیں سمجھی ہیں یہاں اس کی سوا ہم

کوچہ میں ہماری تو ہی بلوی ہیں ہمیشہ
ہم ہی تو سدا رکھتی ہیں وہاں مخمصی یا ہم

اغیار کا جانا ہوا ہمکو سزا دار
جو ہم نی کیا پاتی ہیں اب اس کی سزا ہم

مت میری طرف گھورتی بس مہر ہی رکھئی
مردم کو ذرا چاہئی آنکھوں میں حیا ہم

بس جیتی ہی جی اپنا ہو اسیر کہ اٹھائی
ہم بزم یہاں ٹھہریں ہماری سفہا ہم



ہی خیال ان تری آنکھوں کا دل آرام مدام — خواب میں دیکھوں ہوں میں نرگس بادام مدام

روز و شب عشق کی دولت سی یہ چاہتی ہیں نصیب — تجھ کی چاہتی ہی یہ بیمار ترا نام مدام

تجکو غیرت نہیں ای گردش چشم ساقی — کرتا تی ہی مجھی گردش ایام مدام

بیطرح اب تو ہی دلی میں بتوں کا چرچا — حق تعالی رکھی اس شہر میں اسلام مدام

میں غلام اور ملازم ہوں نہ کیجیی ملزم — نہیں لازم ہی کہ دیجی مجھی الزام مدام

میرزا نیلی مقصودِ سپہرِ نیلی کی — ق تجکو سرسبز رکھی خالق غلاّم مدام

وجہ اس نام کی رکھنی کا ہی تا کہ تنہا — نیل چشم بد اعدا رہی یہ نام مدام

زلف و قد کا تری رہتا ہی سدا اس کو خیال — دل سیپارہ جو پڑھتا ہی الف لام مدام

گالیاں غیر کو دی اور جلوں رشک سی میں — اری دشمن تو دیا کر مجھی دشنام مدام

دام اقبال کی صیاد کو کہتا ہوں کہ وہ — مرغ دل کو مری رکھتا ہی یہ دام مدام

آب پاشی سی تری کوچہ میں ہوں رکھتا ہر صبح — کام کرتا ہوں یہ آنکھوں سی سرانجام مدام

اور ہر شب ہوں تری در پہ مثال درباں — کام میں تیری ہی رہتا ہی یہ ناکام مدام

گل رخوں کی ہوں تصور پہ تصدق احسان
اک بغل میں مری رہتا ہی گل اندام مدام

؛؛



گرچہ دھمکاتی ہیں آ کر مجھی اغیار مدام
جا دھمکتا ہوں تری کوچہ میں ای یار مدام

غش ہے میخانہ پہ یہ رند قدح خوار مدام
پای خم دست سبو سی ہی سروکار مدام

ہیں نی جھانکا تھا مجھی روزن در سی ایکدن
مجکو گھوری ہی ترا رخنۂ دیوار مدام

گل نرگس مری مرقد سی ہیں اگتی ابتک
یعنی ای گل ہی مجھی حسرت دیدار مدام

کیا مجھی ظل ہما سی میری سر پہ رہی
سایۂ دشنۂ خونخوار ستمگار مدام

کیا بیاں تجھ سی کرے دل تیری گرفتار کا حال
مرض الموت میں رہتا ہی گرفتار مدام

واعظا میرا تکفر بہ تعصب مت ..... کر
ق کہ تشہد کا بدل کرتا ہے دل اقرار مدام

نخوت وجبۂ و عمامہ سی کیا کام مجھی
مجھی ان کاروں سی البتہ ہی انکار مدام

بجکلہ عہد میں تیری ہیں وہ فتنہ برپا کہ
تھا تمنا اپنی ہی خورشید بھی دستار مدام

راہ چلنی کی نہیں بلکہ چلی گی تلوار
گر تو بیٹھی گا مری جان سر بازار مدام

وہاں ہی پوشاک تراشیدہ بدن پہ ہر روز
یہاں ہی ناخن سی خراشیدہ تن زار مدام

کس طرح ہاتھ سی دل میرا بچاوے ظالم
ہاتھ میں لیوے تو دامن دم رفتار مدام

دل عشاق سدا زلفوں کی زنجیر میں ہی
اور نگہباں ہی نگاہ بت عیار مدام

مانگ کی راہ کو یہ حکم ہی یوں صاف رکھیں
جوں بتاتی ہیں سڑک آکے گنہگار مدام

پھر بہ تبدیل قوافی غزل احساں لکھ تو
ہیں پسند دل شاعر تری اشعار مدام

گر غزل اور سنا چاہی مری جان تو سن
کھول آغوش کو احساں دل افگار سی مل



میں ہی اس دشت میں رویا نہ غم یار سی مل
آبلی پاؤں کی بھی روتی ہیں ہر خار سی مل

نزع میں وہ ہیں نہیں وقت تغافل بی مہر
دم رخصت ہی ذرا عاشق بیمار سی مل

یہی آثار خرابی ہیں تری جھانکتی ہیں
چشم اپنی ہو گئی رخنۂ دیوار سی مل

یاد میں اس گل رخسار کی جی میں ہی یہی
خوب سا روئی ہر اک گل گلزار سی مل

دور بہتر ہی مری پاس سی وہ سبز قدم
تو ہی ای زخم جگر مرہم زنگار سی مل

زلف منہ لگتی ہی ہم گوشی اسی سی ہی مدام
اس سی مل ای دل آشفتہ نہ تو یار سی مل

خود بدولت سی نہیں فائدہ ہوتا سر مو
کام چاہی کہ نکل آوی تو مختار سی مل

دم غنیمت ہی کوئی دم جو کہیں لطف سی یہاں
ای لب زخم تو ہر دم اسی تلوار سی مل

کمی مایہ سی نیساں ہی بہت گریہ کناں
اسی کہہ دو کہ مری چشم گہربار سی مل

جا کی اس در پہ یہ احساں نی کہا بندہ نواز
کھول دروازی کو آ اپنی گرفتار سی مل

اس نی جب در کو نہ کھولا تو وہ برکت کی طرح
خوب جی کھول کی رویا در و دیوار سی مل



گر ہی دنیا کی طلب زاہد مکار سی مِل ‏ دین ہی مطلوب تو اس طالب دیدار سی مِل

کب تلک مجھ سی کہوں یار نہ اغیار سی مِل ‏ مجھ کو ہی شرم نہیں تو مری بیزار سی مِل

یوں ہنسا زخم جگر اس لب سوفار سی مِل ‏ ہنس پڑی جیسی کوئی یار کسی یار سی مِل

گر وفا چاہی تو ہم سی وفادار سی مِل ‏ زر ہی درکار تو جا کر کسی زردار سی مِل

کیفیت زلیست کی اس دور میں چاہی تو مدام ‏ چشم مست اسکی سی مِل مردم میخوار سی مِل

کچھ عجب زاہد کی ہی صورت یہ عجب صورت ہی ‏ مجھ سی کہتی ہیں کہ تو صورت دیوار سی مِل

کب تلک منہ کو تو پھیری ہی پھریگا مجھ سی ‏ غصہ کو تھوک دی بس اپنی گنہگار سی مِل

تجکو شاباش تیری سر پہ ہی طرہ ای دل ‏ اس شب تار میں اس طرۂ طرار سی مِل

ربط اس جو مری آنکھ سی دیکھا تو میں ‏ چشم فرہاد گئی دامن کہسار سی مِل

اپنی جی کو تو جلا چشم کو رو بیٹھو ای دل ‏ اب کسی اور بھبھوکی سی دھواندھار سی مِل

نہ سمجھو دولت دنیا کو تو دولت ای دل ‏ یہی دولت ہی کہ اس دولت بیدار سی مِل

ہدف تیر بلا ای دل مجروح تو ہو ‏ لب معشوق تو ہی پر لب سوفار سی مِل

کوس کر مجکو خفا ہو کی یہ کہتا ہی وہ شوخ ‏ کیا غضب ہی کہ مجھی کہتی ہیں اس یار سی مِل

کس گرفتاری میں ہر لحظہ گرفتار ہوں میں ‏ جو ہی سو کھوتی ہی چل اپنی گرفتار سی مِل

خاک حاصل نہ ہوا کار محبت سی آہ ‏ قیس سا شخص گیا خاک میں اس کار سی مِل



چرخ کی ہاتھ سی گو رہتی ہیں مجبور سی ہم
سر جھکاتی نہیں لیکن کبھی مغرور سی ہم

تیغ کیا ہی نہ ڈریں رستم پر زور سی ہم
زور سی ڈرتی نہیں ڈرتی ہیں پر زور سی ہم

حق وہ سردار ہی عشاق کا لیکن یہ کہو
ہم سی منصور ہوا یا کہ ہیں منصور سی ہم

روم و چین کیا کریں ہی قصر قناعت کافی
تنگ رکھتی ہیں سدا قیصر و فغفور سی ہم

تجکو ہی شاہ کا مجرا ہو مبارک ہُدہُد ہا
ق یعنی واقف نہیں اس طرح کی دستور سی ہم

پاس خاطر ہو جسی اپنی ہم اسکی ہیں غلام
اسکو البتہ کہ تسلیم کریں دور سی ہم

خاک پا اس کی ہیں جو اپنا رکھی ہاتھ میں دل
سر فرو لائیں نہ تا حشر زر و زور سی ہم

ہی دریدہ دہن البتہ سوا اسکی کوئی
دیکھتی خوف نہیں زاہد مغرور سی ہم

کیا یہ اشعار پڑھیگا پڑھ غزل دردآمیز
تاکہ احسان ہو خوشی عشق کی غمکو...



یک شب ہجر میں یہاں تک ہو رنجور سی ہم
بس نکل آئی ہیں گویا کہ ابھی گور سی ہم

پاس آکر کبھو صدقی ہوں نہیں اتنی مجال
ہاں مگر لیتی بلائیں تری ...... دور سی ہم

مژدۂ سودۂ الماس تجھی زخم جگر ہا
یعنی بیزار ہیں تری مرہم ...... کافور سی ہم

محتسب قہر ہی تو شوق سی نکلی انگور ہ
اور محروم رہیں بادۂ ...... انگور سی ہم

آفریں آپ کی اکدن بھی نہ آیا دل میں ؛
جو کبھی شب تو ملیں عاشق رنجور سی ہم

لب یار و لب ساغر ہی کہاں بعد فنا
لب بلب رہتی ہیں ہر لحظہ لب گور سی ہم

اور بھی شور مچا صور قیامت سی کہو
ہمکو بھی مند ہی نہ جاگیں کی تری شور سی ہم

ناتوانی نی غضب زور اُٹھایا ظالم
بیٹھی رہتی ہیں تری کوچی میں مجبور سی ہم

کوہ کا ننگ سمجھتی تھی اُٹھانا یا اب
ننگ ہیں بار عصای مژہ مور سی ہم

قبر احساں سی لپٹ کر یہی کہتا تھا وہ گل
سن گئی آج تو اس عاشق مغفور سی ہم



یا ہم ہیں اس خرابہ میں قبر و کفن سی ہم
کیا یہ چھٹ گئی خرابی میں آکر وطن سی ہم

آگاہ نسترن سی نہ واقف سمن سی ہم
رکھتی ہیں کام اس گل ناز کبدن سی ہم

آخر ہوی فراق میں اس لالہ رو کی آہ
آخر یہ داغ لی کی چلی اس چمن سی ہم

پڑھتی ہیں شعر بھرتی ہیں آہیں تمام دن
احوال اسی جتاتی ہیں سو سو جتن سی ہم

کہتی نہیں ہیں ایک بھی رکھتی ہیں دل میں لیک
نو طرح کی شکایتیں چرخ کہن سی ہم

دوری میں کیونکہ آپ رہیں صبر کی قریں
پوچھیں گی یہہ جناب اویس قرن سی ہم

غائب ہی جب سی چشم لعبت فرنگ
واقف نہ حاضری سی نہ ہر گز فتن سی ہم

بدلیں ہزار آنکھ یہ نیساں کی بدلیاں
بدلیں نہ ایک اشک کو در عدن سی ہم

ہم پاک رکھیں لوث جرائم سی غوث پاک
یا شاہ لگ رہیں ہیں تمہاری چرن سی ہم

ڈرتی تری مژہ سی ہیں رکھتی نہیں ہیں خوف — ہرگز سنان رستم گیو و پشن سی ہم

اُلجھی تھی زلف میں کہ ہوا عشق آدی صاف
احساںؔ چلی حلب کو ختا و ختن سی ہم



غلط یہ شہرہ ہی یعنی یا ممتاز ہو تم — سخن کو کرتا ہوں کوتہ زباں دراز ہو تم

ہمیں تو روزہ اس ایام نحس میں ہی ضرور — نماز پڑھتی ہیں جب ہم کہ بی نماز ہو تم

تمہاری پاؤں پہ جو سر رکھی وہ ہی سردار — خدا کی فضل سی ممتاز سرفراز ہو تم

ہیں آپ پادشہ ملکِ حسن ہم ہیں غلام — غلط ہی گر کہیں محمود ہم ایاز ہو تم

سوال بوسۂ لب کا دیا یہ منہ پہ جواب — زبان کٹی گی کہ از بس زباں دراز ہو تم

نہ مال و زر کی تمنا نہ دین و دل کی غرض — قسم خدا کی ہتو خوب بی نیاز ہو تم

سنوارو بگڑا ہوا کام یا علی میرا — کہ کارخانۂ قدرت کی کارساز ہو تم

بلا لو ہند سی احساںؔ کو یا شہ جیلاں
کہ جانشین شہ یثرب و حجاز ہو تم



کیا رہی عاشق کہ جب لپٹی کفن میں استخواں — ای ہمای عشق تو مت چھوڑ تن میں استخواں

کس طرح اٹھوں تری در سی کہ اک ثابت ہی نہیں — صدمۂ کوہِ محبت سی بدن میں استخواں

یہ غزل نسخہ "ج" اور "د" میں نہیں، صرف نسخہ "ڈ" اور "ب" میں ہے

عشق ہی ای عشق تجکو تل ہی کچھ نالاں نہیں — تل کی فرقت سے رہی باقی دہن میں استخواں

استخواں سی تو عبث رکھتا ہی جھڑای برہمن — دانت اپنی دیکھو ہیں تیری دہن میں استخواں

انجمن آرا ہی ہم کیشوں میں وہ ہندو پسر — پھینک دیتی جبیں ہی اس انجمن میں استخواں

کل ہزاروں عندلیبیں باغ میں تھیں نغمہ سنج — آج صد افسوس ان کی ہی چمن میں استخواں

یہ تمنا ہی کہ رہوی شمع فانوس کیطرح — آتش الفت سی اردشن پیراہن میں استخواں

قدرت حق سی یہ بولی کل یا آواز حشر میں — تھی پریشاں اور خستہ ایک تن میں استخواں

جان انساں ہی ہمیشہ طعمۂ باز اجل — بلکہ وہ چھوڑی نہ ہرگز مرد و زن میں استخواں

یاد ہی ہمکو کہ ہم چلتی تھی ببولوں ہی کی بل — جب کف پا سی تھی چبھتی بانکپن میں استخواں

کل تو دل گذری تھی احساں بحال غیرت ہی کہ آج
ایک بھی باقی نہیں اپنی بدن میں استخواں



میں جو تجی بیٹی پہ آؤں تو سُبو پی جاؤں — گر غسیں منع کری اس کا لہو پی جاؤں

تیری دہشت سی اگر چھوڑ دیا یہاں دامن — حشر میں کیونکہ پھیر اویگا مری جاں دامن

اپنی پوشاک کا کر چکی ہیں تری حال ہی یہ — آستیں وہ ہی گریباں یہاں وہاں دامن

آبرو رکھ لی بہر وجہ تو اس طرح سی رو — پاٹ دریا کا بنی دیدۂ گریاں ... دامن

منصفی کی تری قرباں عجب ہی انصاف — میں تو محروم رہوں اور رہوں قرباں دامن

چاک پر چاک دی وحشت جنوں نی یہاں تک — بن گیا دشمن محبت میں گریباں دامن

یہ غزل بھی نسخہ "ج" اور "د" میں نہیں صرف نسخہ "الف" اور "ب" میں ہے

دستگیری ہی تری آپ کی ہی ہاتھ سدا   آپ کا میں نی لیا یا شہ جیلاں دامن

در پہ کیوں اہل دول کی در حق سی آیا   اس لئی کھینچی ہی درویش کا درباں دامن

غم دامن نہیں دامن سی مجھی در کار نہیں

بس یہ صحرا کا سلامت رہی احساں دامن



مجھ کو مت چھیڑو کہ میں سرتا بپا تاثیر ہوں   برق ہوں آہ سحر ہوں نالۂ شبگیر ہوں

کام رہنا ہی سدا گردن کشوں ہی سی مجھی   پیچ و تاب حلقہ ہای جوہر شمشیر ہوں

تب جوانمردی ہماری ای رقیبو دیکھو   جب کبھی واللہ بر لاوہ بت بی پیر ہوں

خاصیت سیماب سی ہی اس تری بی تاب میں   جل کی خاکستر ہوا ہوں تو بھی میں اکسیر ہوں

سن کی شعر سرد یہاں تک ہی طبیعت اپنی سرد   موسم سرما میں گویا داخل کشمیر ہوں

آئینہ رو چین مجھکو کچھ اسی صورت سی ہی   اپنی چھاتی سی لگا رکھتا تری تصویر ہوں

دل تو زلفوں ہی کی پیٹوں میں بلا سی چھٹ گیا   یک قلم بس میں ہی ظالم واجب التعزیر ہوں

درد دل کو میری جانا اس نی افسانا مگر   چپ جو رہتا ہوں تو کیا کہتا ہی وہ بی پیر ہوں

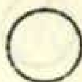
گالیاں دیکر مجھی ہوتا ہے خوش وہ بد زباں   مدعا یہ ہی کہ یعنی میں بھی خوش تقریر ہوں

فی المثل آب بقا بھی سی تو کیا حاصل مجھی

مزرع دنیا میں احساں دانۂ زنجیر ہوں

ؔ

یہ غزل صرف نسخہ "ا" اور "ب" میں ہے نسخہ "ج" اور "د" میں نہیں



ہی کمر تیری بھی اے غنچہ دہاں کہتی ہیں
ہم نے دیکھی نہیں یہ لوگ میاں کہتی ہیں

چاہئی بحر خجالت میں وہ سب ڈوب مریں
اپنی معشوق کو جو جان جہاں کہتی ہیں

کاش سرو ارم و طوبیِ فردوس کہیں
یہ قیامت ہی کہ اس قد کو سناں کہتی ہیں

ایک نقطہ بھی زیادہ جو زباں پر آیا
وہ زباں ہی نہیں پھر اس کو زیاں کہتی ہیں

بھیجتی مجھ پہ ملائک مری جان درود
دیکھ کر نام خدا کو تجھکو بتاں کہتی ہیں

چشم و بینی کو تری میں نے کہا صاد و الف
وجہ یہ ہی کہ مجھی قاعدہ داں کہتی ہیں

دیکھتی تجھکو ہے کیا سر کو جھکائی نرگس
ذو فنوں یہ ہی اسی سحر زباں کہتی ہیں

دود سی آہ کی جی میں ہی انہیں کو نہ کڑوں
زلف مشکیں کو تری جو کہ دھواں کہتی ہیں

منہ سی میری کہیں نکلا نفیِ دہن یار کا ہی
اس سبب سی مجھی سب ہیچمداں کہتی ہیں

خود بخود آگ لگ اٹھتی ہی عزیزاں اس جا
سوز دل کا مری احوال جہاں کہتی ہیں

بوسہ مانگی تو وہ انگشت سی ایما سا کیا
یا تو لا کہتی ہیں وہ یا علاواں کہتی ہیں

طرز انداز زباں درد ادا آن کہاں
یوں تو کہنی کو بھی شعر بیاں کہتی ہیں

میں تڑپتا ہوں غم عشق بتاں سی احساں
حکما فضل الٰہی خفقاں کہتی ہیں

ﻫ

یہ غزل بھی صرف نسخہ "ا" اور "ب" میں درج ہے۔ نسخہ "ج" اور "د" میں نہیں



گرچہ کان ملاحت پہنی اک بالی نہیں
طائر خوبی کو تم بھی بی پرو بالی نہیں

خواب میں بھی دل خیال زلف سی خالی نہیں
جب سی دیکھی بال تیری فارغ البالی نہیں

آشنا کہنی سی کیوں چڑتا ہی وہ نا آشنا
کہدو اس نا آشنا کو آشنا گالی نہیں

ہی جگر میں سنک کی سوراخ اس کی غم سی آہ
گرد قبر عاشق مظلوم یہ جالی نہیں

شیخ اپنی گفتگو سی تلتیاں بتاتا ہی آپ
ورنہ اپنی طبع مائل سوی ہزالی نہیں

رند عمامہ طلب کرتی ہیں وہ خانہ خراب
گھر سی باہر آن کر کہتا ہی گھر والی نہیں

رات سی پیچھی پڑی ہی کاکل ہی دل کی بیطرح
یہ بلا ہی ناگہانی چھوڑنی والی نہیں

حکم والا ہو کہ یہ دلی بھی پھر آباد ہو
یا علی تم بن کوئی اس شہر کا والی نہیں

یا کجر ہی صبح کا فرقت کی شب بجتا نہیں
یا کوئی اس شہر نا پرسان میں گھڑیالی نہیں

نالۂ آتش عناں ہی برق اس کو مت سمجھ
دود آہ عاشقاں ہی یہہ گھٹا کالی نہیں

سر بسر پامال غم ہوں کیوں نہ اس صورت سی آہ
دسترس مجکو کف پا تک بھی جوں قالی نہیں

بس تری آتی ہی مجکو چین سا کچھ آ گیا
اب وہ بی چینی وہ بیحالی وہ بیتابی نہیں

اس نگہ کا فر سی کیونکر بچی نگہ رکھو نگاہ
یہ نگہ جادو سی کم ای شوخ بنگالی نہیں

میکدہ میں دہر کی اس چرخ مینا فام سی
لالی می بن کوئی شی منی تو اصلاتی نہیں

ق کار پردازان تقدیر خدائی خود بجو دہ
جس کی بن مرضی بنا فردوس کی ڈالی نہیں

میں غلام کمتریں ہوں اس شہ لولاک کا
باغ جنت میں سی رضواں مجکو ہی والی نہیں

یہ غزل صرف نسخہ "د" میں ہے "ؤ" "ب" اور "ج" میں نہیں

دو ہی دن کی عشق میں احساں یہ صورت بن گئی
منہ پہ وہ رونق نہیں چہرہ پہ وہ لالی نہیں



کہنی کیا کیوں طفل اشک اپنی گلی کی بار میں
اس زمانہ کی تو کچھ لڑکی ہی ناہموار ہیں

جن کی خاطر دشمن جاں یار اور اغیار ہیں
ہائی قسمت کہ وہ ہم سے وہ بھی اب بیزار ہیں

چھیڑ تو دیکھو سنا کر مجھکو غیروں سی کہا
آج عاشق ہم کو صدقی کی لئی . . . درکار ہیں

اپنی ابرو سی جھگڑتا ہی وہ آئینہ کو دیکھ
تیری منہ پر کیوں ہی تو کھینچی ہوئی تلوار ہیں

پاؤں تک ہیں کیوں کہ پہونچیں تیری زلف عنبریں
اس تمنا میں لٹکتی اب تلک ای یار ہیں

چشم پوشی کیا تری مذہب میں ہے عین ثواب
ہم سی کیوں پرہیز تجھکو اور ہم بیمار ہیں

عشق میں جو سر پہ آوی اپنی سر پر سر بسر
باندھ کر سر سی کفن دینی کو سر تیار ہیں

یا خدا اپنی کرم سی آکو کسی موسیٰ کو بھیج
سینکڑوں مانند فرعون اب تو دعویدار ہیں

قاعدہ اس کج ادائی کا نہ سمجھا میں کبھی
یہ الف قد راستی کہنی سی کیوں بیزار ہیں

لاغری کی کچھ نہایت ہی کہ میں بستر پہ ہوں
اور مجھکو ڈھونڈتی پھرتی مری غمخوار ہیں

کس طرح جھانکوں ہیں اس پردہ نشیں کو دریچی
دیکھتی میری طرف کو رخنۂ دیوار ہیں

شیخ جی کی ہم میں قائل کیا ہی اک دانائی سی
سبحہ کی پردی میں وہ پہنی ہوئی زنار ہیں

گر نہیں تیری دہن کی فکر میں پھر کیوں سدا
سر بجیب ای گل ہزاروں غنچہ و گلزار ہیں

خوبی قسمت تو دیکھو کچھ نہیں ہمکو خطر
گرچہ ہم بدکار و بد افعال و بدکردار ہیں

یہ غزل نسخہ "ج" میں نہیں

آتش دوزخ تک مجبور ہی ہم سی کہ ہم . . . خانہ زاد دودمانِ احمد مختار ہیں

می سی توبہ میں کروں استغفراللہ سب غلط نام سی توبہ سند اہم پڑھتی اَستغفار ہیں

اہلِ دِل ہم جاں کر بہرِ زیارت تھی گئی

حضرت احساں کو دیکھا ایک دنیادار ہیں



اس تپ سی انقلاب کی خاطر پریشاں نہیں آسودہ کوئی صاحب نوبت یہاں نہیں

گو ہو بہشت پر ہمیں راحتِ وہاں نہیں جس جاکہ رسمِ نالۂ آہ و فغاں نہیں

قامت سی تیری حشر زمیں پر کہاں نہیں کیوں کر کہوں تو فتنۂ آخر زماں نہیں

ہاں کس طرح نہ باد کی گھوڑی پہ ہو سوار بجلی سی کم یہ نالۂ آتش فشاں نہیں

اَی قبلہ کعبہ آپ کی کوچہ میں آن کر وہ کون سی گھڑی ہی کہ تبیک خواں نہیں

ایمن نہ ہو جو اسکی شبخوں سی دوستو دستِ فلک میں تیغ ہیں یہ کہکشاں نہیں

ملتی ہی دوستی سی کیا دشمنوں کو دوست لیکن علاج دشمنی دوستاں . . نہیں

بندوقیں کیوں ہی چھوڑتی ہر چاند رات کو ق اس کا سبب جو پوچھو عیاں ہی نہاں نہیں

یعنی نہ اس طرح کا ہو جبتک کہ شورو شعر تنخواہ اور روضع سی ملتی یہاں نہیں

بن تیری آب تیغ کی مچھلی کی طرح آہ وہ زخم ہی نہیں کہ تن پر تپاں نہیں

دشنام دی کی غصہ سی چپکی ہو اس طرح گویا کہ منہ میں آپ کی ہرگز زباں نہیں

باندھی کا بھری ہی تیری کمر مجھ پہ تیغ کیوں ملتی ہی اس کو ہیچ کہا دی میاں نہیں

یہ غزل صرف نسخہ "ڈ" اور "ب" میں ہے نسخہ "ج" اور "د" میں نہیں

ای طالع خجستہ مدد کر کہ ابتلک　　وہ رشک ماہ مجھپہ ذرا مہرباں نہیں

اس ماہ رو کی لب کو جو کہتی ہیں شہد ہم　　ق　کہتا ہی مت کہو یہ میری عزوشاں نہیں

کہنی نمک تو کہوی یہ ہجو ملیح ہی　　ہی صاف یہ کہ صاف وہ نامہرباں نہیں

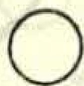
پوچھا ہی مجھکو یار تو میری رشک مجھ سے پیشتر　　دل رشک سی کہی ہی وہ حاضر یہاں نہیں

صحرای عشق وہ ہی بلاخیز جس جگہ　　دل ہی نہیں کہ طعمۂ برق جہاں نہیں

میں اپنی بیکسی پہ ہوں مرتا کہ بعد مرگ　　بالیں پہ کوئی غیر اجل نوحہ خواں نہیں

گرجی ہی ارعدا اسکو خدا مغفرت کری　　اس وقت آہ نالۂ عرش آشیاں نہیں

احساں برنگ خامۂ اہل فرنگ ہاں
محتاج تو بتیا مزہ تو حطال نہیں



ان ابرووں کی دل پہ تصویریں کھینچتی ہیں　　اپنا پہ آپ ہی ہم شمشیر کھینچتی ہیں

ہوتا ہی خاک ہی جب پھر کس لئی ہوس　　تکلیف بہر اخذ اکسیر کھینچتی ہیں

خنجر بکف نہ آیا وہ یار صید افگن　　اور انتظار ابتک پہ تکبیر کھینچتی ہیں

خرمن پہ آسماں کی گویا گری ہی بجلی　　جس دم کہ آہ تیری دلگیر کھینچتی ہیں

مجنوں نی یوں پھر ایا اس نوجواں کا کوچہ　　اب دیکھئی کدھر یہ بی پیر کھینچتی ہیں

تاثیر تو ہی یہ کچھ اپنی تئیں فلک پر　　پھر کیوں یہ نالہای شبگیر کھینچتی ہیں

مانند سگ ہی یہ بھی اس نفس شوم کا ہم　　نقشہ وہی نقیر و قطمیر کھینچتی ہیں

کیا شیخ جی کی جورو رہتی ہی کشمکش میں — گاہی وہ کھینچتا ہی گہ پیر کھینچتی ہیں

نزدیکِ ان کی شاید تقدیر ہی معطل — دور آپ کو جو اہل تدبیر کھینچتی ہیں

آنکھوں کا دیکھو عالم رہتا ہوں دم بخود ہی — سرمہ کی جس گھڑی وہ تحریر کھینچتی ہیں

فرقت میں ہم تمہاری ناچار یہ اذیت — تدبیر کیا بحکم تقدیر کھینچتی ہیں

رہ تکتی تکتی آنکھیں پتھرا گئی ہیں ان کی — کیا کیا جفائیں تیری دلگیر کھینچتی ہیں

آنکھوں سے موج گریہ اس شور سے رواں ہی — پتھر ان پہ جس طرح سے زنجیر کھینچتی ہیں

دیجو تو داد احساں یعنی قلم اٹھا کر
اک اور بھی غزل ہم اے میر کھینچتی ہیں

اور انتظار تیرا ما میر کھینچتی ہیں — پھر ہم بھی ہاتھ تجھ سے بی بی یہ میر کھینچتی ہیں

مشہور خود بخود ہی ہوتا ہی تیرا کشتہ — نعش اسکی کیوں برائی تشہیر کھینچتی ہیں

ان ابروؤں کی غش ہوں اوسان پر کہ ہر دم — اس جنگجو کی منہ پر شمشیر کھینچتی ہیں

کیوں ہی گر لڑی کو توڑی تو ہاتھ توڑیں — جب ہم ہنسی سے اسکی زنجیر کھینچتی ہیں

میاں جب مصوروں کی کچھ ٹوٹتی کمر ہی — تب وہ کمر کی تیری تصویر کھینچتی ہیں

منت گرو گرو پھر تو ہر دم مری دعا کی — ہم کوئی تیری منتِ تاثیر کھینچتی ہیں

پہلو سے گر نہ کھینچیں کھینچوں نہ میں اذیت — کچھ دم کھینچی ہی تیرا جب تیر کھینچتی ہیں

اٹھی ہی شور محشر بیٹھی ہی سقفِ گردوں — گر آہ کا کبھی ہم شہتیر کھینچتی ہیں

اک نفس تو مسخر کر لیں وہ شیخ چلی — چلی سدا جو بہر تسخیر کھینچتی ہیں

ہر روز یہ جفائیں پھر تم نہ کیجو نالش — اب ہم بھی نالہ ہای شبگیر کھینچتی ہیں

جاتا ہوں کوئی یہاں سی کوں بندگان حضرت — تصدیع یار بہر تعزیر کھینچتی ہیں

دشت جنوں بھی آیا قبضے میں اپنی احساں
اب اور کوئی دن کو جاگیر کھینچتی ہیں



حست

خفا مت ہو مجھکو ٹھکانی بہت ہیں — سراسر رہی آستانی بہت ہیں

بہت دور ہی اپنی نزدیک تو بھی تو — تجھی یاد کافر بہانی بہت ہیں

بہانی نہ کر مجھ سی ای چشم گریاں — ابھی اشک مجھکو بہانی بہت ہیں

گماں تیری ابرو سی کم ہی وگرنہ — کمی کیا ہی یوں کمانی بہت ہیں

مری چشم و دل اور جگر سب ہیں حاضر — تو خاطر نشاں رکھ نشانی بہت ہیں

کشش دل کی ہی کام کرتی ہی ورنہ — فسوں سینکڑوں ہیں فسانی بہت ہیں

جنوں نقد داغ جگر مانگتا ہی تو — یہ کہہ دو کہ اب تو خرابی بہت ہیں

بہت کم ہی سچ اس زمانہ میں احساں
یہاں جھوٹ کی کارخانی بہت ہیں



عشق ہی جسکو نہیں تھا ایسی ایمان نہیں — اپنی مذہب میں وہ کافر ہی مسلمان نہیں
چشم تر داغ جگر کون سا سامان نہیں — للہ الحمد کہ اس میں کچھ ارمان نہیں
جان میں گر تو نہ آیا تو مری جان نہیں — آہ یہ روز اجل ہی ہجران نہیں
شب مہ نو کی طرف دیکھ کی کہتا تھا وہ شوخ — ایسا اپنی تو غلاموں کا گریبان نہیں
طالب لعل لب یار ہوں مطلب ہی یہی — آرزوی طلب چشمۂ حیوان نہیں
چارہ سازو مجھی تکلیف نہ دو بہر خدا — میری پہلو میں مرا دل ہی یہ پیکان نہیں
عین حکمت ہی جو آنکھوں میں دیا سرمہ دلی — چپ رہیں آپ کی غمناک یہ امکان نہیں
تیغ ابرو کو تری دیکھ کی ہر دم ہوں نڈھال — دل ہی قبضی میں تری اور مجھی اوسان نہیں
نیل کی کتری میں پریاں ہیں پرستان ہی — نیل بگڑا ہی جو کہتی ہیں پرستان نہیں
نہ تسلی نہ تشفی ہی نہ نامہ نہ پیام — میری جینی کا مری جاں کوئی عنوان نہیں
گریۂ شمع نی جوں شمع جلایا مجھکو — شمع روتی ہی کہ وہ شمع شبستان نہیں

سخنی حضرت احساں یہ عدو سی کہدو
پھر اگر ناک چڑھای تو بجا کان نہیں



تو بی نقاب ہی ای مہ یہ ہیں شراب کی دن — کہ ماہتاب کی راتیں ہیں آفتاب کی دن

جواں تو بھی ہی اپنی بھلا ہیں شباب کی دن
بلا حساب دی بوسی نہیں حساب کی دن

ہوا سفید تری انتظار میں آخر
عجب طرح سی پھری دیدۂ پرآب کی دن

تیری لبوں سی ہی رونق عجب طرح کی ہیں مست
لگی ہیں دن اسی کیوں کر یہ پھر شراب کی دن

قرار یہ تھا کہ اتوار کی دن آؤں گا
کہا تھا میں نی گئی میری اضطراب کی دن

ہوا دو چند الم آہ روز یک شنبہ
نہ آفتاب مرا آیا آفتاب کی دن

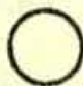
وہ زلف مجھ پہ ہی بیوجہ رات دن برہم
کسی طرح سی نبڑتی نہیں عتاب کی دن

جگر سی شعلی نکلتی ہیں چشم سی آنسو
اس آب و تاب سی کٹتی ہیں پیچ و تاب کی دن

نہ جاؤ شیخ جی آؤ قریب ہی ہولی
خفا نہ ہو کہ چلی آتی ہیں خطاب کی دن

پلائی می رمضاں میں نہ مجکو ای ساقی
بڑی عذاب سی کٹتی ہیں یہ ثواب کی دن

عذاب ہجر بھی دوزخ سی کم نہیں احساں
الٰہی مجکو نہ دکھلائیو عذاب کی دن



نہیں ڈرتی کسی سی وضع بی باکانہ رکھتی ہیں
عبث ہی سی کہہ دو دخت رز سی ہم یارانہ رکھتی ہیں

یہ سودا ہی جو کبھی زاہداں سودانہ رکھتی ہیں
خدا ہی ایک وہ تسبیح میں سو دانہ رکھتی ہیں

نہ ہم کچی سی کا غرض نہ خواہش دنیا نہ رکھتی ہیں
کہ نظروں میں کسی کی نرگس مستانہ رکھتی ہیں

وہاں الجھا ہی وہ زلفوں میں اپنی شانہ رکھتی ہیں
یہاں ہم درد دل رکھتی ہیں اور دردشانہ رکھتی ہیں

اگرچہ یار ہی اپنا ولی یارانہ اتنا ہی
کہ یاروں سی کبھی تجھ سی ہم یارانہ رکھتی ہیں

ہمارا گھر ہی دروازے پہ کیا دربان بیٹھا ہو
جو تمکو گھر سے الفت ہے تو ہم بھی خار رکھتی ہیں

نہ حوروں پر ہیں غش عاشق اور نہ پریوں پر ہیں دیوانی
وہ دیوانی ہیں ان کی جو انہیں دیوانہ رکھتی ہیں

دہاں شمع دیاں آتش سوزندہ جاں ہے
گواہ صدق دعوی عاشقاں پروانہ رکھتی ہیں

محاسن شیخ جی کی کس قدر رنگین بیاں سچ ہیں
کہ وہ ہر لحظہ ہو کر شانہ . . . . . رکھتی ہیں

اسی صورت کی اک دن آ ہی دل پر ہزاروں تھی
سبب یہ ہے کہ ہم بھی سجہ صد دانہ رکھتی ہیں

لب گور اب تجھی ناصح مبارک ہو کہ عاشق تو
اب معشوق رکھتی ہیں لب پیمانہ رکھتی ہیں

اتارا ہم نے شیشہ میں کیا ہی دختر رز کو
پری یہ پڑھ کے افسوں اپنی بر دیوانہ رکھتی ہیں

تصور ہے بتوں کا دل میں اور لاف مسلمانی
مسلماں تو بغل میں اپنی ہم بتخانہ رکھتی ہیں

مری بالیں پہ آ کیوں ہی مچایا کہہ دو گھر جائیں
ق کہ یہ خانہ خراب اپنا ہی آخر خانہ رکھتی ہیں

ادھر میں کاوِ کاوِ نوک مژگاں سے ہوں دیوانہ
ادھر یہ گاؤں گاؤں مردم فرزانہ رکھتی ہیں

دعا دیوی نہ کیونکر روح مجنوں ہمکو اے لیلی
کہ اک مدت سے ہم آباد یہ ویرانہ رکھتی ہیں

فدا ہی جانہ بر دوشاں یہ دوس آئی تھی اسکو سی
کہ ہمکو بھی جگہ دیں کاش جو کاشانہ رکھتی ہیں

ہتھیلی پر ہے سر اور پاؤں اس کوچہ میں ہے اپنا
خریدار محبت ہاتھ میں بیعانہ رکھتی ہیں

دھواں پیچاں جگر سے اپنی اٹھتا ہے کہ ہم ہر دم
خیال پیچ و تاب طرۂ جانانہ رکھتی ہیں

دعا احساں کی ہر دم اے عیسی اے محتسب یہ ہے
خدا ان کو رکھے جو حرمت میخانہ رکھتی ہیں

خدا ہی مالک جاں ہی یہاں وہاں تم کون
خدا کی واسطی سوچو تو ای بتاں تم کون

جو میری قتل پہ باندھی کمر ہی لاؤ تیغ
میں کون ہوں جو کہوں تمکو ای میاں تم کون

دل اور میں تیری کوچہ میں شب گئی تو سہی
پکارا دور سی ہی ہمکو پاسباں تم کون

دل اپنا آپ دیا میں نی ناصحا اسکو
جو میری منہ کی رکھو منہ پہ مہرباں تم کون

کہا جو میں نی نہ اہل زمیں کو دی گردشیں ق
یہ سن کی مجکو لگا کہنی آسماں تم کون

طفیل صاحب عالم محمد ایزد بخش
نہ کہہ سکی کبھی ہرگز فرشتہ خاں تم کون

عبث یہہ فکر ہی احساں کہ یوں ہو وہ یوں کیوں ہو
خدا ہی مالک عالم خدا یگان تم کون ہو



دل بہر کے نہ ایک دم کراہوں
بیمار دو چشم سرمہ ساہوں

وہ سوتی ہیں آنکھ میں ترستا ہوں
ہوں ہوں پہ کسیکی میں فدا ہوں

دو بوسہ نہ دو جواب مجھکو
دو بوسہ پہ دلکو بیچتا ہوں

اللہ اللہ بتاں ہند ہے
الہہ الہہ کہہ رہا ہوں

ہوں دشنہ غم سے پارہ پارہ
سیماب نمط تڑپ رہا ہوں

کسواسطی جھوٹ بولوں زاہد
میں بھی رندوں میں پارسا ہوں

او دختر رز کا خصم تو ہے
میں ایسے پری کا آشنا ہوں

میں خستہ جگر برشتہ جاں ہوں
میں بستہ دل و شکستہ پا ہوں

پانی کی بلوں بلوں ہی قاتل ہے | آب دم تیغ سے جدا ہوں
کس سے کہوں واردات اپنی ہے | میں والہ و دشتِ کربلا ہوں
دریائے الم میں کیوں نہ ڈوبوں | بیگانہ و شور سے آشنا ہوں
منت آپ کی اور میری منت اور | مت بولئے مجھ میں خفا ہوں
وہاں نامہ وہ میرا پڑھ کی رد دیئے | یہاں نام پہ ان کی میں فدا ہوں
وہ مجھ سے سوا تڑپ رہی ہیں | میں ان سے سوا تڑپ رہا ہوں
دم بھر گھر سے نکل کے بیٹھو ہے | ہو جاؤ گھڑی گھڑی کھڑا ہوں
دم بھر کرہی میری زندگانے | یعنی پانی کا بلبلا ہوں
اللہ اللہ شان تیری ہے | قربان جنابِ کبریا ہوں
بے پردہ ہی اور سب سے پردہ | اور سے پردہ نشیں پہ مبتلا ہوں
ای عزاری ورے نہ آنا ہے | اور بوم پری پہ ہما ہوں

احسان خدا کہ دل سے احساں
قرباں شہید کربلا ہوں



ہم آجاتی ہیں پیچھے کو وہ جب آرام کرتی ہیں | وہ ہم اپنا کام کرتی ہیں
چھپائیں چہاتاں آنکھیں دکھا کر منہ سے وہ کوستیں | جو ہم ذکر انار و لبستہ و یا دام کرتی ہیں
سرکرتی ہیں وہ ہر مجلس سے میری پاس سے یہاں تک | کہ خود بدنام ہوتے ہیں ہمیں بدنام کرتی ہیں

شکم پرور قیامت کو نہ پچتائیں تو ہی جانو
کہ دوزخ کی لئی جنت کو یہاں نیلام کرتی ہیں

ثواب حج اکبر ہمکو حاصل ہوگا ای ساقی
بدل ایک جام سی ہم جامۂ احرام کرتی ہیں

وہاں زلفوں کو تیری ربطہ ہی ہر صبح شانی سی
یہاں ہم فکر آرہ ہر سحر ہر شام کرتی ہیں

غم فرہاد میں خسرو کا بی بی نام بشیرین
نہ ماتم بلکہ سنگ بیستون کہرام کرتی ہیں

جماد تکی شمع رخ کی گریباں باندہوں تو کہتی
وری آکر پر پہ دانہ وہ انعام کرتی ہیں

فدائی حلقہ ہائی چشم خوباں ہوں کہ ای ساقی
بیک گردش علاج گردش ایام کرتی ہیں

غاز شام سی تا صبح بیٹھی ہیں می گلگوں
شب غم یوں سحر رندان درد آشام کرتی ہیں

یہاں تمانٔ فرقت نی ہمیں یوں مار ڈالا ہی
وہاں وہ کہول کر زلفیں ابہی آرام کرتی ہیں

سلیقی پہ ہوں میں غش حضرت احسان کے ای ناصح
خدا جانی وہ کیونکر ان بتوں کو رام کرتی ہیں



وہ قد دکہا کے نخوت عرعر کو توڑ دوں
سروں کا غرہ شاخ صنوبر کو توڑ دوں

کیوں تار گریۂ دل مضطر کو توڑ دوں
گوہر توڑ دوں رشتۂ گوہر کو توڑ دوں

زور فغاں سی قلعۂ البور کو توڑ دوں
ملک فلک سی گنبد بی در کو توڑ دوں

ضرب حیدری سی وہ مجھی نعرہ یاد ہے
حیدر کہوں تو کلۂ اژدر کو توڑ دوں

تخمین شعر تر مجھی لازم ہی کسطرح
سلک در خوشی آب نخود کو توڑ دوں

قمری کا اور مرغ چمن کا نہ توڑ دل دل
کیوں شاخ سرو کیوں گل احمر کو توڑ دوں

گر ذکر بحر رحمت حق حشر میں کروں — کوہ گناہ ہر صف محشر کو توڑ دوں

از بہر تشنگان قیامت بہر طرف — تسنیم و سلسبیل کو کوثر توڑ دوں

جادوی عشق زہر جبیناں سی دشمنی ہی — میں گردن غرور فسوں گر کو توڑ دوں

گردن دوں سی یہہ کہوں مانند محتسب — مینا کو تو نہ توڑ نہ ساغر کو توڑ دوں

گر جا ہوں سیل اشک سے تیروں سی آہ کی — گھر گھر کو میں بگاڑ دوں در در کو توڑ دوں

تو توڑ میرا خانۂ دل خانماں خراب — دوں ہمتی ہی یہہ کی تیزی گھر کو توڑ دوں

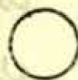
توڑی اگر ہزار دی سو عجز سے نہ لوں — توڑی اگر نہ بت سر بت گر کو توڑ دوں

شعبان میں می بلاؤں تو جھنجلا کے یہہ کہی — ایسا نہو کہ شیشۂ و ساغر کو توڑ دوں

ماہ صیام میں یہہ بہانہ بہانہ جو — میں کیونکہ صوم حاتی اکبر کو توڑ دوں

نامہ میں کیا گرانی دل یار کو لکھوں — میں کسطرح سے بال کبوتر کو توڑ دوں

دل میں ہی ایکی ایسی غزل گرم میں لکھوں
پتھر کا دل جو آو سکا ہو پتھر کو توڑ دوں



میں کسطرح سی خاطر دلبر کو توڑ دوں — ایسا ہوں میں سپند کہ مجمر کو توڑ دوں

وہ آگ اور وہ آب ہوں پتھر کو توڑ دوں — مجھ سی نہو کہ میں دل کافر کو توڑ دوں

ہی مجھکو پاس عشق دگر یہ بوقت ذبح — ظالم تڑپ تڑپ تیری خنجر کو توڑ دوں

بڑھ کر ہی آگ دل کی بجھاتے نہیں ہے چشم — آتشکدہ میں کیونکہ سمندر کو توڑ دوں

لازم ہی باغبان کو بہی نذر چشم یار — اب ہر طرف سے میں گل عنبر کو توڑ دوں

مسجد میں یاد آوی جو نام خدا وہ بت — سر پٹکوں اس طرح سے کہ منبر کو توڑ دوں

آنی دی فوج درد و غم و یاس کو دلا — گر تو نہ توڑی مجھ سے تو لشکر کو توڑ دوں

گر سرسری سے آہ بھی کھینچوں تو سر بسر — سر پنجۂ تکبر عرعر کو توڑ دوں

تھی پالکی میں مجھ سے کہا مانگ کچھ فقیر — یوں جنمیں تھا غرور ستمگر کو توڑ دوں

میں نے کہا کہ بستر ہلکی یہہ کہا — اچھا تو پالکی سی میں جھالر کو توڑ دوں

دیوار آئینہ ہی میرے اوسکی درمیاں — حیران ہوں کیونکہ سد سکندر کو توڑ دوں

گر وہ لوی سی ہجر کے تڑپوں مزار میں — یک زلزلہ سے لوح و حجر کو توڑ دوں

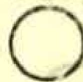
وہ ہوں سگ در اسد اللہ دفعتاً — لغر جبلتی دل کافر کو توڑ دوں

کہتی ہو غیر غیر نہیں پیوں توڑ دی — اس توڑ پہ تو خاک دوں بیم کو توڑ دوں

احسان یہہ مجھسے اوسی بت عیار نی — میں وہ ہوں جو غرور سخنور کو توڑ دوں

گر اس زمین میں باندہی جواہر کا قافیہ — دوں وہ نشانیاں نجھی زیور کو توڑ دوں

مینی دیا جواب کہ اس قول میں ہی کسر
ہی یہہ غلط کہ سلک جواہر کو توڑ دوں



لاکھو دل دیتی جو ہوتے ہم دلاور اور ہیں — دل دہی جنمیں نہیں وہ دلبر اور ہیں

سخت دل ہی گو نہیں اوسکی برابر اور ہیں — ہیر تو ہیرا ہی رانجھا سنگ مرمر اور ہیں

بہائی یہاں اخوان یوسف سی تو اکثر اور ہیں — ہمکو خصلت جنکی بہائی وہ برادر اور ہیں

نوکر عشق و جنوں جو ہیں گریباں چاک ہیں — جو جگر کو چاک رکہتی ہیں وہ چاکر اور ہیں

بر دسی اشارے کل گئی اور یہہ کہا — جو کہ یہہ انداز سمجہیں وہ سخنور اور ہیں

یہہ جہاز عشق وہ ہی ناخدا جسکا خدا ق — جو قدم رکہتی ہیں اسمیں وہ دلاور اور ہیں

بادبان ہفت آسمان جسکی ہیں لنگر کوہ قاف — بادبان اوسکی جدا ہیں اوسکی لنگر اور ہیں

مرد احمد باشس یعنی ہو مطیع مصطفے — معتقد اونکا ہی رہ جتنی اور ہیں

رتبۂ حیدر کو اصحاب ثلاثہ سی تو پوچہہ ق — برسر دعوی باطل ور نہ کیسر اور ہیں

جسکی بوبکر و عمر عثمان سدا ہیں مدح خوان — اس سوا وصف جناب پاک حیدر اور ہیں

بند کر آنکہیں نرمی پی غصہ بیجا و آعظ — میں تڑپ لوں غم میں باقی یکدو ساغر اور ہیں

کسطرح سی میں جیوں کیا کیا گلہ اونکا کروں — کاٹتی میرا گلا پہر پہر کی گہر گہر اور ہیں

روم پر کس نے ظفر پائی بغیر از جد شاہ ق — ملک بخشے کے سوا احسان دیگر اور ہیں

کیا تعجب گر کہیں سب شہ بہادر شاہ کو — ہم غلام کمترینے ہیں اور نوکر اور ہیں

یک زمین گور کا ہی گر ستم خطرا نہیں — آسمان سے سات دشمن اپنی سر پر اور ہیں

حکم ہو تو مختصر سی پہر غزل احسان پڑہی
ایکدو اشعار اوس میں سے بہتر اور ہیں



آج یکہہ بارہ دری میں آپ تشنہ سر اور ہیں — کل کر جتنوں اور تہی اور آج تیور اور ہیں

محتسب قاضی عبس مجھ پہ نہایت ہیں غضب
جام مے مینے پیا جامہ سے باہر اور ہیں

میں تمہاری پاس آؤں تم کہو جا اور پاس
اپنی قسمت اور ہیں اپنی مقدر اور ہیں

منہہ سے بی تی وہ الف قد کہوں پر اوسکی سوا ق
قاعدے میرے ثنائی کی مقرر اور ہیں

بندہ پرور جب کہوں جز نہ ہو مجھسے یہہ کبھی
ہمتو بندہ کش ہیں جلیں بندہ پرور اور ہیں

گوٹ کا سر پر کو بیٹہ پاس غیرت کچھ نہیں
آپ خوشی ہیں کھیلتی آپسمیں چوسر اور ہیں

اشک آنکھوں میں ہماری ہیں نظر بند اب تلک
مت دہر و طوفان اون پر طفل ابر اور ہیں

چارپائی سی ہی عاشق کب گیا زہرہ جبیں
اوسی سی گھڑا ک ایسی خوشی لغی شکر اور ہیں

میں الگ کیو نکر نہوں شیرینی آنو کو لکھا ق
مختلط مجھ سی لسان لشکر اور ہیں

نو جواب اوسکی کہا خسرو نی تو ہی جو ئی
میں ہوں ایک دریائی قلزم مجھ میں جوہر اور ہیں

نامہ میرا جو کبوتر لی گیا پر قیسیمہ ہے ق
نیلی پیلی جیکی سے مجھ پر اور ہیں

دیکھ کر جلکو کہا گر یہہ کبوتر خانہ ہے
کابلی کم بھر نیا شیرازی اکثر اور ہیں

اتنی میں کہا نثار رقیب روسیہ ملنی کہا
جسکو گھر الگ گیا ہی وہ کبوتر اور ہیں

خاکِ میں غلطاں ہی مجنون ہی سر فرہاد و سنگ
عشق میں احسان فوائد خاکِ پتھر اور ہیں



اگرچہ میں نفغاں سی یند ایک عالم کی کہوتا ہوں
تیری خاطر ہی مجھکو ای اجل لبس آج سوتا ہوں

اندھیرا چھا گیا آنکھوں میں جیسی تو گیا یہاں سی
کوئی آنکھوں سی روتی اور میں آنکھوں روتا ہوں

○

میری درد دل سی آنسو آئی چشم یار میں　　آبداری مجھ سی ہے تیغ نگاہ یار میں
ہار گل آنکھوں پہ رکھکر تیرا میں تو دیا نعمات　　نین کی موتی ہیں پروئی موتیا کی ہار میں
دیکھکر مژگان و ابرو و کلاہ یار کو　ق　کہل بلی سی پڑ گئی ہر کوچہ و بازار میں
ہمتی ہیں تیر یکسر خود ہیں بیخود پڑی　　گوشہ پکڑا ہی کماں فی دم نہیں تلوار میں

○

ہم شب گریہ سی ہی کام احسان؛　　گریہ سا گریہ ہی محبت میں
صبح اشکوں سی منہ کو دہوتا ہوں　　روز نادہونا ہی میری قسمت میں

○

یاد احسان شاہ عالم اشک سی　　دل احسان کباب کرتا ہوں
گر یوں گریہ ہی دہڑیوں دانۂ اشک　　پہر دل ہی اضطراب کرتا ہوں
ہر سحر موسم زمستان میں　　آفتاب آفتاب کرتا ہوں

○

میں جو عزت طلب اوس بزم میں آجاتا ہوں　　پشت جو میرے طرف پہری چلا جاتا ہوں

تو کہہ گر وہ پکاری مجکو ——— تیری جبر کہنی اسی ایجان ہوا جاتا ہوں

ی راہ میں رہ رہ کی یہ ہی افسوس ——— ہمرہاں تم تو چلی میں ہی رہا جاتا ہوں

ہ بیٹی یہ آؤں تو سبو پی جاؤں ——— گر عبس منع کری اس کا لہو پیجاؤں

م ست جا آ ہمکنار ہو ویں ——— دو آنکھیں چار تو ہیں دو دل بھی چار ہو ویں

ت ہی رستی میں عدم کی ——— موند کر آنکھ سبھی یار چلی جاتے ہیں

ے اسکی سوا یاد نہیں ——— تاب تسلیم نہیں قوت تعظیم نہیں

انہ نہیں کچھ اسمیں سیکا سچ ——— بجی خانہ کو سوچا تو وہاں سچ سچ ہی کہتی ہیں

ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں ——— یہ خلق ہے کہ پرے بیٹھے ہیں

عین تو ہوا ہے ناصح ——— ہم نہیں روٹھتے ارے بیٹھے ہیں

ت سے ہم اے خانہ خراب ——— گھر کے ہوتے نگھری بیٹھے ہیں

نہ ڈرے عشق سے یار ——— تو نہ ڈر ہم تو ڈرے بیٹھے ہیں

لہ دبا بیٹھے یار ——— پس الفت سے پرے بیٹھے ہیں

ہی کا دیوانہ ہوں ——— یاں تو پریوں کے پرے بیٹھے ہیں

رنگ سبز آنکھوں میں آنسو احسان

ہم ہرے اور بھرے بیٹھے ہیں

ہیں اب بھی یوسف کے غم میں نعرہ زن کیوں اپنی محفل میں
بلا کر مجھکو درد سر عزیزاں مول لیتے ہیں

کہاں باغ جناں ہم بے نصیباں مول لیتے ہیں
کہ نقد عمر دیکر جنس عصیاں مول لیتے ہیں

خدا محفوظ رکھے ان بتوں سے اے مسلمانان
وہ بے ایمان یہ ہیں جو کہ ایماں مول لیتے ہیں

شہید عشق ہم ہیں کیا کفن درکار ہے ہم کو
جو ناداں ہیں کفن بہر شہیداں مول لیتے ہیں

اگر بوسہ نہ دو تم نقد دل لیکر تعجب ہے
نہیں ہم مفت لیتے اے سری جاں مول لیتے ہیں

جنہوں کو چشم بینا ہے عوض اکسیر اعظم کے
غبار خاک کوے شاہ جیلاں مول لیتے ہیں

غبار کلفت دست جنوں بازار وحشت میں
گراں ہم بیچتے ہیں اور ارزاں مول لیتے ہیں

یہ دیبائے فلک زیبا اگرچہ ہو تو ہو لیکن
نہیں ہم مفت لینے کے مگر ہاں مول لیتے ہیں

غزل جو بھی سنی میری تو بولے وہ یہ خوش ہوکر
اگر بیچے کوئی دیوان احساں مول لیتے ہیں

بنا ہے قصر عمر اپنی ڈھے جاتی ہے یہاں ہر دم
قصور عقل سے ہم قصر و ایواں مول لیتے ہیں

بہار آئی خریدی سب نے ہے پوشاک نوروزی
جنوں سے ہم بھی اب چاک گریباں مول لیتے ہیں

ہمیں اس بوستان دہر میں ایک نام خوش بس ہے
یہ پاس خاطر بلبل گلستاں مول لیتے ہیں

کسی کے لعل لب پر لعل ہیں ہم کیا تصدق ہیں
اگر شاہ بدخشاں دے بدخشاں مول لیتے ہیں

ہمارے لعل لخت دل نہ لیوے گا وہ یا قسمت
یہ مرجانے کی باتیں ہیں وہ مرجاں مول لیتے ہیں

اگرچہ دل جگر اپنا ہے اس پر بھی نہیں ظاہر
ہم اس پردہ نشیں کا عشق پنہاں مول لیتے ہیں

نگہہ دزدیدہ اسکی لئے ہیں نقد جاں کو دیکر
کہ جیسے جنس دزدی لوگ ارزاں مول لیتے ہیں

جگر کو دل کو مژدہ دے تو اے پیک اجل جاکر
کہ ہر سینہ احساں وہ پیکاں مول لیتے ہیں

جب چھری پھیری غریبوں پر تو کیا نواب ہو   ہم تو منہ پر یہ کہیں گے تم بھی ایک قصاب ہو

ہم سمجھتے پشم ہیں سن رکھو تم اے منعمو!   گر کہیں عرشی سمور و قاقم و سنجاب ہو

ہم ہوا خواہوں پہ کب گرمِ غضب ہو شعلہ خو   خاکساری اپنی وہ ہے جس سے آتش آب ہو

اہلِ غفلت حسرت و افسوس سے کہتے ہیں یہ   جب بہت سے بخت جاگیں پاس تب کمخواب ہو

جو دلِ بیدار رکھتے ہیں دعا ان کی ہے یہ   کاش کے ہم کو عوض کمخواب کی کمخواب ہو

ناف کھل جاوے تری کیا ہیں گر اے بحرِ حسن   پانی پانی دیکھ کر اس کو وہیں گرداب ہو

تابہ سوزاں غم پر تابیک مدت رہا   دل کو اے آہ جگر تاب آہ کیونکر تاب ہو

شدتِ گرمی سے گر ہر دم نہ توسیں کیا کریں   جب زباں اپنی نکالی بام سے میزاب ہو

ختم ہونے پر رہوں میں اب تم گلِ خطمی لکھو   اے طبیبو کیا مفید اس وقت میں عناب ہو

بات جو لکھی ہے پیشانی میں دپیش آتی ہے وہ   تجھے پیشِ نظر ہر سطر اسطرلاب ہو

میں یہ کہتا ہوں نہیں تجھکو رہِ الفت میں تو   رستم و افراسیاب و بیژن و سہراب ہو

بیدل و بیتاب و بے آرام و بیخود و بے خبر   بے سر و بے صبر و بے جاں بیخود و بیخواب ہو

گوہرِ بے آب احساں یہ تری اشعار ہیں
ایک غزل پڑھ اور جس میں کچھ تو آب و تاب ہو

اس قدر رو چشمِ گریاں تا مرے گرداب ہو   حباب آسا گریباں حلقۂ گرداب ہو

طالعِ خوابیدہ اب تو جاگ ہونے دے مجھے   خوبرو شاید کہ مجھ سے خواب میں ہم خواب ہو

اختلاطِ عشق جاں سوزِ بتاں میں کس طرح   اختیاط اضطرابِ خاطرِ بیتاب ہو

خارِ خارِ غم سے یا مر جاؤں میں اک دن کہیں
یا مرے سینے سے لپٹا وہ گُلِ شاداب ہو

تو اگر مسجد میں آوے اے صنم نامِ خدا
دیکھ کر ابرو کو تیرے پشتِ خم محراب ہو

چاندنی میں چاند سا مکھڑا جو کھل جاوے ترا
کس طرح مہتاب کو اس وقت اے مہتاب ہو

تاب کس کو ہے جو پھر بہرِ تقابل آ سکے
گرم آہ گرم جب اپنا دلِ بیتاب ہو

خاک کو میں چاٹ کر کہتا ہوں اے بادِ سموم
تُو تو کیا ہے آتشِ دوزخ کا زہرآب ہو

کیا نمودِ خط سے خطرہ کیوں مکدّر تو ہوا
اے الف قامت وہ مصحف کیا جو بے اعراب ہو

التیامِ زخمِ دل سے ہے درِ بہبود بند
رحم اے تیغِ نگہ ہاں کچھ تو فتح الباب ہو

چشم و دل جان جگر میں بحرِ الفت ہیں یہ پانچ
ان پہ زلف و خال و خط ہر یک تسلطیاب ہو

صد ہزار افسوس ہے یا پنجتن آٹھوں پہر
پنجۂ کفار میں یوں کشورِ پنجاب ہو

بزم وہ برہم نہ ہو تا حشر احساںؔ جس جگہ
بحثِ زلفِ پریشاں مجمعِ احباب ہو

پٹا ہے روگ کفر کا یارب زمین کو
بھیج اب زمیں پہ عیسیٰ گردوں نشین کو

ہم ہیں وہ عشق پیشہ کہ رویا ہی کیجئے
رویا میں بھی جو دیکھئے روئے حسین کو

گر اس طرح سے خاک بسر ہم رہے مدام
پہنچا ہی آسمان پہ جانوں زمین کو

گرچہ جواں ہوں ایک وہ ہوں پیرِ راہِ عشق
ہے عشق میرے اس دلِ محنت قرین کو

کہتی ہے دست بستہ مجھے آ کے روحِ قیس
کیا حکم ہے مریدِ عقیدت گزین کو

چھوڑو خیالِ زلفِ بتاں تم نہ شیخ جی
یکبار دو نہ ہاتھ سے حبل المتین کو

پوچھے نفا کون کل ہی کو بھنکتی تھیں مکھیاں
اب تیرے لب سے شان ہوئی انگبین کو

یہ آہ جو فلک سے گذرتی تھی جان من — یہ آہ جس سے ڈر ہے کہیں وہ ہمیں کو
کیا تو نے اس پہ سحر کیا دل تو یکطرف — کرتی نہیں اثر تری گرتی ہمیں کو

اک مطلع بلند سے احساں یہ جی میں ہے
پہنچا دوں آسمان پہ میں اس زمین کو

دکھلا دو نقش پائے رسول امین کو — تا مشق سجدہ ہو مرے لوح جبین کو
اے آہ دل جو جاوے تو عرش بریں کو — کہیو سلام میرا گردوں نشین کو
بل بے شرار اشک کی گرمی کہ اب تلک — اک آگ لگ رہی ہے مری آستین کو
تھا میں کمین بوسہ میں بولے اسی لئے — اشراف منہ لگاتے نہیں ہیں کمین کو
جب میں ہنسوں گا آپ سے رو دیجئے گا نہ — پھر تم بہت ہو چھیڑتے اس کمترین کو
کہتی ہو کیا رقیب کو بھیجوں تبا صلاح — لعنت ہی بھیجئے گا یزید لعین کو
دیکھوں ہوں گر الف کو تو اے دل ہزار بار — کرتا ہوں یاد تیری قد دلنشین کو
آوے نظر جو لام تو آوے خیال زلف — جب سین پڑھ کے دیکھوں ہوں دندان سین کو
کرتا ہوں تیری الفت دنداں میں سین سین — یہاں تک کہ پہنچتا ہوں میں دم واپسین کو

تبدیل بحر سے وہ غزل پڑھ بآب و تاب
احسان خوشی ہو جس سے دل سامعین کو

خط بندگی دوں جو اس حصم دیں کو — خطا ہی کروں کیا یہ خط جبیں کو
تصور سے گھر بیٹھے ہم چومتے ہیں — تری آستاں کو تری آستیں کو
پس ناقہ آ ملا ہے اک شخص گریاں — یہ محمل ساکھ دیکھو محمل نشیں کو
ہمارا جگر اس ہنسی نے جلایا — الٰہی لگی آگ تیری ہنسی کو

تحمل بس اے نالہ کب تک رکھیں ہم
تزلزل میں سکان چرخ بریں کو

بظاہر مری زہر ہی اب دوا ہے
کہاں زہرہ دیکھوں جو زہرہ جبیں کو

سنا ہوگا احوال فرعون تم نے
ڈبوتا ہے آخر غرور آدمیں کو

وہ چھپتی نہیں سو جوں جوں قلق دل میں ظاہر
جو دیکھوں تسلی ہو جانِ حزیں کو

مگر پردہ ہے اس میں ہے پردہ پوشی
یہ بے پردہ کہہ دیجو پردہ نشیں کو

ہوئی صبح پس رو کے اے چشم گریاں
مری جان دھو ڈال روئے زمیں کو

تری جاتے ہی تفرقہ پڑ گیا یاں
گیا دل کہیں کو گئی جاں کہیں کو

ترے ناتواں کے وہ نالے ہیں ظالم
سدا جس سے دہشت ہے چرخ بریں کو

اگرچہ نہیں مجھ میں ہلنے کی طاقت
کہے تو ہلا دوں زمان و زمیں کو

تری شامت اے شام ہجراں کہ چھیڑا
دل مضطرب جان اندوہگیں کو

وہ کھچتا ہے لیکن کروں کیا کہ یہ دل
لئے مجکو جاتا ہے کھینچی وہیں کو

نہ کھانے کے اور روز رونیکے میری
خبر دی کسی نے جو اس نازنیں کو

ہوئی دل میں اپنے پریشاں نہایت
بہم جمع کر اپنے دست و جبیں کو

یہ سوچے پکڑ ہو نہ محشر میں مجھکو
یہ بولے پکڑ کر مری آستیں کو

اگر اب نہ کھاوے تو تو ہمکو کھاوے
اگر پھر تو رووے تو رو دے ہمیں کو

تجھے دیکھ کہتا ہوں اے جان احساں
ہزار آفریں میری جان آفریں کو

دو بھی بوسے مجھے اک ماہ میں اے ماہ نہ دو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

خوش ادا اور تو کیا تم سے توقع افسوس
اک گالی بھی مجھے آن کے تم آہ نہ دو

بے مزہ ہو کے جو بوسے بھی دئے کیا ہے مزا
دو تو اک راہ محبت سے یا کسر اہ نہ دو

یاد چشم بت مغرور دلاتی ہے مجھے
دوستو تم گل نرگس مجھے للّٰلہ نہ دو

ایک خجلت سی ہے خجلت مجھے عشاق میں آہ
کہ سرانجام ہوی نالہ دل خواہ نہ دو

ایک بھی بوسہ نہ دو کہو بہر ناز سے تم
ہم تو اک بوسہ تجھی دیوینگی اے واہ نہ دو

در کیا بند تو دیوار سی آیا احساں
ایسی ہی راہ کو گھر اپنے میں تم راہ نہ دو

گر نہ ہو اتنی زباں شمع کو تعذیر نہ ہو
سر بھی شرطی رہی گلگیر گلوگیر نہ ہو

جان کر جاں کو میں نی ہی کیا تجھ پہ نثار
نہ مری جان مری واسطی دلگیر نہ ہو

جو نہ قائل ہو ترا اور ہو تجھ سی منکر
دین و دنیا میں الٰہی اسی توقیر نہ ہو

آہ اس آہ کی ہاتھوں سی ہوں میں نالہ کناں
آہ کیا کیجئے گر آہ میں تاثیر نہ ہو

تیری گردن پہ مری دل کا مری جاں ہی خون
نہیں ممکن کہ گلی میں تری زنجیر نہ ہو

یہ مقرر کہ تجھی خاطر اغیار ہی یار
پر مری روبرو اس طرح کی توقیر نہ ہو

تیری حیرت زدہ کو نیند نہ اوی ہرگز
جب تلک سینہ سی چسپاں تیری تصویر نہ ہو

مجھ سے برگشتہ ہوا آہ وہ برگشتہ
ایسی برگشتہ کسی شخص کی تقدیر نہ ہو

نالۂ رعد سی گھبرا کی یہ شب کو بولا
کہیں احسان کا یہ نالۂ شب گیر نہ ہو

ہو کی شاگرد لکھا خط میں ہی بھائی مجھکو
قیس گستاخ کی یہ بات نہ بھائی مجھکو

ہای چلون سی جھلک کیا ہی دکھائی مجھکو
آگ اس دست حنائی نی لگائی مجھکو

کھول تو کان کہ رکھے جو یہ بنا
خوش نہیں آتی ہی یہ ہرزہ سرائی مجھکو

ہاتھ دھو رکھو تم اے اہل جنوں مجھ سی کہ اب
نہیں ہی ہات سر آبلہ پائی مجھکو

بال پھر کھولی ہیں اس بت نی خدا خیر کرے
ایک اندھیر سا دیتا ہی دکھائی مجھکو

یہ جدا جان کو ہر روز کا اک روگ لگا
پھر نظر آئی وہی شام جدائی مجھکو

سر اگر جاوی سر مو نہ کہوں سر اس کا
اپنی سر کی ہی قسم اس نی دلائی مجھکو

اس کو کہتا ہوں کہ دی بوسہ زہی عقل و شعور
نام سی دینی کی جو دی نہ رکھائی مجھکو

اصل آفات محبت تھی فقط دید بتاں
میری آنکھوں نی یہ اصلاح سکھائی مجھکو

در سی اس بت کی نہ سر کو لگا میں اک دم
اس میں گو کچھ ہی کہی ساری خدائی مجھکو

درۃ التاج شہاں فخر زماں ایزد بخش
فخر ہی فخر تری مدح سرائی مجھکو

جس گھڑی ہووی گہر ریز ترا دست کرم
ہاتھ پھیلا کی کہی حاتم طائی مجھکو

ہی یہی دولت عظمی کہ سدا رہوی نصیب
در دولت کی تری ناصیہ سائی مجھکو

غزل تازہ کہ ہی مرہم ناسور کہن
اور اس طرح کی احسان نی سنائی مجھکو

خواب میں کس نی یہ صورت تھی دکھائی مجھکو
کہی صورت سی جو پھر نیند نہ آئی مجھکو

کہی آواز کی سننی کو نہیں جی اپنا
اپنی آواز یہ کس نی تھی سنائی مجھکو

میں سمجھتا ہی نہیں می بھی ہی کچھ شی ساقی
می یہ کس کی لب میگوں نی پلائی مجھکو

ہم دمو! فاتحہ خیر مری پڑھ رکھیو
عشق نی سورۂ اخلاص پڑھائی مجھکو

ق

صرف اوقات کروں صرف میں تنہا آٹھ پہر
پنجۂ عشق سی جب ہووی رہائی مجھکو

ہی ابھی تجھو سی جو آب سرشک آتش دل
خاک پھر یاد رہی صرف ہوائی مجھکو

صورت و صوت و رہ خانہ کبھو تو نی صنم
نہ دکھائی نہ سنائی نہ بتائی مجھکو

آواز

گر ہی تیری رسائی ہی بس ای آہ رسا
ہو چکی زلف رسا تک تو رسائی مجھکو

الم عشق سی اگی ہی نہ تھا چین مجھی
اب ستاتی ہی جدا تیری جدائی مجھکو

ق
نی سبب دن کو نہیں اوڑھ کی وہ رشک قمر
اوڑھی بسمی کی دکھاتا ہی رضائی مجھکو

سب کو تاروں کی یہ کھٹکتی ہی وہ آویگا غرض
دی مدد اپنی ستاروں کی دکھائی مجھکو

دل بیمار تو جی میں ہی مروں تیری حضور
تو جئی یار اور آئی تری

رات سی کہتی ہیں برہم ہیں وہ زلفیں مجھ پر
مار ڈالیگی کسی دن یہ ...... ادائی مجھکو

اس خرابات میں ای بادہ کشاں ہوئی نصیب
خوشۂ تاک تھیں آبلہ پائی مجھکو

آج تک گل سی نہ ایکدم تھی مجھی کل احساں
وہ کلائی نظر آئی تو کل آئی مجھکو

سر بسر چاک ہوا سینہ ہی میرا اب تو
بس کرائی دست جنوں پاؤں یہ پھیلا اتو

کونی جاتا ہوں تو ہر چند کہی جا اتو
ل گیا تو ہی نصیبوں سی اکیلا اتو

چشم تر سوز جگر آہ سحر نالۂ شب
تیری دولت سی ہی ہر چیز مہیا اتو

دیکھ جھمکی کو تری کان میں ای رشک قمر
اپنی نظروں میں ہی بی رتبہ ثریا ...... مجکو

دل عشاق کو لٹکائی رکھی ہی ہر شب
زور سیکھا ہے تری زلف نی لٹکا اتو

تو ہی اس بحر محبت میں ہی ای عشق رفیق
آشناؤں نی کیا مجسی کنارا اتو

دیکھ کر شکل کو ناصح کی یہ ہر اک بولا
نہیں مشکل ہی یہ کچھ اشبات ہیولا اتو

تیری بیمار کو ممکن نہیں تو بھی ہو شفا
لاویں تشریف جو خود حضرت عیسیٰ اتو

ابر بھی جس کی خجالت سی ہی پانی پانی
چشمۂ چشم سی اسنڈا ہی یہ دریا اتو

یہ تو حالت تری اس جیب سی ہی پہنچی احساں
کیا گذرتی ہی تری دل پہ تو بتلا اتو

بس اب ذکر جانے کا یہاں مت نکالو — مری جاں ای مری جان مت نکالو
نہیں تو نہیں ہاں تمھیں بھی قسم ہی — نہیں کی سوا منہ سی ہاں مت نکالو
خدا سی ڈرو چینی دو ظلم چھوڑو — ستیں دل سی ایسی بتاں مت نکالو
اشاروں کا یہ وقت ای ماہرو ہی — مجھی شہر سی مہرباں مت نکالو
یہ سن سن کی جی سن سناتا ہی سن تو — مری سینہ سی وہ سناں مت نکالو
لگاؤ نہ قلیان کو منہ سی ہر دم — جگر سی مری تم دھواں مت نکالو
مری گرمی آہ سی ناصحاں تم — بساں سک اپنی زباں مت نکالو
نہیں کیا دل چاک شانی کی قابل — عبث شاخ شانی یہ ہاں مت نکالو
مجھی مار ڈالو پر اس زلف کا ذکر — مری روبرو ناگہاں مت نکالو
نکالو مری جان تن سی ولیکن — مجھی میکدہ سی مغاں مت نکالو

پھر آخر وہ شاعر ہی احساں کی حق میں
زباں سی زبوں مضمداں مت نکالو

جیوں میں کیوں کہ خفا مجھ سی آہ جب تم ہو — کہ میری زیست کی ای جان من سبب تم ہو
اگرچہ آئینہ رو ہو پہ سنگدل بھی ہو صاف — نہ میں کہوں ہوں کہ مشہور نا طلب تم ہو
نہ بی سبب ہی یہ رونا سبب کہوں کیا میں — سبب یہی ہی کہ رنجیدہ بی سبب تم ہو
نہ جوں گماں ہی کشاکش کا ہم پی در پی — کہ مہرباں شہ آفاق مجھ پہ اب تم ہو
تمھاری نام کے قربان یا رسول اللہ — شہنشہ عجم و خسرو عرب تم ہو
اگرچہ دور ہو نزدیک بھی ہو یوں گویا — کہ مری روبرو آنکھوں کی روز و شب تم ہو
ق
سنا جو نالہ کہیں گھر سی آن کر باہر...... — یہ عاشقوں سی کہا دفع یہاں سی سب تم ہو
کہا جو میں نے خطا کس کی ہی تو کہنی لگا — کوئی نہیں ہی مگر ایسی بی ادب تم ہو
ہزار ہا غنیں کھینچی ہیں سرو سر بفلک — زیادہ تو بھی کہوں گا کہ اک وجب تم ہو

بھلا میں نزع میں ہوں یا کہ جاں بلب تم ہو

گر دم ہی نکل جای تو اس دکھ سی بھلا ہو — بیمار کو بہتر ہی جو موقوف ہوا ہو

انسان کا گزر کوچی میں اس شوخ کی کیا ہو — جو کہوی صبا سی بھی کہ چل پیاں سی ہوا ہو

منہ پر نہ گلا ہو وی تو غیبت وہ گلا ہی — ہی لطف گلہ جب کہ گلی سی.... تو لگا ہو

رہوی یہ ترا سایۂ دیوار سلامت — کس واسطی کیوں سر پہ مری ظلِ ہما ہو

میں کھول کی کہتا ہوں کھلی جب دل عاشق — جوڑا تو وہی جوڑا دھواں دھار بندھا ہو

بیتابی دل دیکھ کی پوچھوں ہو ہر اک سی — کہدو جو کبھو اس سی میرا ذکر سنا ہو

پھر زیست کی کیوں کر بجھی آہ یہ توقع — ظاہر ہی کہ جب تو ہی مری جان خفا ہو

سو مرتبہ گرد اس کی بجھی آہ پھرا ؤ — جو کوئی کہ اس کوچہ میں یکبار پھرا ہو

جب میں نے کہا چاہتا ہوں میں تجھی واللہ — بولا وہ صنم تم بجھی للہ نہ چاہا ہو

جنت کا یہ سب ذکر فراموش ہو واعظ — گر حضرت من آپ کا دوزخ نہ بھرا ہو

ای آئینہ رو خاک ہوا ہے زیست کی صورت — اس شکل سی تو بجھی جو بر عکس ہوا ہو

کچھ سانس رکا آتی ہی رہ رد کی یہ ڈر ہی — قاصد نہ کہیں راہ میں کمبخت روکا ہو

کچھ شعر پہ میری ہی نہ چشمک ہیں ہزار ول — طعن اس پہ ہی گو بلبل نی کہا ہو

دنیا میں نہ کس طرح سے مغرور رہوں احمق — ہاں ان کی ہی جب شان میں لولا الحمقا ہو

ہی تربیت بیہودہ گویاں بجھی منظور — واللہ اگر مجکو کبھو عزم ہجا ہو

گر میری غزل میں ہو خطا کہدو عدو ی — جو منہ پہ نکھو ی تو وہ مادر بخطا ہو

ہی کس طرف اس وقت مزاج آپکا انشاؔ

ارشاد ہو مطلع جو کوئی اور کہا ہو

کب فرطِ خوشی سی وہ رکھی پاؤں ہیں پر
قاتل تری فتراک ہیں جو صید بندھا ہو

ہر بند سی نکلی گی صدا بندہ ہوں تیرا
بندی کا اگر بند سی اب بند جدا ہو

دل شل کتاں کیوں کہ نہ ٹکڑی ہو نکہ جبینیں
اک چاند کا ٹکڑا مری سینہ سی لگا ہو

تو چاہی تو صحت ہو یہ بیمار کو تیری
میں جانوں اگر حضرتِ عیسیٰ سی شفا ہو

آئینہ بآئین دگر دیکھی ہی تمکو
ای قبلہ تمہیں قبلۂ اربابِ صفا ہو

خط غیر کو لکھی نہ لکھی مجکو وہ نو خط
کیا لکھی جو یوں ہی میری قسمت میں لکھا ہو

دوزخ بھی لگا آتی تری طوف کی خاطر
ای آتشِ دل رتبہ ترا اس سی سوا ہو

کب آئینہ ماہ سے دل اپنا ہو روشن
آئینہ کو آئینہ سی کس طرح جلا ہو

مژگان تری نشتر ہیں رگِ خواب کی خاطر
ہمخواب تیرا چاہیئی بے خواب سدا ہو

انصاف یہی ہی تری درگاہ میں ای عشق
اک میرا جگر طعمۂ صد برقِ بلا ہو

جی اٹھا ہی جاتا ہی یہ کیا شور ہی اٹھا
اغلب کہ جنازہ تری کشتہ کا اٹھا ہو

ق

عالم تہ و بالا ہو لبِ بام پہ گاہی
خورشید لقا میرا اگر آن کھڑا ہو

کہوں کہ سوا نیزہ پہ خورشید ہی آیا
اَلعَظمَۃُ لِلّٰہ عجب حشر بپا ہو

میں کون کیا چیز ہوں یا شاہ تمہارا
جبرئیل سزاوار ہی گر مدح سرا ہو

ہی حکمِ خدا سی وہ ترا حکم کہ دو ہیں
پھر جاوی تری حکم سی گر حکمِ خدا ہو

حل کیجئی مرا عقدہ عنایات سی اپنی
شاہ دو سرا شیر خدا عقدہ کشا ہو

جب زلف کو میں چھیڑوں یہ کہتا ہی کہ اعشاؔں
تو اپنی خبر لی تجھی سودا نہ ہوا ہو

نمک داغِ جگر پر خوشنما ہی کس قدر دیکھو
ای شام و سحر کو عاشقو شام و سحر دیکھو

نہیں چرخ مقوس سی ہی حاصل بجز ضرر دیکھو   بجز پیکان کیا شاخ کماں کا ہی ثمر دیکھو
فلک بھی مستعد جنگ ہی شام و سحر دیکھو   ہلال و مہر سی رکھتا ہی یہ تیغ و سپر دیکھو
نکلتی آگ کے شعلہ ہیں دل سی سر بسر دیکھو   اگر باور نہیں سینہ پہ میری ہاتھ دھر دیکھو
نہ ہی سر رشتۂ وحدت و صورت کہ اک ہمنے نکالا ہی خراب   بساں تار سبحہ سو گریباں سی ہی سر دیکھو

چراغ افروز مہر و قبلۂ آتش پرستاں ہوں   گری ہی کس طرح سی برق میری پاؤں پر دیکھو
شل ہی تاؤ کس نی ہی ڈبوئی خضر نی یارو   یہ دل ناچار رکھی ہی مجھی آٹھوں پہر دیکھو
نگیں جب یہ جرب ہوتا ہی نہیں بیٹھی ہی نقش اسکا   جو تن پرور نہ ہوگی پھر نہ ہوگی نامور دیکھو

دل و جاں و جگر آؤ نہ آؤ روبرو اس کی   وہاں جاؤ جہاں میں تم جہاں اپنا مقر دیکھو
ارادہ اوسکی کوچے کی ہی طفل اشک اپنا   بساط اسکی تو دیکھو اور یہ عزم سفر دیکھو
غلام کمترین کس کا ہوں دیکھو ای ملائک تم   گنہ میری نہ دیکھو جانب خیر البشر دیکھو
لگایا خاک مردم نی ہی سرمہ اپنی آنکھوں میں   نہیں یہ خاک ہی خاک سیہ سی بھی بتر دیکھو
بغیر اس چشم کی ہرگز نہ سمجھو سرمہ ای مردم   پڑی آنکھوں پہ پتھر چشم غور کر دیکھو
کہیں در نجف کی موسی شانہ محمد ہی یہاں الجھا   کشاکش میں نہیں پڑتی کبھی عالی گہر دیکھو

سنو احساں کا مقطع مطلع ہو حال سی میری
ادھر بھی مہربانی سی خدا رشک قمر دیکھو

سر پر خاک و آہ گرم و اشک چشم تر دیکھو   لگن میں کس کی ہیں جوں شمع جلتا ہوں ادھر دیکھو
مجھی اپنی نظر سی کیوں گرایا اسکی آنکھوں نی   لگی کس کی نظر مجکو تم ای اہل نظر دیکھو
لگاؤ آپ اپنی ہاتھ سی صندل تم اس سر کو   ہماری درد سر کا سر اگر سمجھو اگر دیکھو
قیامت میں ہی کیا باقی کہ نکلا مہر قبلہ سی   ہوا اس طاق ابرو پہ ہی ٹیکا جلوہ گر دیکھو

قضا آوے تو آنکھوں پھیر کی پھوٹی صیغوں نے
قضانی ہی کیا ناچار مجکو اس قدر دیکھو

سدا آنکھوں میں پھرتا ہی خیال خط سبز اس کا
مری قسمت سی گھر بیٹھی ملی مجکو خضر دیکھو

کسی سلک در دنداں کی غم میں یہ جو روتا ہوں
رگ مژگاں اشک آلود ہی تار گہر دیکھو

مری صندوق کی تختی بنانا بید مجنوں کی
وصیت یہ ہی گر حالت مری نوع دگر دیکھو

اگر احسان دل اپنا دیا تو لی مجھے مبارک ہی
کسی سے کیا تمہیں حضرت سلامت اپنا گھر دیکھو

غزل

کس سے احوال کہوں اپنا میں اے یار کہ تو
مل کے اغیار سے مجھ سے ہے بیزار کہ تو

نہ میری بات کو پوچھے ہے نہ دیکھے ہے ادھر
ایک دن یہ نہ کیا عاشق بیمار کہ تو

کس طرح سے ہے بتا حال دل غمیں کچھ تو
کیوں مرے غم سے ہے اس طرح سے سرشار کہ تو

روز با دیدۂ تر خاک بسر پھرتا ہے
نہ رہا شہر میں اک کوچہ و بازار کہ تو

وہاں میں جا کے جتاتا ہے یہ عیبت اپنی
آج تک کل میں دل کو تیرے زنہار کہ تو

سخت بیکل ہے لگل کوچۂ غم سے اب تو
اس قدر رکب ہے اذیت کا سزاوار کہ تو

یوں ہی فریاد کناں نعرہ زناں خاک بسر ہے
اک شب آئیو میرے پس دیوار کہ تو

چاہ میں تیری ہی ڈوبا ہے کنوئیں میں غم کے
جوں زلیخا میں یوسف کا طلبگار کہ تو

میرا احسان ہے میرا عاشق صادق ہے صنم
جبکہ یہ بھی نہ ہو میں پڑھوں اشعار کہ تو

غزل

درد دل میں ہوں کہ سن اے یار ستم گار کہ تو
تو ہوا چور تو پھر میں ہوں گنہگار کہ تو

تو وفادار ہے اے یار جفاکار کہ تو
میں وفادار ہوں اے یار جفاکار کہ تو

جام مے کس کے یہاں ہاتھ میں رہتا ہے مدام
میں بھلا دختر رز سے ہوں گرفتار کہ تو

تم ہو بدعہد نہ میں، میں ہوں وفادار کہ تم
میں یہ کہتا ہوں کہ تم تم کہو ہر بار کہ تو

مجھکو یوں خوں میں ڈبو کر یہ کہے ہے قاتل
میں بنا آج بھلا غیرت گلزار کہ تو

زخم دل پر میرے کل نون چھڑک کر بولے
آج میں ہوں نمکین اور مزے دار کہ تو

اس سے پوچھوں شب وصل میں میں چھیڑ کے یہ
منہ سے اپنے بھی تو کہہ میں ہوں ملنسار کہ تو

مہر تاباں سے یہ ہر سال ہے مرا داغ جگر
میں ہوں تابندہ تر اے مہر پر انوار کہ تو

مجھکو کہتا ہوں کہ اے برق چمک کر پھر آ
دیکھوں افضل ہے میری آہ شرربار کہ تو

اور یاری کا مزہ لوٹ دلا ایک نہ بن
تیس دن آٹھ پہر یار رہے ناچار کہ تو

کوہ غم دل پہ میرے دوش پہ تیشہ تیرے
کوہکن تو ہی بتا میں ہوں گراں بار کہ تو

شب کو آ کر وہ گلے سے یہ چمٹ کر بولے
تجھ سے پوچھوں ہوں کہ اب میں ہوں وفادار کہ تو

اس سے پوچھے ہے جو احسان وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

چھیڑوں توڑی کو تو نکتوڑ سے بجا جانتے ہو
کھینچوں زنجیر تو بس غل ہی مچا جانتے ہو

گوٹ محرم کی دکھا ان میں یہ پانسا پھینکا
نقد دل جیت لیا زور جوا جانتے ہو

ایک چھلا بھی نہ دو اپنی نشانی صد حیف
سرو قامت مجھے بالا ہی بتا جانتے ہو

کی بات نہیں جانتے دانا ہو اگر
نیلی چھتری یہ فقط سیر منا جانتے ہو

لہ۔ یہ غزل (ب) نسخہ "د" میں ہے۔

خط مرا لائے کبوتر تو اڑا دو اس کو
ابھی لڑکے ہو کبوتر ہی اڑا جانتے ہو

تم یہ کہتے ہو کہ اب تک نہیں ہم جانتے کچھ
کچھ اگر کہیئے تو سینہ کو چھپا جانتے ہو

جالی انگیا کی ہے وہ جال کہ شہباز پھنسے
لیک صد حیف کہ چڑیا ہی پھنسا جانتے ہو

میری خواہاں ہو جو خواہندہ نہیں ہے کوئی
میری خاطر ہے کسے میرے سوا جانتی ہو

چمن دہر میں جب   کا طوطی بولے
پھر تو طوطی کی طرح آنکھ پھرا جانتے ہو

آگ ہیں اشک میرے آہ نہ سمجھو سمجھو
خاک سمجھو ہو کہ آہوں کو ہوا جانتے ہو

خط جو لکھنے ہو تو لکھتے ہو نصیحت ناصح
یہ بھی لکھو میرے لکھے کو مٹا جانتے ہو

غزل

اس سیاہ بخت کے تم حال کو کیا جانتے ہو
سرمہ آنکھوں میں مسی لب پہ لگا جانتے ہو

لب شیریں پہ خط سبز دکھا جانتی ہو
شہد میں گھول کے تم زہر پلا جانتے ہو

آتش دل کو بھی اے جان بجھا جانتے ہو
یاں نقط پان چبا آگ لگا جانتے ہو

روٹھتے مجھ سے ہو اور مجھکو روٹھا جانتے ہو
نہ مناتی ہو تم عیش منا جانتے ہو

دل مرحوم کی محروم ملاقات سے ہوں
جو گذرتی ہے میرے دل پہ وہ کیا جانتے ہو

سفر ملک عدم سے وہ پھرا پیرا جو ان
پیر زادو کوئی ایسی بھی دوا جانتے ہو

فرط الفت سے یہ فرمایا ظفر سے احسان
ہم تمھیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو

عرض کی میں نے کہ میں ذرہ ہوں تم ہو خورشید
فخر ذرہ ہے کہ ذرہ کو ذرہ جانتے ہو

اور یہ اور عنایت ہے گدا پر اپنے
گرچہ استاد ہوں شاگرد شہا جانتے ہو

قطعہ

ابوظفر بن اکبر بن شہ عالم … عروس عیش ہمیشہ تیرے کنار میں ہو

یہ حکم حق ہی نہ اٹھا لے فلک عدو تیرا … سی مہینے میں پیدا نہ ہو مدار میں ہو

کہاں نصیب میں لے زاہد ریائی کے … وہ کیفیت کہ جو رند بادہ خوار میں ہو

ہوا ہوں ہاتھ میں دل کے اسطرح مجبور … کروں میں ذبح اگر میرے اختیار میں ہو

وہی ہوں عاشق بیدی کے کچھ کہیے … جس کی جان میری جان کے دوانار میں ہو

گلوئے تشنہ عاشق نہ آب کو پہونچے … بیان جوہر اگر تیغ آبدار میں ہو

قطعہ بہ حاشیہ

وہ آہ کھینچ وہ نالہ کر اے دل نالاں … کہ کھلبلی سی رقیبان نابکار میں ہو

نہ برق میں وہ چمک ہو نہ رعد میں وہ کڑک … نہ وہ غریو سحاب تگرگ بار میں ہو

قطعہ

سنا ہے قیس نے مذکور حشمت جمشید … کہ خوش نصیب نہ ایسا کسی دیار میں ہو

کیا کہ تیس شتربان ناقہ لیلیٰ … کسی شمار میں اور کس قطار میں ہو

کہا یہ میں نے سر قبر دست وہ احساں … کہ بولتے نہیں تم کیوں اگر مزار میں ہو

کمال شور محبت دل فگار میں ہو … چھپے نہ چہچہ بلبل اگر ہزار میں ہو

ستم تو یہ ہے کہ وہ کام جان کنار میں ہو … پھر اوس پہ کشتی دل غرق منجدھار میں ہو

تصور سر گیسوئے عنبریں ہے مجھے … میں کہ خوشبو میرے مزار میں ہو

یہ چشم زاد دل زار داغ اپنا ہے … کا جسطرح لالہ زار میں ہو

فرد

یہ بیماری میں قدرت ہے کسی کی چشم جادو کو … پیا پی کان تک کھینچا کسی کی لخت ابرو کو

نزور سی نہیں خاطر میں ہم کو لاتی ہو   سلام لیتی ہو یا مکھیاں اڑاتی ہو

کہا تو کچھ نہیں مستقی محبت نی   یہ خوب سوجھی کہ پہلی ہی منہ سجاتی ہو

اگرچہ شاہ ہو خوباں میں چورہی ہو ولی

کہ میری پہلو میں آئی سی دل چراتی ہو

دل کو چرا کی عشق کا مجھ پہ رکھا گناہ   انصاف کیجئے میرا ہی یا آپ کا گناہ

حال دل حزیں جگر نفتگان پہ رحم   میں نے کہا تو آپ ہی کہنی لگا گناہ

جب تم سی بولتا ہوں برا مانتی ہو تم   کچھ جرم کچھ قصور بھلا کچھ خطا گناہ

بار غم بتاں سی نجات اب کی بار ہو   بار دگر نہ ہوگا یہ بار خدا گناہ

میں نی کہا کہ زلف میں دل کو اسیر کر   بولا کہ سر پہ لیوی یہ میری بلا گناہ

پایا رواج بخل نی ہی اب تو یاں تلک   سمجھی ہیں اس زمانہ میں جود و سخا گناہ

جنت میں مجکو اس کی گلی سی ہی لی چلی   کیا جانئی کہ مجھ سی ہوا آہ کیا گناہ

احسان پر گناہ کی فضل و کرم نی بخش

یارب بحق حضرت خیر الوری گناہ

سرزمین دراز زباں جانتا ہی وہ   یہ ہے عیاں کہ جو ہی نہاں جانتا ہی وہ

یہ گریہ کیا ہی رتبہ کہاں جانتا ہی وہ   کب قدر سیر آب رواں جانتا ہی وہ

بیچا ہی دل سی چیز کو اک تار زلف پر   اندھیر ہی کہ اس پہ..... گراں جانتا ہی وہ

پوچھی جو نام کہیو کہ بدنام نام ہی   یہ میرا نام نامہ بران جانتا ہی وہ

تیرا گدا جہاں میں ہی مری جاں جہاں میں   نام اپنا ننگ شاہ جہاں جانتا ہی وہ

منہ گالیوں پہ کھول دیا اور آپ کو   مانند غنچہ تنگ دہاں جانتا ہی وہ

جس کی نظر پڑی ہی یہ تیری بہار حسن   ای گل بہار خلد خزاں جانتا ہی وہ

ای گریہ تھم کہ گریۂ شادی کی بار ہی   جس غم سے تھا میں گریہ کناں جانتا ہی وہ

دل میرا جاں کسی ہی فدا تیری جور پر
ای جان یہ رنج راحت جان جانتا ہی وہ
ہوتی زبان بند ہی کچھ اس کی روبرو
شاید فسون عقد لساں جانتا ہی وہ

احسان ہی سینہ کوبی ہی آہیں ہیں اشک ہیں
ان کو ہی فوج وطبل ونشاں جانتا ہی وہ

جس طرح ابر سیہ میں برق کی ہووی چمک
زیب دیتی ہی مسی اس طرح رنگ پان کی ساتھ
جان میں ہی جان جبتک ہیں دکھ تیرا ہوں میں
یعنی تیرا عشق میری جان ہے میری جان کی ساتھ
یہ قیامت ہی کہ محشر میں رہوں اس سی جدا
حشر میں کیجیو یارب شہ جیلاں کی ساتھ
عشق میرا سر سری ای بالہوس مت جانیو
سر لگا رکھا ہے میں نی کوچہ جاناں کی ساتھ
زور تیرا ابر دریا بار مجھ پر کھل گیا
شرط کیا باندھی گا میری دیدۂ گریاں کی ساتھ
غم بھی آیا دل میں یوں لپٹا ہوا ہمراہ عشق
جس طرح کوئی طفیلی آئی ہی مہماں کی ساتھ
یاد ہی اس رخ کی مجکو مجھ سی نا محرم تو بحث
بحث ترک ادب ہی حافظ قرآں کی ساتھ
سر رکھا پاوں پہ لالا کر نہ مانی تو بھی بات
کیا کروں گلگشت گلشن ایسی نافرماں کی ساتھ
کب اٹھی تعظیم کو منعم ای تم سو کہو
سی دئی اس کی سرینہ ہیں مسندیواں کی ساتھ

وادیٔ وحشت میں مجنوں نی یہ گھبرا کر کہا
ساتھ دینا سخت ہی مشکل ہوا احساں کی ساتھ

کبھوی دو زخ اس میں جاؤں گر دل سوزاں کی ساتھ
جل گیا یارب نہ رکھیو تو مجھی احساں کی ساتھ
ربط آہ سرد یوں ہی دیدۂ گریاں کے ساتھ
جس طرح ہوتی ہیں اک ٹھنڈی ہوا باراں کی ساتھ
رنج دنیا فکر عقبی ترس حق عشق بتاں
سو طرح کی ہیں تفضائی لگ رہی انساں کی ساتھ
بس رفو چکر ہو بیہاں سی ملت رفو کا نام لی
اس گریباں کو تو ناصح عشق ہی داماں کی ساتھ
تیر تو نکلی گا پر ای چارہ سازو یہ کہو
کاش کی نکلی یہ مری جان بھی پیکاں کی ساتھ

کیا ہی جور و ی بچھاراآن کر بکری کی طرح   رات بکری پر تھی بگڑی شیخ جی میراں کی ساتھ

ای وفادشمن یہ تیری عشق میں ثابت ہوا   سر بسر جیکا زیاں ہی دوستی ناداں کی ساتھ

دیکھ یہ آہ شرر ابار شرارت سے نہ دیکھ
آنکھیں دکھتی ہیں دکھایا ہے ہمارے دل کو
اور تو ہم سے محبوں کو محبت سے نہ دیکھ
آنکھ تیری اور ہے دید پھری ہے ہم سے
کہہ دیا کس نے کہ تو عین عنایت سے نہ دیکھ
کس تے بہکایا اس خاک بسر کو اپنے
چشم الفت سے مروت سے فتوت سے نہ دیکھ
دیکھنا دختر از کو ہے بہ پیری زاہد
ایک مرشد ہے کہیں کعبہ کو رغبت سے نہ دیکھ
اس زمانے میں کہاں چین ہزاروں میں گر ایک
تجھکو حشمت سے نظر آوے تو حشمت سے نہ دیکھ
حاکم شہر بھی اب رشتہ تسبیح غلط
سو گراہ کام میں رکھتا ہے فراغت سے نہ دیکھ
دل عاشق تو ہے آہوے حرم سے ممتاز
ارے قصاب ستم پیشہ قسادت سے نہ دیکھ
کیا دکھائی نہیں دیتا ہے کنواں ہے اے دل
طرف چاہ ذقن دیکھ تو بہ حایت سے نہ دیکھ

وہ ہے حجام میں تو ان کو حماقت سے نہ دیکھ
جھانک کے بھاگ دلا دیکھ فراغت سے نہ دیکھ
منعما ہم سے فقیروں کو حقارت سے نہ دیکھ
عزت کونین میں ذلت سے نہ دیکھ
دیکھ اس لب کو دلا دیکھ خیانت سے نہ دیکھ
طرف شام نفس کے شامت سے نہ دیکھ
پھلجھڑی جان کے تو دیدہ رغبت سے نہ دیکھ

گیا تھا ہمراہ اوس کے میں کل گیا وہ گھر کو کیا بہانہ
دریغ یہ ہے دروغ گو کو میں پہنچا یا خانہ

موی سر کو نہ سوار شب یلدا پہونچی — اور نہ مجھو سر کو تری عقد ثریا پہونچی
سچ نہ ہو تو تیرا جھوٹا ہی پیام آ پہونچی — مجھی جینی کا بھلا کچھ کم نہ سہارا پہونچی
زندگی کیوں کہ ہو جب تیری طرف سی ظالم — نہ تسلی نہ تشفی نہ دلاسا پہونچی
نہ زمیں بلکہ فلک پر جو چھپو گی مجھ سی — وہاں بھی جا کہ یہ کہوں گا مرا ایجرا پہونچی
پہونچی ہی چشم یا بیمای دل اس کوچہ میں — جس جگہ جنس ہو دلال وہاں جا پہنچی
ق
غیر وہاں جای جہاں یار پہنچی تیرا چنگ — شیر کیوں کر نہ ہو جب اس کا یہ پایا پہنچی
زندگی ہو چکی اشراف کی ای بندہ نواز — سخت مشکل ہی جو پایا یہ رذالا پہنچی
یہ ستاتی سی مری مجکو ہی حاصل ظالم — مجھی موذی کی خلقت مجھی ایذا پہنچی

---

۱۲۵. نسخہ "ج" میں "حمام" اور نسخہ "د" میں حجام ہے۔
۱۲۶. یہ حرف نسخہ "ج" و "د" میں ہیں۔

کیا شکیندہ ہو عاشق کہ فریندہ ہی تو — تیری زیبندہ ہیں بازو تری زیبا پہنچی

دل میں رکھتا ہی وہ مہر علیؔ عالی قدر
کیوں نہ احسانؔ کو ہم مطلع اعلیٰ پہونچی

سر دوش شہ لولاک پہ جب جا پہنچی — پھر تو اون پاؤں کو کیوں کر ید بیضا پہنچی
لب جان بخش کا تیری جو سنا شہرہ وہیں — سوچ کر چرخ چہارم پہ مسیحا پہنچی
نکہت گل سی ہی شہر معطر..... آدھا — ہر مو کو نہ تیری عنبر سارا پہنچی
کیوں نہ آشفتہ ہوں شانہ تو بلائیں لی آہ — دست اپنا نہ سر زلف چلیپا پہنچی
میں وہ تشنہ ہوں کہ یک قطرہ پچھوڑوں ساقی — جوں لب جام جو لب تک لب دریا پہنچی
جذبۂ عشق ہی کیا جائے تعجب یوسف — تیری دامن کو اگر دست زلیخا پہنچی
سر بجیب اب جو ہوں ہی سیر جہاں مجکو نصیب — اس گریباں کو کہاں دامن صحرا پہنچی
کیفیت زیست کی ای محتسب شہر ہی کیا — دست جب تک نہ سر گردن مینا پہنچی
خار ہای مژہ سی کیجو ضیافت مجنوں — تیری صحرا میں اگر ناقۂ لیلیٰ پہنچی
پہنچا مجھ پاس نہ تو اور نہ نشانی پہنچی — ق — جان ہونٹوں پہ نہ کیونکر مری پھر جا پہنچی
کچھ بھی خاطر ہو نشاں میری نشانی کی طریق — ایک پہنچی تیری پہنچی کو اگر آ پہنچی

پڑھ یہ تبدل قوافی غزل ایسی احساںؔ
طرز کو جس کی نہ میر اور نہ سودا پہنچی

باغ میں جب کہ وہ دل خون کن ہر گل پہنچی — بلبلاتی ہوئی گلزار میں بلبل پہنچی
صدمۂ شام اجل مجکو نہ بالکل پہنچی — گر میری داد کو کل تک بھی وہ کاکل پہنچی
دل بھی لیکر علم آہ مقابل پہنچا — نیزہ بازان مژہ جب یہ تغافل پہنچی

ہر کوچہ تیرا جھاڑی ہی بجاروب شعاع
کہ اسی طرح ہم تجھ سی توسل بہ پہنچی

اپنا یہ منہ تو نہ تھا آپ تلک ہم پہنچیں
آپ کا جب کہ ہوا ہم پہ تفضل پہنچی

ہم رہ یاس والم دشت جنوں میں کل ہم
بہ تحمل بہ تامل بہ تجمل پہنچی

گر تری وزن پہ میں ساری قوافی باندھوں
دم ترا ناک میں ای باب تفعل پہنچی

خانہ آباد تمہارا ہو کہ ہم حضرت عشق
نفع کو تم سی بایام توکل پہنچی

درد و غم یاس والم سوز دل و داغ جگر
تحفی جو آپ نی بھیجی ہمیں بالکل پہنچی

تو پڑھا مجکو دعای قدح ای واعظ شہر
کل کسی طرح سی مجکو قدح مُل پہنچی

جب گیا حسن تو آیا تری اخلاص کا بار
اب ترقی ہی تب ایام تنزل پہنچی

قبر ایک رند پہ قل پیر مغاں نی تھا پڑھا ق
شعر یہ ہم نی سنانی کو جب قل پہنچی

ترس عقبی ہی تو میخانہ میں رہ ای زاہد
تب تجکو وہاں بجا کان میں قلقل پہنچی

رشک گل باغ میں بیٹھا تھا ہم بھی احساں
یہ غزل پڑھتی ہوی وہاں بہ تجاہل پہنچی

تیری خوبی کو نہ لاکھوں میں کوئی گل پہنچی
نہ ہزاروں میں تجھی ایک بھی بلبل پہنچی

کیوں کہ نسبت دوں تجھی سرو سی ای قامت بالا
تو بھی وہ ہی تجھی طوبی بھی نہ بالکل پہنچی

رشک گل گل نہ کبھو ہو دی چراغ الفت
جس کی دولت سی مری ہاتھ یہ یہ گل پہنچی

کوئی گل تو تو اچھالی ہی تجھی غم ہی یہی
کہیں صدمہ تری پہنچی پہ نہ ای گل پہنچی

میں نہ کہتا تھا کہ قابل مری غفلت ہے تری
میرا اجرا تجھی او جان تغافل پہنچی

غم کی دلدل میں ہی دل میرا وظیفہ جاناں
کاش اس دل پہ مری وہ سم دُلدل پہنچی

تو زمیں پر جو کبھی پاؤں تو پھر تا بفلک
تیری دیوانوں کی زنجیر کا کیوں غل پہنچی

کبھی رعنائی بھی کھینچوں تو سن ای چرخ کہن — نو طرح کا تجھی اک دم میں تزلزل پہنچی
جب جوانوں سی مدد پیر مغاں نی چاہی — لے کے رندوں کو وہیں ہم پہ تحمل پہنچی
محتسب کی سر ناپاک پہ رکھوا خم می — کیفیت سی در میخانہ پہ ہم مُل پہنچی
یہاں تلک محتسبِ شہر ہی لرزاں اب تو — زند کشمیر میں ہو ویں تو وہ کابل پہنچی

طوطیِ ہند کی وہ روح سی فیض ہے تجھی
تجھی احساںؔ نہ کبھی بلبل آمل پہنچی

طرز طراری وہ اس طرۂ طرار میں ہی — کہ دل اک خلق کا لٹکا ہوا ہر تار میں ہی
صدمۂ برق غم عشق جہاں سوز بتاں — تیر دلدوز نگاہِ بت عیار میں ہی
دل کو میری ہی کیا خاک جلا کر اس نی — خاک تاثیر مری آہ شرر بار میں ہی
باؤلی ہو کی نکل بھاگی زلیخا آخر — کوئی بھی میری سوا کوئی غم یار میں ہی
جان بیجان سمجھ کر نہ مری پاس سی جا — جان اب تک تو تری طالب دیدار میں ہی
رُخ پہ جب خال کو دیکھا تو کہا میں نی کہ یا — ربط کس طرح ہم کافر و دیندار میں ہی
ق
بولا سر رشتہ یہ کچھ آج ہی ایجاد نہیں... — رشتہ اک عمر سی یہاں سبحہ و زنار میں ہی
پان کو جس نی لبوں میں تری دیکھا بولا — کیا زمرد کی جھلک لعل گہر بار میں ہی
کیفیت زیست کی اس دور میں ای درد کشاں 1 — صاف تو یہ ہی کہ بس خانۂ خمار میں ہی
مجھ سی کہتی ہو مجھی تجھ سی سروکار نہیں ۲ — یہ انصاف میاں آپ کی سرکار میں ہی

اس زمیں میں غزل اک اور بھی احساںؔ تو سنا
واقعی یہ ہی کہ لذت ۳ تری اشعار میں ہی

جان لٹکی ہوئی اس زلف سیہ کار میں ہی م — دلِ بیمار گرفتار اس آزار میں ہی

سرخ پھینٹا جو بندھا ہم پہ کھلا راز میاں
نہیں بے پیچ کہ پیچ اس تری دستار میں ہی

بسکہ گریاں غم فرہاد میں ہی کوہ مدام
آب شیریں ہی رواں دامن کہسار میں ہی

تیری ابرو کا جو کشتہ ہی وہ زندہ ہی مدام
اثر آب حیات اس تری تلوار میں ... ہی

تجھکو بھی کچھ ہی خبر رووی تھا جو آٹھ پہر
جان اصلا نہیں اس عاشق ناچار میں ہی

تیں پانچ اس میں نہ کر جای شش و پنج ہی یار
ایک سو شکر کہ چرچا ابھی دو چار میں ہی

دزدی دل پہ کمر تو نی جو باندھی ہی میاں
دھوم چوری کی ہر اک کوچہ و بازار میں ہی

کس نی جھانکا کبھی اس روزن دیوار سی آہ
دل بغل میں نہیں اب رخنۂ دیوار میں ہی

بازی عشق وہ جیتا نہ جیا جو کہ یہاں
جو کہ جیتا ہی مری جان وہی ہار میں ہی

ق
یہاں سزا ملتی ہی ہر اک کو بقدر رتبہ
عدل بیجا تو نہیں عشق کی دربار میں ہی

پابہ زنجیر محبت کو جو مارا احساں...
تب سی زنجیر طلا گردن دلدار میں ہی

ہیرے کی کنی کھا کی غم ہیر سی چھوٹی
پر ہم نہ فریب بت کشمیر سی چھوٹی

قسمت کا بلی زلف گرہ گیر سی چھوٹی
ہاتی بھی نہ جکڑا ہوا زنجیر سی چھوٹی

امکان ہی ابرو سی تری چیں نہ جدا ہو
جوہر نہیں ممکن ہی کہ شمشیر سی چھوٹی

اس خانۂ دل کو جو کیا ضبط ہی تم نی
اچھا ہوا ہم روز کی تعمیر سی چھوٹی

مرہون اجل ہم ہیں کہ ہم اس کی بدولت
ہر شب کی گنہ روز کی تقصیر سی چھوٹی

آوی کبھی فلک سی ہمیں وہ نعمت عظمیٰ
ہم اس پہ نہ حرص عرس و میر سی چھوٹی

ہی صبح کٹی چاک گریباں کو اپنی
ہیں شام کی گیسو غم شبیر سی چھوٹی

بی دین گلا گھونٹی ہیں دین نبوی کا
یارب یہ گلو جلد خنازیر سی چھوٹی

سیمرغ سی صد مرغ اگر ہوں لو مر بجاں جیتا نہ کوئی ایک تری تیر سی چھوٹی
ان بالہوسوں کو تو مری جان اڑا دی کہتی ہیں کہ ہم زلف کی زنجیر سی چھوٹی
زلفِ عرق آلود کو تو چھوڑ دی منہ پر زنجیری یہ کولا ہی جو تدبیر سی چھوٹی

حیرت ہمیں ہی صورت فردوس سی احساں
ہم سی وہ گلی کوچی میں تصویر سی چھوٹی

دشنام اور دی تو مجھی انحراف سی عاشق کو آگ وصول ہی ایک لام وکاف سی
اس بانکہ پن پہ میں ہوں تصدق کہ ای میاں شمشیر نکلی پڑتی ہی ہر دم غلاف سی
آوں گا میں بھی کعبہ کو تم جاؤ شیخ جی فرصت اگر ہوی مجھی دل کی طواف سی
کھانی کو غم ہی اور ہی پینی کو خونِ دل عشاق کو فراغ ہی وجہ کفاف سی
سوتی میں کس کا روئی منور ہی کھل گیا یہ منہ نہیں ہی چاند ہی نکلا لحاف سی
بیفائدہ نہ تیغ و سپر کو سنبھالئی انصاف بیجھی فائدہ کیا ہی مصاف سی
ہی صاف صاف یہ کہ نہ لوں بوسی کسطرح یہ گوری گوری گال ہیں کیا صاف صاف سی
دل میرا زلف کو ہی دی ای خال مت جھگڑ سو سو بلائیں اٹھتی ہیں اک اختلاف سی
عنبر خجل ہی زلف سی پر ہی نئی یہ بات شرمندہ مشک نافہ ہوا بوی ناف سی
جاگیر دل ہی بوسہ مزاحم تو کیوں ہوا ظالم مزاحمت نہیں لازم معاف سی
طالب نہیں ہیں محض خدا کی یہ صوفیاں ہی ان کی صاف طبع کو ذوق انکشاف سی

ماہ صیام میں تجھی ہر روز عید ہی
احساں عجب ہی گر نہ نکل اعتکاف سی

لبوں کا بوسہ دیا کب جو خط دکھا نہ سکی شراب دی چکی سبزی ہی جب پلا نہ سکی

جو ہم پہ گذری کسی کو وہ ہم سنا نہ سکی — زبون تم نی رکھا ہم زباں پہ لا نہ سکی

شب آ کی آتش فرقت کو تم بجھا نہ سکی — لگی تھی پاؤں میں مہندی کہ آپ آ نہ سکی

ہلا یا چرخ بریں کو تو کیا ہوا نالو — ابھی تو بزم رقیباں سی تم ہلا نہ سکی

تو راز عشق کو کیا سمجھی ناصحا ہیہات — یہ سرّ وہ ہی کہ افلاطوں بھی جسکو پا نہ سکی

پکڑ لیا مجھی ہمراہ دختر رز آج ق — شتاب آؤ کہ یہ محتسب ستا نہ سکی

یہ کہدو پیر مغاں سی یہی ہی وقت مدد — وہاں چھڑا چکی دنیا میں جب چھڑا نہ سکی

جنھوں نے سر کو اٹھایا تھا بحر دنیا میں — وہ اس طریق سی بیٹھی کہ سر اٹھا نہ سکی

نہ کیجو غرۂ دولت یہ کل ہی دیکھا ہی — کہ جن کو گنج تھی سر اپنا بھی کھجا نہ سکی

ہمیشہ اُن کی باتیں ہیں ناصح مشفق — بنا سکی ہو دلی بات کچھ بنا نہ سکی

عزیزو رونا ہی جب آیا وہ خود کام — زباں بھی تو مری حق میں تم ہلا نہ سکی

اٹھا اٹھا کی سراب دیکھتی ہو غیروں کو ق — مرا ہی ڈر کہ تم ان کو یہاں بٹھا نہ سکی

یہ سر اٹھایا کہ سر کو اٹھایا جانب غیر — جو سر اٹھاوی الٰہی وہ سر اٹھا نہ سکی

یہ جی میں ہی کہ پس پردہ وہ پڑھوں مطلع
کہ عذر ان کا کسی طرح پیش آ نہ سکی

اگرچہ خلق کی چرچی سی منہ دکھا نہ سکی — تھکا تھا حلق کہ آواز بھی سنا نہ سکی

ہماری حال پہ اک خلق روی اور افسوس — بہانی سی کبھو دو آنسو تم بہا نہ سکی

جلا سکی تھی مری دل کو زندگی میں تم — چراغ قبر پہ میری کبھو جلا نہ سکی

کبھو نہ منہ سی یہ پھوٹی نصیب پھوٹی کو ق — بلا لو تا کہ وہ شکوہ زباں پہ لا نہ سکی

جو کوئی پوچھی نہیں وہ کہو بلا سی نہیں — بلا سی کہہ سکی پر مجکو تم بلا نہ سکی

کمند بام پہ اس مہ کی کس طرح پھینکوں — کہ نزد و بان فلک پر کوئی لگا نہ سکی
جو میں نے گل کی خوشی آمد کہا یہ درباں کی — خوشامدی مری مجلس میں کوئی آ نہ سکی
تم ایسی ہو کہ تمہاری قدم ہی پوجیے یار — روٹھانی کو تو میں موجود منا نہ سکی
ہوا یہ حکم جناب جنوں سی ای ناصح — کہ اب کی کوئی گریباں یہاں سلا نہ سکی
اگرچہ سر بفلک نالہ ہی تو ہو لیکن — وہ رتبہ پاؤں کی چھلی کا تیری پا نہ سکی
لگایا سرمہ نہیں اس نے ہی دکھائی آنکھ — یہ مدعا ہی کوئی وصوم یہاں مچا نہ سکی
فغاں ہی اپنی سراسر اسی لئی ہر دم — مزہ وہ بوسہ کا ہیہات پا نہ سکی
زبان یار جو آئی نکالی تالو سی — زبان اپنی کو تالو سی ہم لگا نہ سکی

ہماری گریہ کا احسان ہی ہم پہ ای احسان
جھڑی یہ ہم نی لگائی وہ گھر کو جا نہ سکی

مرا تو صبر آہ شرر فشاں پر ہی — جہاں میں جو ہی پھپھولا مری زباں پر ہی
کوئی فلک زدہ ایسا نہیں زمیں پہ کہیں — دماغ آہ کا اس پر بھی آسماں پر ہی
گلی میں ان کی گلِ سرخ کی نہ سمجھو ہار — یہ خون ناحق خوں گردن بتاں پر ہی
او سی ہی بستر گل پر بھی بیکلی بلبل — نہ صرف پا تشیں پر پر نہ پریشاں پر ہی
تمہاری ناوک ابرو کمان پہ ہوں قربان — کرم اسی کا مری مشت استخواں پر ہی
یہ کون جانی کہ وہ کس مکان کا ہی مکیں — مکان اس کا مکاں پر نہ لامکاں پر ہی
کوئی نہ کچھ کہو آخر ہی میر الخت جگر — جو میری دل پہ اذیت ہی میری جاں پر ہی
تری گلی کو نہ آنکھوں سی کیوں رکھوں رنگین — یہ فرض عین مری چشم خونچکاں پر ہی
ہزار بار ہی بال ہما سی مجکو عزیز — یہ عندلیب خوش الحان کا خال پر ہی

نہیں ہی آہ کی طاقت تو آہ اب تو خدا — یہ زور ضعف کا اس تیری ناتواں پر ہی
تو وہ ہی نام خدا جس سی ای بہار اُمید — بہار حسن بتاں دسبدم خزاں پر ہی

نہیں رہا ہی کوئی پیر راہ عشق تو
خدا اسی رکھی احساں نوجواں پر ہی

دلبر یہ وہ ہی جس نی دل کو دغا دیا ہی — ای چشم دیکھ تجکو میں نی سمجھا دیا ہی
تیغ ستم سی میرا جو خوں بہا دیا ہی — قاتل نی میری دل کا یہ خوں بہا دیا ہی
نقش قدم لگی کا تیری بنا دیا ہی — کیوں کر اٹھوں کہ دل نے مجکو بٹھا دیا ہی
ای چشم گریہ زا ہی کا رونی کو تیری زحمت — رو رو کی ابر کو بھی تو نی رلا دیا ہی
سر رشتہ وفا سی کیا شمع رو ہیں واقف — ہم نے پتنگ ان سی ملنا اڑا دیا ہی
دل دیکی جان کا مفت اک روگ ہی خریدا — دولت سی تیری میں نی یہ کچھ لیا دیا ہی
جاتی نظر جدھر ہی اک نور جلوہ گر ہی — مکھڑی سی آج پردہ کس نی اٹھا دیا ہی
تو پان کھا کی ہنسنا اک سہل سا ہی سمجھا — یہ برق وہ ہی جس نی عالم جلا دیا ہی
کیوں ہم سے ہو بگڑتی ہم نی تو شیخ صاحب — ہولی سی پیشتر ہی تم کو بنا دیا ہی
کیوں کر نہ میری دل کا شیشہ ہو ٹکڑی ٹکڑی — نظروں سی اس کو ظالم تو نی گرا دیا ہی
پاؤں سی کیا جگایا تو نے ہی مجکو گویا — ٹھوکر سی بخت خفتہ میرا جگا دیا ہی

کیا جانوں عشق کیا ہی لیکن کسی نی احساں
اک آگ کا سا شعلہ دل کو لگا دیا ہی

سن رکھو او خاک میں عاشق کی ملانیوالی — عرش اعظم کی یہ نالی ہیں ہلانی والی
یہ صدا سنتی ہیں اس کوچہ کی جانیوالی — جان کر جان تمھو کون ہی آنی والی

چین تجھکو بھی نہ ہو مجکو ستانے والی　　تو بھی ٹھنڈا نہ رہی جیکی جلانے والی
کب ہیں اس دل سی تباں ہاتھ اٹھانیوالی　　یہ وہ کافر ہیں کہ مسجد کی ہیں ڈھانیوالی
جنگ ہی گر تجھی منظور رہی پھر آنکھ لڑا　　یہ بھی اک جنگ ہی او آنکھ لڑانیوالی
کی تو عیاری سازش ہی ولی غنچہ دہن　　چٹکیوں میں ہیں یہ جوبن کی اڑانیوالی
ان کی ہنسنی پہ نہ جا ان کی ہنسانی سی نہ ہنس　　تیری ہنسنی پہ یہ ہنستی ہیں ہنسانیوالی
بن بلائی تیری آکر تجھی بہکاتی ہیں　　سخت ناخواندہ ہیں یہ تجھکو پڑھانیوالی
اشک خونین کی رہوں میں بیل میں ڈوبا رہتا　　یہ میرا رنگ ہی او پان چبانیوالی
یوں تو بجز صبح کا جلدی سی کبھی وصل کی رات　　اری بی رحم اری دل کی ستانیوالی
گذری جو مجھ پہ سو گذری ہی نہ گذری تجھپر　　گھڑی گھڑیال کی گھڑیال بجانیوالی
کیوں نہ ان نالوں کو میں پای بہ زنجیر رکھوں　　ای جنوں کون ہیں یہ غل کی مچانیوالی
جب کہا میں نی کہ سن حال کہا طعن سی یہ　　تم سلامت رہو احوال سنانیوالی
پاؤں کو ہاتھ لگایا تو لگا کہنی سرک　　تجکو قربان کروں ہاتھ لگانیوالی

مطلع مطلع احسان سی تو ہو رشک قمر
تجھ پہ عاشق ہوی پیغام کی لانیوالی

کہدی عیسیٰ سی کوئی دلی وہ جابی حضرت
چھوکری یہاں کی ہیں مردوں کو جلانیوالی

تیری صدقی مجھی پھر کہہ اسی انداز سی تو
تجکو صدقی کروں الفت کی جتانیوالی

آشناکس کی ہیں بی دید ہیں یہ دیدۂ ودل
ہیں یہی دیدۂ ودانستہ ڈبانیوالی

ان کی رونی پہ ہنسی آتی ہی مجکو احساں
ڈوریں پانی کو ہیں کیا آگ لگانیوالی

ہم فقیروں کا نہ بی سر پہ کھلا ہر بار ہے
سر سری اسکو نہ سمجھو ہمیں بھی اصرار ہے

بوسہ جب مانگا تو یہ کہا
ہم سپاہی ہمارے پاس

سر مرا پاؤں سے ٹھکرا کر مجھی دو گالیاں
واہ واکیا آپ کی رفتار کیا گفتار ہے

سایۂ بال ہما کی کچھ نہیں ہم کو غرض
ای پری سایہ تری دیوار کا در کا ہے

کیا مری توبہ ہی توبہ کیجئے اس توبہ سی
توبہ بھی توبہ سی میری پڑھتی استغفار ہے

حضرت دل جان کو اول ہی سی رو بیٹھے
کچھ ہنسی آخر نہیں یہ عشق کا آزار ہے

کچھ نہیں معلوم ہوتا یا الٰہی کیا کروں
کیا سبب کیا واسطہ کیوں مجھ سی وہ بیزار ہے

چونک احساں چوک مت اے دشمن ناموس عشق
تو ہی سوتا دوست تیرا روز و شب بیدار ہے

سنتا نہیں اک بات وہ مغرور کسو کی
کہدو کہ دعا لیوی بمقدور کسو کی

کس طرح لگا رکھوں نہ میں آبلۂ دل
پھر طبع ہوئی مائل انگور کسو کی

غیروں سے تو مل لیک دعا اپنی تو یہ ہی
غیرت کو نہ کھو خالق غیار کسو کی

کیا ہی قلق رہوی نہ ہیں روؤں نگام مردم　　آنکھوں نسی ہی خاطر مجھی منظور کسو کی
یہ مجکو تمنا ہی کہ یا شاہ ولایت　　پھر ہووی ملاقات بدستور کسو کی
ہی عید کا دن آکی گلی یار سی لگ جا　　غمگین نہ کر خاطر مسرور کسو کی
جب کوہ کن خستہ ہوا بولی یہ شیریں　　مرقد پہ لکھو سورۂ والطّور کسو کی
پہنچا ہی دیا ہائی مجھی مرگ کی نزدیک　　ہی کاکل پُر پیچ بہت دور کسو کی
پھر جام مجھی دیجئو اس وقت تو ساقی　　یاد آئی مجھی نرگس مخمور کسو کی
یاروں نی کہا رو کی مرا حال یہ اُس سی　　ہونٹوں پہ ہی جان ای بت مغرور کسو کی
بولا کہ مری سامنی پھر ذکر نہ کیجو　　مرجانی دو صورت ہووی در گور کسو کی
اس کوچہ سی تم خم ہی نکلتا تو نہ تو　　خونریزی ہی اُس شہر میں مشہور کسو کی
بی نور کی روضہ میں ہی مجلا ہوا بیٹھا　　سنتا ہی نہیں یہ دلِ مجبور کسو کی
ہیں سورۂ نور آج ہی بی نور کو بخشوں　　گر آدی نظر صورت پُر نور کسو کی

آنکھیں ہیں جو احسان کی کھلی بعد وفات آہ
تکتا ہی یہ رہ عاشق مغفور کسو کی

آتی ہی بس ستائی جانیکی　　تجکو خو ہی مری کڑھانیکی
شوق سی مجھسی یوں بگڑ بیٹھو　　لیک ٹھہری نہ منہ بنانیکی
اس کی قانوں سی ہوں میں واقف　　مجکو پروا نگی ہو گانے کی
وہ نہ ہو میں جیوں جگہ نہ رہی　　آئینہ رو کو منہ دکھانے کی
قیس صحرائی اور دعوی عشق　　بات ہی ہی جدا بن آنے کی

یہاں ہار کی تو جب اس کو بھی ہی
وہاں پر کی جسکو پان کھانیکی

نام رکھو نہ اپنا ہرجائی
نہ قبا یہ پہنو چار خانیکی

زلف کو چھیڑتی ہی کہنی لگا
ہی یہی بات مار کھانیکی

مجھ سی بھی پردہ یہ تو کرم ہوئی
ساتھ سونیکی منہ چھپانیکی

مت ہنسی جان قتل کرتی ہی
وضع یہ تیری مسکرانیکی

زندگی میں بایں تپاک اخلاص
روز دہشت ہی روٹھ جانیکی

بعدِ مرگ آہ تجھ سی کس کو امید
جان من فاتحہ دلانیکی

بیٹھ ای آہ بس خدا نہ کری
تجھ کو فرصت ہو سر اٹھانیکی

مستعدِ بدی ہوا وہ ہی
جس سی ہم نی کی یہاں سدا نیکی

نیکیاں کرتی ہو بدی حاصل
ہت تری آخری زمانیکی

یاد مسجد میں آوے گی احسان
کیفیت اس شراب خانیکی

اس شعلہ رو کی ایک تو رفتار گرم ہی
تس پر کڑوں کی اور بھی جھنکار گرم ہی

زلفیں دھواں ہیں حسن بھبھوکا پری ہی چال
کیا سر سی پاؤں تک وہ طرحدار گرم ہی

نینا نکا کس طرح سے بازار سرد ہو
گریہ پہ آج چشم گہربار گرم ہی

اس سوختہ جگر کی ابھی تن پہ ہی لگی
اس دم تو رکھ دی ہاتھ سی تلوار گرم ہی

اس دشت میں ہی کونسا تفتہ جگر رکھا
جس کی طپش سی یہاں سر ہر خار گرم ہی

اپنی غزل جو پڑھتی ہیں کہتی ہیں دوستاں
حضرت بغور سنئی کہ بسیار گرم ہی

جب میں پڑھوں ہوں شعر تو پوچھی ہی وہ
کیا ان دنوں میں پھوٹ کا بازار گرم ہی .

گاہک ہی تیری سر کی یہاں شمع ای　　ہی بیچتا اصلاح خریدار گرم ہی

شاید کہ تیر آتش دل سی ہی جل گیا　　اٹھتا دھواں جگر سی ہی سوفار گرم ہی

مت کیجو ذکر برق جہاں اسکی روبرو　　دیکھو مزاج آہ شرربار گرم ہی

بیٹھا تھا کون سوختہ تکیہ لگائی یہاں　　ابتک جو تیری کوچی کی دیوار گرم ہی

قربان ایسی بت کی جو توں آن کر کہی　　کیوں تیرا جسم عاشق بیمار گرم ہی

مت کھینچ آہ سرد کہ شاید ہو دلکو چین
احسان سبب ہی یہ اسی ازار گرم ہی

گو مجکو نہایت گلہ ابرو سی ہی تیری　　پر خاطر ابرو مجھی اب رو سی ہی تیری

ای عشق تو بازو ہی مرا مجکو ہو قوت　　ہمت تو مجھی قوت بازو سی ہی تیری

مسحور نہ ہم ہی ہیں کہ بیماری دائم　　ان نرگس جادو کو بھی جادو سی ہی تیری

تکیہ پہ نہ ٹھہرے گا کسی طرح میرا سر　　بازو سی مری جان نہ زانو سی ہی تیری

باراتی باراں سرشک ابر میں بس ہی　　شبنم مجھی مطلب نہیں پٹو سی ہی تیری

وحشت زدگاں سی مجھی کیوں بار ہی وحشت　　جاری تو یہی سلسلہ گیسو سی ہی تیری

جوں گاہ نت عشق نی مجکو ہی بنایا　　کیا نفع طبیب اب مجھی کاہو سی ہی تیری

یہ طفل سرشک اپنا تری در سی ہی ڈرتا　　چپکا ہی کہ خطرہ اسی لولو سی ہی تیری

اگو نہیں آتا ہی تیری اسم سی عاشق　　اک تیر پہ ای یار وہ مشکو سی ہی تیری

زاہد ہو مجھو یہاں سی مجھی دم نہ کیا کر　　دم ناک میں آیا مرا چھو چھو سی ہی تیری

انباز میرا نالہ و فریاد میں وہ ہی　　البتہ مجھی ربط سگ کو سی ہی تیری

کچھ اپنی بغل دیکھ کر روتا ہی تو احساں
ہاں اٹھ کی گیا کوئی تو پہلو سی ہی تیری

آنکھوں میں مروت تری ای یار کہاں ہی
پوچھا نہ کبھو مجکو وہ بیمار کہاں ہی

نوخط تو ہزاروں ہیں گلستاں جہاں میں
ہی صاف تو یوں تجھ سا نمودار کہاں ہی

آرام مجھی سایۂ طوبی میں نہیں ہی
بتلاؤ کہ وہ سایۂ دیوار کہاں ہی

لاؤ تو لہو آج پیوں دختر رز کا
ای محتسبو دیکھو وہ مردار کہاں ہی

فرقت میں اس ابرو کی گلا کاٹوں گا اپنا
سیاں دیجو اسی دم مری تلوار کہاں ہی

جن سے کہ ہو مربوط وہی تم کو ہی میمون
انسان کی صحبت تمہیں درکار کہاں ہی

دیکھوں جو تجھی خواب میں میں ای مہ کنعان
ایسا تو مرا طالع بیدار کہاں ہی

سنتی ہی اس آواز کی کچھ ہو گئی وحشت
دیکھو تو وہ زنجیر کی جھنکار کہاں ہی

دن چھپنی دو جب دیکھیو غار تگر اسکی
تب سوجھیو خورشید کی دستار کہاں ہی

اس دن کی ہوں صدقی کہ تو کھینچی ہوئی تلوار
یہ پوچھتا آوی وہ گنہگار کہاں ہی

ہنستی تو ہو تم مجھ پہ و لیکن کوئی دن کو
روؤگی کہ وہ میرا گرفتار کہاں ہی

ای غم مجھی یہاں اہل تعیش نی ہی گھیرا
اس بھیڑ میں تو ای مری غمخوار کہاں ہی

جب تک کہ وہ چھانکی تھا ادہر پہر سی ہم تو
واقف ہی نہ تھی مہر پر انوار کہاں ہی

اس مہ کی سرکتی ہی یہ اندھیری احسان
معلوم نہیں رخنۂ دیوار کہاں ..... ہی

بس اپنی بہتری اشکوں کی ریل مچی ہی
یہ چشم عشق کو لڑکوں کا کھیل سمجھی ہی

ہزار نالی میں دیکھا نہ یک اثر بلبل
تو کیا سمجھ کی مجھی اپنا سیل سمجھی ہی

جہاں جہاں ہی پلٹن وہ شوخ شنگ فرنگ
سبھوں کو اپنی اسیروں کی جیل سمجھی ہی

نہ دلبروں کی تلوں پر تو دل لگا ای دل
یہ وہ نہیں ہی کہ تو جسمیں تیل سمجھی ہی

جو پاؤں ڈالوں تو کہتا ہی بس ہرک احسان
مگر کسی کو تو اپنا ڈبیل سمجھی ہی

نہیں سنتا نہیں آتا نہیں بس میرا چلتا ہی
مگل ایجان تو ہی وہ نہیں گھر سی نکلتا ہی

جلا ہوں آتش فرقت سی میں ای شعلہ رو ہیا تنگ
چراغ خانہ مجکو دیکھ کر ہر شام جلتا ہی

نہیں یہ اشک و لخت دل نری الفت کی دولت ہی
مرا یہ دیدہ ہر دم لعل اور گوہر اگلتا ہی

کسی کا ساتھ سونا یاد آتا ہی تو روتا ہوں
مری اشکوں کی شدت سی سدا گل تکیہ گلتا ہی

ملاتا ہوں اگر آنکھیں تو وہ دل کو چراتا ہی
جو میں دل کو طلب کرتا ہوں وہ آنکھیں بدلتا ہی

مری پہلو و سینہ میں بتوں کی رہ گئی خنجر
خدا کا فضل جس پر ہو تو وہ اسطرح بچتا ہی

سدا ہی میری قسمت جوں صدائی حلقہ در ہی
اگر میں گھر میں جاتا ہوں تو وہ باہر نکلتا ہی

وہ بحر حسن شاید باغ میں آویگا ای احسان
کہ فوارہ خوشی سی آج دو دو گز اچھلتا ہی

نہ باندھو باندھنی سی غش یہ جاویگا نہ داروسی
مگر تعویذ اس بازو کا باندھو میری بازو سی

زبردستی سراپا کی لیا دل میری پہلو سی
جو روٹھوں بجا ہی مجھ سی تم روٹھی ہو کس رو سی

یہیں بیٹھی رہو یاں اپنی منہ سی دو مری ہنسیں
قسم تم کو مری سر کی نہ سرکو میری زانوں سی

یہ کلکل میں سمجھتا ہی نہیں کل کی گئی کل ہی
تم اب کل کی طرح سی پھر نکلجاؤ گی قابو سی

ہوا دشت محبت طے عزیز و دوستو ہرگز
نہ عشاق جفاکش سی نہ معشوق جفاجو سی

نہ خسرو سی نہ شیریں سی نہ مجنوں سی نہ لیلیٰ سی
نہ وامق سی نہ عذرا سی نہ کیکا سی نہ پنو سی

فغاں ہی شور ہی فریاد ہی نالہ ہی زاری ہی
زباں ناکام کی تیری نہیں لگتی ہی تالو سی

کہا بازو کو باندھو خون کو لو ہاتھ سی میری
میرا بدلا لیا آپ اس نے اپنی دست بازو سی

مبادا اوس سرو گل رخسار کی کو کا اسی غم ہو
مجھی غیرت سی لگتی آگ ہی قمری کی کوکو سی

پس کاکل ہوں سرگرداں بڑا بول آگے پیش آیا
وگرنہ اے مسلمانو مجھی نفرت تھی ہندو سی

نوید گریۂ شادی مبارک زخم دل تجکو
کہ منہ پر زلف مشکیں چھوڑ کر نکلا وہ مشکو سی

لب زخم جگر نی تیر دلدوز کماں ابرو
پیالی سر بسر لذت سی مثل نیشکر جو سی

الف قامت ترا میم دہن جوں نون تنوین ہی
کہ سننی میں ہی آیا پر نہیں دیکھا کسی رو سی

نصیحت ناصحوں کی مانتا ہوں دعا پر ہر دم
سیاہی ہوں مجھی ہی کام اسکی تیغ ابرو سی

نہ زاہد ہوں نہ میکش ہوں نہ مینا ساز ہوں احساں
نہ مجھکو کام مینی سی نہ مینا سی نہ مینسی سی

بس خاک قدم دیجئی تکرار بہت کی
مٹی مری اس خاک نی ہی خوار بہت کی

چڑ مجکو تجھی ری بجھہ تکرار بہت کی
خوش رہ کہ خوشامد تری ای یار بہت کی

ہرگز نہ گئی پیش نہ آیا مری جہر
ہرچند کہ زاری پس دیوار بہت کی

لانی کشش دل ہی تمہیں تمنی تو ورنہ
یہاں آنی میں اک عمر تلک عار بہت کی

اوس چشم نی دیکھا دل بیمار کو میری
بیمار نی کل خاطر بیمار بہت ... کی

ابرو کی تصور میں ہوا قتل مرا دل — پھل کیوں نہ ملی مرد تھا تلوار بہت کی

عشاق میں ہیں ہی ہدف تیر ہوں اوسکا — عظمت ہی یہی خدمت سرکار بہت کی

اس طرح کا بی دید تو کم ہوگا جانیں — کی ہمنی بھی چاہ دیدار طرحدار بہت کی

صورت تری آگی ہی بھبوکا تھی ویکن — زلفوں کی بکھرنی نی دھواندھار بہت کی

یہاں اٹھ پہر جنس سی وفا ہم نی دکھائی — دیکھا نہ خریدار تو ناچار بہت کی

یارب نہ رہی نام جدائی کر رہ عشق — آسان تھی پر اس نی ہی دشوار بہت کی

معلوم کوئی دن کو تجھی ہوگی حقیقت — کم اس تری اقرار کی انکار بہت کی

ہر چند کہ خط سی بھی دھواں شکل ہی ای مہ — پر خط کی نہ رکھنی تی نمودار بہت کی

گھر میں نہ تری کو دسکارات میں — ہاں اپنی سی تدبیر تو ای یار بہت کی

بہبود کی آثار نہ دیکھی کبھو ہرگز — جس شخص نی اونچی تری دیوار بہت کی

کم ہم سا خریدار ہم پہنچی کا اس کو — کیوں عشق نی جنس غم بسیار بہت کی

بولا سر منصور سر دار پہ احسان
حق ہی کہ سزاوار تھی پندار بہت کی

پوچھی نہ خبر کبھی ہماری — لی خوب خبر اجی ہماری

ہم لائق بندگی نہیں تو — بس خیر ہی بندگی ہماری

ای دیدۂ نم نہ تھم تو ہرگز — ہی اس میں ہی بہتری ہماری

سیاں تیری کمریا جب دیکھیں — پھر تیغ ہی زندگی ہماری

ہم جان چکی کہ جان کی ساتھ — جاویگی یہ جانکنی ہماری

چلنی کا لیا جو نام تونی — بس جان ابھی چلی ہماری

بگڑتی ہو بھلی بھی بات کہتی
قسمت ہی بری بنی ہماری

اس زلف کی سلسلہ میں ہیں ہم
ہی عمر بہت بڑی ہماری

کیوں کر نہ کٹی زبان تمہاری
ہاں اور کرو بدی ہماری

کہتی ہیں پلٹ گیا وہ رہ سی
تقدیر الٹ گئی ہماری

اب ہنستی ہیں ہم یہ لوگ ورنہ
مشہور تھی یہاں ہنسی ہماری

ہم ہٹتی ہیں ملک عشق سی کب
ہیٹی کسی نی کہی ہماری

کیا کام کسی سی ہمکو احسان
ہم اور یہ بیکسی ہماری

ہم تمہارا ہوں نہوں تم ہاں مگر اگر دو چار کی
ایک کی ہوتی ہیں کب صاحب مگر دو چار کی

عشق میں پیچھی رہی اپنا قدم ممکن نہیں
ہم ہیں سر دینی کو پیشتر دو چار کی

عشوہ و ناز و کرشمہ غمزہ و آن و ادا
ہم تو کشتہ ہیں نہیں آٹھوں پہر دو چار کی

بند جو اغیار نی باندھا تھا بندہ پر کھلا
آشکارا ہو گئی ہم پر ہنر دو چار کی

اپنا نقشہ بیٹھی تب جب ایک نقشہ کھینچی
ناک پر دو تین کی اور کان پر دو چار کی

گر تری دامان دولت سی نہ لگتی عاشقاں
کیوں گریباں چاک ہوتی ہر سحر دو چار کی

چار قاصد وہاں تھی بھیجی دور کی ظالم نی ڈھونڈ
اس کی کوچہ سی پھری ہیں نامہ بر دو چار کی

نخلِ مژگاں پر ثمر لختِ جگر ہیں ان دنوں
ہم نہیں محتاج ای رشکِ قمر دو چار کی

عشق نقد داغ دل دیتا ہی خوش ہو کر مگر
یعنی یک یک رہتی ہیں یہ نادر ثمر دو چار کی

آٹھ تو اشعار پھر کہہ پانچ سات احسان نکر
اس سی بہتر سن چکا ہوں شعر تر دو چار کی

خاک میں ملتی ہیں تجھ سی روز گھر دو چار کی
نذر ہو رہتی ہیں تیری در پہ سر دو چار کی

مجکو مت چھیڑو معاذ اللہ میری لب تلک
نالی سر آئیں تو پھٹ جائیں ۔۔ [illegible]

یہ غرض میری نہیں دس بیس کو تو قتل کر
ایک اتنا چاہیے ہو دل میں ڈر دو چار کی

گر فراق سیمبر میں ہو وصال اپنا ولی
ہم تو منت کش نہ ہوں گی پھر زر دو چار کی

ق
کیا زمانہ آگیا اور کیا ہیں مردم سیمبر چشم
ان تلک مطلب بھی آجاویں اگر دو چار کی

سوزش و رنج آوی جی میں اک سفارش جب نہو
چار اگر پاتی ہو کہدیں دو ہی گر دو چار کی

چارہ ساز و دیں سی جا کر حال دل میرا کہو
کہنی میں البتہ ہوتا ہی اثر دو چار کی

ابرو و مژگان و چشم و خال و زلف و خط ہیں قہر
تو نہ فن میں آدلا بار دگر دو چار کی

ہر طرف کوچی میں تیری شور ہی ہنگامہ ہی
خون ہو رہتی ہیں وہاں ای بے جگر دو چار کی

چارۂ احسان بیچارہ ہی یہ ای چارہ ساز
اس تلک ناچار ہے چل دوش پر دو چار کی

چٹکیاں لی ہی کہ اٹھ بیٹھ جو مر جای کوئی
ای ستمگر تری ہاتھوں سے کدھر جای کوئی

کیوں کی گذریگی نہ گذروگی جو تم یار ادہر
پس یہ مرضی ہی کہ بس جیسی گذر جای کوئی

مری مرنی سی ترا شہرہ ہوا یا قسمت
کہ بگڑ جای کوئی اور سنور جای کوئی

ایک دم کا بھروسا نہیں مانند حباب
بحر ہستی میں عبث آکی ابھر جای کوئی

شمع ساں سر نہ کٹی اس کا یہ امکان نہیں
بزم خوباں میں جو با دیدۂ تر جای کوئی

دل مرا تم نی چرایا مجھی الٹی ہی یہ فکر
نہ خبر پای کوئی تا نہ بپھر جای کوئی

آپ کی عہد میں یہ رسم ہی دیکھی ہم نی
کہ گنہگار کوئی اور ہو ڈر جای کوئی

گھر سے نکلو کہ ہمیں گھر کی نہ کچھ یاد رہی — گھر میں بیٹھی ہوئی کہتی ہو نہ گھر جاے کوئی

یوں تو سمجھائی سنی آتی نہیں احساں کو سمجھ
کیا تماشا ہو کہ دل لیکی مگر جائی کوئی

جان اپنی چلی جائی ہی جای سی کسو کی — اور جان میں جان آتی ہی آئی سی کسو کی
وہ آگ لگی پان چبائی سی کسو کی — اب تک نہیں بجھتی ہی بجھائی سی کسو کی
بجھنی دی نہ دا آتشِ دل اور نہ بھڑکا — مہندی نہ لگا یار لگائی سی کسو کی
کیا سوئی پھر قفل ہی در یار پہ شاید — جو نکلا ہی وہ زنجیر ہلائی سی کسو کی
کہدو نہ اٹھائی وہ مجھی پاس سی اپنی — جی بیٹھائی جاتا ہی اٹھائی سی کسو کی
جب میں نے کہا آئی من جائی بولی — ہم اور بھی روٹھیں گی منائی سی کسو کی
چپکی میں جو کچھ بات کی میں نی تو یہ بولی — ہم تو نہیں دبنی کی دبائی سی کسو کی
یارو نہ چراغ اور نہ میں شمع ہوں لیکن — ہر شام کو جلتا ہوں جلائی سی کسو کی
پاتا نہیں گھر اس کا سمجھتا ہی نہیں میں — اس بیت کی معنی بھی بتائی سی کسو کی
جب اس سی کہا میری سفارش میں کسونی — حاصل بھی رلائی سی کڑھائی سی کسو کی
اک طعن سی یہ ہنس کی لگا کہنی کہ بیشک — ہم روتی ہوتی ہیں رلائی سی کسو کی

کہتا ہی کہ احسان نہ کہی گا تو سنی گا
مطلع یہ کہا میں نی کہائی سی کسو کی

یہ رنگ نہیں میرا اسنائی سی کسو کی — سو کھا ہی لہو پان چبائی سی کسو کی

ہم گو ہیں پتنگ اور ہو تم شمع مریجاں — کنیاتی ہو کیوں یار کنای سی کسو کی
گوشہ ہی ہیں نہ بیٹھتی ہیں عیس فراست — سوجھی یہ ہیں آنکھ دکھای سی کسو کی
دوبارہ جو تل کہتی ہیں ڈوبا ہی ستارا — ٹھہرہ یہ ہوا غوطہ لگائی سی کسو کی
خط دستخطی آپ کی موجود ہیں مجھ پاس — کیا فائدہ یہ جعل پڑھائی سی کسو کی
سر پاؤں بجا کچھ بات کاٹی بجا کہیں یار — ہاتھوں کی لکیریں بھی مٹائی سی کسو کی
بیمار ہی یوں اپنی تو نہ پھیرتا آنکھیں — یہ چشم نمائی ہی سمجھائی سی کسو کی
چاروں طرف اندھیر نظر آئی ہی مجکو — دیکھا ہی یہ کچھ زلف دکھائی سی کسو کی
اغیار اگر پھول دیں دستار پہ مت رکھ — کیا فائدہ ہی سر پہ چڑھائی سی کسو کی

چپکی سی یہ کہتا ہی کہ پھر شعر پڑھ احساں
پڑھتا ہوں غزل اور پڑھائی سی کسو کی

اغیار گئی خشم میں آئی سی کسو کی — کام اپنا بنا ہنس کی بنای سی کسو کی
جو خون کری خون لیا جائی ہی اس سی — عقدہ یہ کھلا فصد لگائی سی کسو کی
ہٹ ہٹ کی تری ہنسی سی مجکو ہوئی ہٹ — ہٹنی کا نہیں اب تو ہٹائی سی کسو کی
بچ جاؤں جو تو کہوی کہ لی بوسۂ رخسار — رخ کو پھرا مجھ سی سکھای سی کسو کی
کچھ اس میں بگڑتا ہی بھلا یار کسو کا — جو کام بنی ہونٹ ہلای سی کسو کی
اس عہد کا ناتا بھی ہی اک شتہ کا آزاد — اس دام میں پھنسیلو نہ پھنسای سی کسو کی
ای سوزن مژگاں تجھی یکسوی ہی — برگشتہ نہ ہم سی ہو سکھائی سی کسو کی

اے شعلہ — بھڑکو نہ عبث ایک لگانے سے کسو کی
ہم کو بھی نہیں خوف ہی تم شوق سی بگڑو — بگڑو ہو اگر بات بنای سی کسو کی

گر زندگی باقی ہی تو ای سبزخط پھر   ہوتا نہیں کچھ زہر کھلائی سی کسو کی
کہتی ہیں کہ کچھ تو ہی جو وہ تجھ سی ہی رکتا   ہیں چور بنا آنکھ چرای سی کسو کی

گو دریی احسان ہیں شیاطین ولی وہ
حق اپنا نہ چھوڑیگا چھڑی سی کسو کی

غیر کی دل پہ ای یار تو کیا باندھی ہی   ہی وہ اک بادفروش اور ہوا باندھی ہی
بوالہوس جامۂ عریانیٔ عشاق کو دیکھ   تو گریباں سی کیوں اپنا گلا باندھی ہی
یوں شرر چھڑتی ہیں جیسی کہ ہوائی ہی چھٹی   اک سماں آہ مری تا بہ سما باندھی ہی
دل سرگشتہ بھی ایک بلا میں ہی پھنسا   کبھی کھولی ہی کبھو زلف دوتا باندھی ہی
یہ تو تجھ سی نہ ہوا آوی شب تاریں یاں   تار شکووں ہی کا تو صبح وسا باندھی ہی
دیکھ کر توڑ اگلے کا کوئی دل دیتا ہی   منہ چرا پن سی تو کیوں اپنا گلا باندھی ہی
بی وفا ماندہ کی رکھی تو نہ تجھ پاس ہو یاں   کیا کروں یاد مرا دست وفا باندھی ہی
ناف آہو میں نہ کس طرح سی جا کر وہ چھپی   مشک کی مشکیں تری زلف رسا باندھی ہی
ایک جھگڑا لو کی دختر پہ ہوا ہی عاشق   دل مرا جان کی جھگڑی کی بنا باندھی ہی
جب جفا سی تری ہوتا ہوں خفا غصہ سی   ٹکٹکی میری طرف مہر و وفا باندھی ہی
جب کہا میں نی کہ جوڑی کو مری جان نہ باندھ   بند محرم کی میں باندھوں گا تو کیا باندھی ہی
کھول کر بالوں کو آشفتہ و برہم ہو کر   بیڑی کہنی سی کہا میری بلا باندھی ہی
سہل یہ طور ہی احسان غزل اک اور بھی لکھ   ہی کھلا سب یہ تو مضموں بندھا باندھی ہی

نالہ جوں رعد نہ رعب اپنا سدا باندھی ہی — آہ بھی برق نمط اپنی ہوا باندھی ہی
سلسلہ اشک مسلسل کا رہے حشر تلک — سہرہ عشاق کو کون اسکی سوا باندھی ہی
اس قدر پایہ دعا کا ہی کہیار و یہ دعا — توڑتی ہی فرق اجل دست قضا باندھی ہی
زاہدا دل میں نہ رکھ زہد ریائی کا خیال — کیوں تو ای کاودی مسجد میں گدھا باندھی ہی
باندھ کر ہاتھ ادب سی یہ کہا میں نی نگار — ق آپ کی پانی مبارک کو حنا باندھی ہی
ہنس کی بولی مری قدموں لگی آتی ہی یہ — میں باندھوں ہوں حنا کو مجھے کیا باندھی ہی
نصف شب کھوی ہی تو نی مرا در کھلوا — اب وہ بہتان مری سر پر کھلا باندھی ہی
دام اس زلف کی پھر دام لئی تو نی دلا — قرض بہتر نہیں کیوں اپنا گلا باندھی ہی
کس کی آمد ہی کہ بلبل کی گئی پاؤں میں پھول — گٹھریاں باغ میں غنچوں کی صبا باندھی ہی
تیری ابرو کا برا کون منا وے گا ساں — کون اس عہد میں تروار کھلا باندھی ہی
مطلب اس کا ہی نہ چنگا ہوں اسی واسطی آپ — پٹی زخموں پہ مری ماہ لقا باندھی ہی
بندگی میں تو یہ بندہ بھی ہی ای بندہ نواز — دست سی اپنی تو کیوں بند قبا باندھی ہی
اک ادا سی یہ لگی کہنی مجھی آن کی آپ — ق تو تو مضموں ادا سب سی جدا باندھی ہی

اس ادا بندی کا لیکن یہ عوض ہی احساں
میں اسی باندھوں گا جو تیری ادا باندھی ہی

دلربا تجھ سا جو دل لینی میں عیاری کری — پھر کوئی دل میں کیا دل کی خبرداری کری
کس کو اس کا غم ہو جس دم غمی وہ زاری کری — ہاں مگر تیرا ہی غم عاشق کی غمخواری کری
ہیں صحت میں ہوا اس چشم کی یہ حال دل — جس طرح انسان کو بےحال بیماری کری

منہ لگاوی زلف کو برہم ہو مجھ پہ حیف ہی — تو مسلماں ہوکی کافر کی طرفداری کری
کیا طرح جینی کی ہو جب حال دل ای جان من — ہر طرح سی بیطرح تیری طرفداری کری
آدمی بیکار یار عشق ناکارہ ہی محض — سچ ہی یہ انسان کو حیوان بیکاری کری
یار جب تو ہی نہ رہوی کسکو مطلب ہی کہ یار — ہر گھڑی کی پاسداری نازبرداری کری
میں خریداران کا ہوں جن کا یہ تجھ پر واری — اس کو وادو دل جو میری خریداری کری
مر گیا ہوں عشق میں پردہ نشیں کی ہمنشیں — گر ذریت چاہیی پردوں کی تیاری کری
ذکر جوئی شیر ہر دم اس لئی عاشق سی ہی — تا وہ غیرت سی ہمیشہ گریہ و زاری کری
تیری محلوں میں سنا ای رشک شیریں تو بھی — اشک خونیں سی یہ بندہ جوی خوں جاری کری
بخت ہیں بخت میری بخت دشمن ہیں وہ دوست — مجھ سی یوں توڑی نہ یاری بخت گر یاری کری
مشرق خانہ سی وہ خورشید عالمتاب تب — ہووی طالع جب مرا طالع مددگاری کری
بعد مردن دیکھ کر مجکو جھجک کر یوں کہا — میں یہ ڈرتا ہوں مبادی اب بھی عیاری کری
کیا کروں کیونکر جیوں جب دل پہ میری دم ستم — سو ستم آٹھوں پہر اک تو گرفتاری کری
مست می ہو کر جو میں لیٹا تو یوں کہنی لگا — بل بی تیرا ہوش بی ہوشی میں ہشیاری کری
مر گیا تو ٹل گیا کوہ الم سینہ سی یار — میں ہوا ہلکا ہوں تو کیوں نعش کی بھی بھاری کری

شعر احساں میں وہ جادو ہی بقول
جن سی ساحر ساری کب فسونکاری کری

تری کوچی میں جو ہم نالوں کی خوگر جائیں گی — وہاں کی سب اہل محلہ چھوڑ کر گھر جائیں گی
ہاتھ جب تجھ سی اٹھاوینگی کہ ہم مر جائیں گی — مت کرو قصہ کو یہ باکتنی ہی گھر جائیں گی
گھر لکھو میرا شاکر یہ کہ ہم گھٹ جائیں گی — ایسی باتوں سی سنا ہم مفت میں مر جائیں گی

ہاتھ جب غیروں کی یوں چلیوں کی اندر جائینگی — ہم تو ای پردہ نشیں اس گھری باہر جائیں گی
خاک آب گریہ سی آتش بھی ناچار ہم — جانب کوی بتاں جوں بادِ صرصر جائیں گی
کیوں تو روتا ہی دلا آفی دی روزِ عمل کو — اس قدر چھیڑونگا انکو وہ بھی رو کر جائیں گی
ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھر نیسی تمی ای ہمدم

ای خداوندا ای کریم ای کارساز ای بی نیاز — دولت دیداری تیری ولدر جائیں گی
کشتگانِ عشق قاتل جب تلک ہی دم میں دم — گہہ فدای تیغ وگہ قربان خنجر جائیں گی
پنجۂ مژگان خوں افشان عاشق دیکھ کر — کچھ بھی غیرت ہی اگر مرجان وہیں مرجائیں گی
خفتگان خاک بھی جاگیں گی جب ہم زیر خاک — یاد قد میں ساتھ لیکر شور محشر جائیں گی
بوسہ مانگا ہم نی دھمکا کر تو یوں کہنی لگی — ای لو تو دھمکی سی تمہاری کیوں نہ ہم ڈر جائیں گی

جائیں گی ہم دری تیری لیک باصد نالہ آہ
یہ غزل احسان کی پڑھ کر ای ستمگر جائیں گی

ہم نہ اس دری فقط با دیدۂ تر جائیں گی — داغ بر دل نالہ بر لب دست بر سر جائیں گی
کیا قیامت ہو گی محشر میں تیری خونین کفن — سینہ پر داغ کا جب لیکی محضر جائیں گی
تو نہیں آتا ہی جو کو مجھی پر ای دریای حسن — ہاں مگر نالی مری اوپر ہی اوپر جائیں گی
گریہ بیتابی دل ہی تو وقت خواب آہ — گاہ بستر پر کبھی ہم زیر بستر جائیں گی
یوں حاوی تیری دیوانگی سر پر وقت نزع — آہ دست و تیغ قاتل خون میں بھر جائیں گی
دمبدم بھرتا ہوں آہیں اسلئی میں وقت نزع — ہر غمخواری مگر لڑکوں کی پتھر جائیں گی
خاک کوی یار پر ہم جم گئی جوں نقش پا — ایسی اٹھی ہم نی پکڑی ہے کہ مٹ کر جائیں گی

زبردستوں سی تمہاری جھڑکیں جاتی ہیں بدیش
ہم زبردستی تمہیں گودی میں لی کر جائیں گی

روی زلف و قد پہ تیری رشک گل ہیں نیار
لالۂ و گل سنبل و سرو صنوبر جائیں گی

باز آئیں گی تپش سی کب دل و جان و جگر
جب میری چھاتی پر آ کر وہ قدم دھر جائیں گی

فوج غم ہلکار کر دل پہ مری ای جان من
کیا تم ہی آپ اب ہلکی کی لشکر جائیں گی

گر یہی پردہ ہی تیرا ہم سی ای پردہ نشین
کہدیا بی پردہ ہم نی بس کہ ہم مر جائیں گی

آئیں گی کیا کیا زمیں پر زلزلی ای فتنہ گر
آہ زیر خاک بھی دم تیری مضطر جائیں گی

کیوں نہ چیخیں کہ دل سا اٹھ گیا اپنا جگر
ہائی ہم فریاد کرنی کس کی در پر جائیں گی

بیستوں سی کوہ کن وادی سی مجنوں نعرہ زن
آئیں گی ہمراہ بھی گریاں مقرر جائیں گی

سر بسر سینہ عشق بھی دوڑ لگا ہم بھی ساتھ ساتھ
باغم و درد و الم با دیدۂ تر جائیں گی

ایسی نقشہ سی جہاں ہی یار کا نقش قدم
حضرت دل کا جنازہ آج لیکر جائیں گی

قصد کعبہ فرض ہے کوچے میں اس دلدار کی
گر مقدر میں ہی احسان ہم مقرر جائیں گی

مرا بھی نخل دعا مجکو بار دکھلا دی
الٰہی یار خط مشکبار دکھلا دی

ہمیں مدینہ کو پروردگار دکھلا دی
خدا رسول خدا کا مزار دکھلا دی

امید بوسہ کہاں جب عذار ہی اپنی
ہزار عذر سی وہ گلعذار دکھلا دی

اجڑ گیا ہی دیار دل اس میں اب کوئی
ہماری بستی کو اجڑا دیار دکھلا دی

عنان صبر نہیں تھمتی زینہار مجھی
سمند ناز نہ وہ شہسوار دکھلا دی

وہ روز روزن دیوار میں سی راز کہیں
یہ روز روز ہمیں روزگار دکھلا دی

کہا یہ میں نے کہ اس آشنا کا قائل ہوں | جو ہر عشق کا ہمکو کنار دکھلاوے
بغل لپیٹ کی بو نے تجھے ہی مدِ نظر | کہ اس لپیٹ میں اپنی کنار دکھلاوے
نہ میکدہ میں کرو ذکر محتسب رندو | خدا نہ وہ شتر بے مہار دکھلاوے
کیا جو وارثی میں دل کو بوٹی ہی کوئی | کہ اسکو آج ہی گنگا کا پار دکھلاوے
جو حکم ہووے تو دل اپنا ہاتھ پہ رکھ کر | یہ نذر اُن کی یہ جان نثار دکھلاوے
خیال اس کی جو پستان کا بھول بھی جاوں | تو آپ چھیڑ کی کافر انار دکھلاوے
ہماری منہ کو نہ کھلوائے کہدو ناصح سے | پھر اپنی منہ کو نہ یہ نابکار دکھلاوے
نہ لالہ زار کو دیکھو کبھو مری صاحب | جو یہ غلام دل داغدار دکھلاوے

وہ آرسی ہی لئے ہاتھ میں مرا مطلع
یہ اسکو لکھ کی کوئی دوستدار دکھلاوے

ہمیں نہ ان کی ایکدم سنگار دکھلاوے | تو آئینہ کو ہمیشہ بہار دکھلاوے
رخ مراد خدا مجکو یار دکھلاوے | کہ یعنی تیری قدم ایکبار دکھلاوے
ہوئے مشق ستم اس ہماری نو خط کو | کوئی ہماری بھی لوح مزار دکھلاوے
قلق سے دل کو مری جان پر ہے آن بنی | خدا کسی کو نہ یہ اضطراب دکھلاوے
یہ دکھ نہ دیکھ سکوں گا کہ میری جہہ کو فلک | تو آپ دیکھی ہمیں انتظار دکھلاوے
اجل سے کہدو کہ بس اب نہ اس سے زیادہ | عذاب زندگی مستعار دکھلاوے
نہ کیوں کہ پھولیں مری دست صبا کہ جیب گل | گلے میں پہن کی پھولوں کی ہار دکھلاوے
بھروں جو فکر میں زلفوں کی آہ برہم ہو | کروں جو ذکر مژہ کا کٹار دکھلاوے
جو پوچھوں دل کی خبر پنجۂ نگاریں سے | حلال کر کی کبھو تیز نگار دکھلاوے

غیر دیکھے ہے جھلک تیری کہاں اے پردہ نشیں
آتش اس پردہ کو لوکا تیری چلون کو لگے

تیرے قدموں کو لگوں تو مرا رتبہ ہو بلند
زر خالص ہے جو پارس کبھو آہن کو لگے

اب کے تو ایک غزل ست سے پڑھ دے احسان
تا نظر تیری تم اس نظم کے گلشن کو لگے

شب کو جانے جو نشہ میں وہ نشیمن کو لگے
میں یہ بولا کہ نہ ٹھوکر کہیں دشمن کو لگے

سن کے بولے میرے دشمن کا بنا دوست تو اب
آگ اس جسم کو جو یے بولے کہ بجھڑن کو لگے

میں کہا شاعر پُرفن سے یہ باتیں باتوں
بولے جھلسا تجھے لوکا ترے اس فن کو لگے

سارے جھوٹوں کا تو سردار ہے کم ظرف ہے تو
تن کو کیا ہاتھ نہ تیرا مرے بر تن کو لگے

بات کچھ کہہ تو نصیحت کی ادھر دیکھے ہے کیا
کیوں لگا گھورنے لوکا ترے لچھن کو لگے

تو نے ماتم کدہ عالم کو بنایا ہے مگر
آگ اس تیرے دل شیوہ شیون کو لگے

ساقیا اس کی تشنگی میں بہرکیف یہ کہہ
بس گئی ایسے ہے خنکے تیری سوکن کو لگے

غزل

نقدی داغ دل غم الفت میں مل گئی
دولت لکھی تھی جو میری قسمت میں مل گئی

راحت نہ ایکدن شب محنت میں مل گئی
بخت ہماری خاک مصیبت میں مل گئی

راہ مانگ کی نہ جادہ محنت میں مل گئی
یہ تو سڑک ہے کوئی محبت میں مل گئی

یک زخم تیغ منہ پہ لگا کر مجھے کہا
رنگت تیری شہاب کی رنگت میں مل گئی

فرمانے نحن اقرب ہم وصل سے ہیں دور
تبعیت فراق طبیعت میں مل گئی

عالم تمام مظہر ذات احد سمجھ
وحدت کی راہ ہم کو کثرت میں مل گئی

رو بھی عروس عیش تو پروا نہیں ہے کچھ
تنگی میں تھی الگ وہ فراغت میں مل گئی

بارہ برس کی عمر میں ہے چودھویں کا چاند
صورت کسی کی چاند کی صورت میں مل گئی

احساں کی راہ قطب تو مکہ کی راہ تھی
یک آرزو تو تھوڑی ہی مدت میں مل گئی
صد شکر بادشاہ کا مجرا ہوا نصیب
دولت جو لکھی تھی میری قسمت میں مل گئی

قطعہ

میں یا لکھوں تو یار تو بڑھ کر خفا ہوا
خوبی شکر ساری شکایت میں مل گئی
لکھی تو نقطہ چاٹی مرا اس میں کیا قصور
ظالم صداقت اپنی صداقت میں مل گئی
بابت کی بدال ہر لکھی بدتر مجھے کیا
اصلاح خوب آج تو بابت میں مل گئی
غرلت نشیں ہے دختر رز خم میں زاہدا
وہ مل کے تجھ سے تیری ہی ملت میں مل گئی

عیب گیری سے حذر اہل ہنر کرتا ہے
قصد آہو میں مگر اوقات بسر کرتا ہے
رخ پہ وہ زلف ادھر گاہ ادھر کرتا ہے
صبح کو شام کبھی شام سحر کرتا ہے
دست بر سینہ اگر تو ہے تو لازم ہے تجھے
ابر مجرا تجھے اے دیدہ تر کرتا ہے
زاہدا سجدے میں یہ دیر نہ کر بھید ہے اور
گنج قارون پر تو حسرت سے نظر کرتا ہے
زخمی نام نہ ہو نقش نگیں کے مانند
نام داری ہے مگر نام هنر کرتا ہے
میں کہا بیٹھئے جی بولے کہ رات آدھی تجھے
کیا ابھی بیٹھوں کہ جی میرا خطر کرتا ہے
میں نے جب سیج سے رکھا صبح
اس طرح کی بھی دعا کوئی بشر کرتا ہے
پاؤں کو ہاتھ لگایا تو بہ عذر تقصیر
بولے یہ فعل نہ بارد گر کرتا ہے
گل رعنا کو نہ لایا مس ہمارے ہمدم
اپنا دل بوئی منافق سے حذر کرتا ہے

سرمہ چشم بتاں کی کہوں کیا چیز ہے یہ
گھر کے گھر کھودے اور گھر کرتا ہے

داغ دل کو رکھوں عشق میں کسطرح عزیز
کہ میرے واسطے یہ سینہ سپر کرتا ہے

اثر گردش چشم بت پرفن ہے یہ جو
بحر کو جا کے میرا اشک بھنور کرتا ہے

اس تیرے در سے کہاں جاوے دیوانہ تیرا
کار زنجیر یہاں حلقہ در کرتا ہے

تجھکو ہے عزم سفر اور دی مری جان تجھ پہ
تیز دنداں سدا سیں سفر کرتا ہے

بے خبر بے خبر احوال سے میں تیرے نہیں
مجھکو ہر کار کے ہرکارہ خبر کرتا ہے

کیا وہ مومن ہیں جو کہتے ہیں کہ سہواً جبرئیل
سوے خیر البشر اسے بار گذر کرتا ہے

یہ وہ فرقہ ہے کہ شیطان علیہ اللعنہ
ان کے مکروں سے شب و روز حذر کرتا ہے

کیا یہ گلشن میں شغل سی دیان تجھکو
غنچہ لالہ کو شرمندہ مگر کرتا ہے

مہربانی سے نہ اٹھ غیر کی تعظیم کو تو
فتنہ برپا ابھی یہ رشک قمر کرتا ہے

عاشقانہ غزل تلمذہ تو پڑھے احسان
نظر عشق سے معشوق نظر کرتا ہے

اسکو گولا لگے یعنی یہ شب اول شباب
توپ کیوں صبح کی یہ توپچی سر کرتا ہے

مدام زلفیں ہیں برہم پچیں سدا سرکش
پریشانی کس نے ہیں کسی رو دیا گھڑی

تصور صف مژگاں ہے ملے کشور دل میں
پناہ تیری کہ تو نے تباہ کی گھڑی

زبس یہ فوج پڑی ہے اسکی دہشت سے
بغل میں چرخ کی ہے ہر شب ہی ماہ کی گھڑی

سرخ پٹھا جو بندھا ہم پہ کھلا راز میاں
نہیں بے پیچ کہ پیچ اس تیری دستار میں ہے

تیرے ابرو کا جو کشتہ ہے وہ زندہ ہے مدام
اثر آب حیات اس تیری تلوار میں ہے

بسکہ گریاں غم فرہاد میں ہے کوہ مدام
آب شیریں ہے رواں دامن کوہسار میں ہے

قطعہ

تجھکو بھی کچھ ہے خبر رووے تھا جو آٹھ پہر / جان اصلاح نہیں اس عاشق ناچار میں ہے

تین یا پنج اس میں نہ کر جائے شش و پنج ہے یہ / ایکسو شکر ہے پر چا ابھی دو چار میں ہے

قحبہ دنیا سے یوں ہم مکر و فن سے لگ چلی / جوں جوان پر طمع ایک پیرزن سے لگ چلے

اس پری سے شب جو ہم دیوانہ ہیں سے لگ چلی / لگ نہ لگ بے حیائی کو یوں سو جتن سے لگ چلے

جوں ہی آیا سیر گلشن کو میرا سرو بلند / شرم سے شمشاد جھک جھک کر چمن سے لگ چلے

عادی ظلم و ستم خوگردہ شور و شغب / عیش سے ہو کر الگ رنج و محن سے لگ چلے

یوں الگ رہو تم کہ لگ کیسی نہ دو یارے ہیں کہیں / دل تمہارا بھی کسی پیمان شکن سے لگ چلے

گوہر اشک اپنی اے نیساں یہ چشم تر نہ دیکھ / آب میں یہ قیمت میں یہ در عدن سے لگ چلے

چل بچل کہنے سے تیری چل بچل ہوتا ہے جی / چال جب یہ کچھ تجھے بد چلن سے لگ چلے

ق

نخل بنداں اجل لے گئی کیا کیا نہال / اس چمن سے ہیں اب لگنگے اس چمن سے لگ چلے

باغباں قضا نے اس قدر کی پرورش / الله الله کیا او ہاں یہ بود باچا کہیں سے لگ چلے

مطلع تازہ پڑھیگے اور بھی احسان کر پھر / دل کسی سے جب لگا شعر و سخن سے لگ چلے

بعد مردن کون ہم سے خستہ تن سے لگ چلے / لگ چلا ہم سے کفن یا ہم کفن سے لگ چلے

روم روم اپنا تو ہے شام غریبی پر نثار / اپنی وہ جانی کہ جو صبح وطن سے لگ چلے

آج کچھ کڑوا ہوا شیریں سے خسرو ہے ستم / وہ بھی عیاری اگر ہو کوہکن سے لگ چلے

ہای ری قدرداں پستاں اے تیری قدرت کریم / کچھ انار اب ان دنوں سرو چمن سے لگ چلے

سعی ترانی عشق میں پرہیز تجھ سے لازم ہے یار — یاں اوسی کی فتح ہے جو صرف تن سے لگ چلے
سب زنوں میں بد ترین زن ہے یہ دنیائے دوں — وہ عجب نامرد ہیں جو اس زن سے لگ چلے
میں تمھاری عقل پر دیوانہ ہوں تم کیوں ملا — اس دوانے یار سے کج سخن سے لگ چلے
عشق ہی ای عشق جان فرسا تو بدائے درد و غم — مژدہ احساں زخم تو داغ کہیں سے لگ چلے

غم یاں تو بکا ہوا کھڑا ہے — فدوی ہے فدا ہوا کھڑا ہے
ہلتا نہیں تیری در سے یہ عشق — مدت سے ملا ہوا کھڑا ہے
خونین کفن شہید الفت — دولہ سا بنا ہوا کھڑا ہے
ٹک گوشہ چشم ادہر بھی کوئی — کونے سے لگا ہوا کھڑا ہے
دامن کا ہے گھیر گرد جاناں — کیوں جی وہ گھرا ہوا کھڑا ہے
یوں دل کو بغل میں میں نے پالا — یہ مجھ پہ پلا ہوا کھڑا ہے
یہ سوختہ آبلوں میں دیکھو — ہے لدا ہوا کھڑا ہے
کیا سمجھے نماز عشق ناصح — قبلہ سے پھرا ہوا کھڑا ہے
مجری کو تمھارے ابروؤں کے — محراب جھکا ہوا کھڑا ہے
گر گریہ ہے خانہ دل — بیٹھے ہی گا کیا ہوا کھڑا ہے
میزان نہیں ملتی میری اوسکی — غصہ میں پلا ہوا کھڑا ہے
گھر سے تو نکل کر در پہ احسان — کیا غم میں گھرا ہوا کھڑا ہے
پلکوں سے گری ہے اشک ٹپ ٹپ — ہٹ سے وہ لگا ہوا کھڑا ہے

قطعہ

شجر کو وہ جلی آہوئے ہاموں ٹھٹھرے — ہے ٹھرا ایسی میرے دل میں ہے مضموں ٹھٹھرے

کوہ و دریا میں ہے تاثیر برودت یاں تک — سنگ میں لعل صدف میں در مکنوں ٹھٹھرے
ٹھٹھر سے کانپے ہے سمندر درون آتش — شل دکان زمین ساکن گردوں ٹھٹھرے
ٹھنڈ سے کانپے ہے فرہاد یہ کہتا ہے یہی — مجھکو اندیشہ ہے شیریں کا نہ گل گوں ٹھٹھرے
سر اٹھایا ہے یہ سردی نے کہ عشاق کی اب — بسر نوک قطرہ اشک بر جلوں ٹھٹھرے
ہاتھ سے ٹھٹھر کے دم گرم ہے بولی لیلیٰ — کہ بیاباں میں میرا آہ نہ مجنوں ٹھٹھرے
ٹھنڈے ٹھنڈی ہے آتش تہ تیرے مرخ — کیا تعجب ہے اگر خم میں فلاطوں ٹھٹھرے
بلبی ٹھٹھر بلبی ہوا بلبی برودت احسان — مجھکو ڈر ہے نہ میرا نالہ موزوں ٹھٹھرے

ولہ

نہ لوں میں ہاتھ میں سبحہ شراب کے بدلے — کبھی ستارے نہ ہوں آفتاب کے بدلے
سمجھتے زینت دیبا ہے چشم اہل علم — دو شالہ میں نہ خریدوں کتاب کے بدلے
ہاتھ میں میرے نہیں محرم سنہری رات سے — چھٹ گئی ہیہات گیا سونے کی چڑیا ہاتھ سے
کیا ہی بادل نظر آوے ہیں دھواں دھار مجھے — آج تو دے بط مے اے بت مے خوار مجھے
برق چمکے ہے دکھا موج تبسم مجھ کو — ابر برسے ہے دکھا لعل گہر بار مجھے
مجھکو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ثواب — زاہدا تو ہی بتا خانہ خمار مجھے
برہمن ہیں متلاشی تن لاغر کے میرے — زلف کافر نے دیا رتبہ زنار مجھے
تیرگی اتنی آگئی اس آئینہ رو کے منہ پر — سانس لینا بھی ہوا اب تو ہے دشوار مجھے
اس شب تار میں عزم سفر کوئی مصمم — بس ہے یہ آہ جہاں سوز مددگار مجھے
جو جلا دوں جو اگر روئے عیش مجھکو عشق — میں جھٹک دو جو اگر تو کا پلیدار مجھے
جب خیال آیا کہ اڑ کر ترے در پہ پہنچوں — خواب میں آئے نظر جعفر طیار مجھے

اس پری کا دل دیوانہ ہے دیوانہ سدا
جن کے دیوانے ہیں اس پری کو ہی کتنے

ہیں عدد رشک گلستاں کی ہزار اور کئی
بوسے بتلائے لوں رشک گلستاں کتنے

تیرے مجنوں کو تیرے تیر کا ازبس ہے خیال
جھڑ جھڑایا تو گرے جسم سے پیکاں کتنے

ساتھ اغیار میں کیا اس سے کروں بات بھلا
ایک انساں کے ہمراہ ہیں شیطاں کتنے

تیرا دیوانہ مقید ہو یہ ممکن ہی نہیں
توڑ ڈالے سر پر شور سے زنداں کتنے

تیرہ گرمی دوزخ ہے جوائے سوختگاں
وہاں مدفون ہیں شاید دل بریاں کتنے

شجر طور کی شاخیں ہیں وہ ساعد احساں
جھکے ہیں طائر قدسی بھی ثنا خواں کتنے

غزل

ذات اسکی کوئی عجب شے ہے
جس سے سب واقعی وہی عجب شے ہے

واقعی عاشقی عجب شے ہے
عاشقی واقعی عجب شے ہے

جس کے دل کو لگی وہی جانے
جان من دل لگی عجب شے ہے

اس میں ہرگز نہیں ہے جای سخن
الغرض خاموشی عجب شے ہے

بے خودی گر ہو خود تو آکے ملے
اے خدا بیخودی عجب شے ہے

اسی پہ مرتا ہوں وقت بوس و کنار
تیرا کہنا نہ جی عجب شے ہے

ایک سے تیس دن نباہ کر دوست
ایک سے دوستی عجب شے ہے

منہ پہ کہدینا عیب عیب ہے یہ
عیب پوشی اجی عجب شے ہے

کیا دھواں دار شعلہ رو ہے بنا
اودی پوشاک بھی عجب شے ہے

عادسی اس سے اہل دید کو ہے
مت کہو آرسی عجب شے ہے

سرو کو اس کے قد سے کیا نسبت — منصفو راستی عجب شے ہے
قبلہ و کعبہ اس کو سمجھے ہے — حرم شیخ جی عجب شے ہے
ایک بوسہ نہ دو نہ تین نہ چار — یار جی منصفی عجب شے ہے
ہونٹ ہوتے ہیں وقت غنچہ جدا — چپ بھلی خاموشی عجب شے ہے

قطعہ

اگر جنگل میں شب جائے کھوئی تو کیا تعجب ہے — مگر تحقیق ہو تو چور کی شکل کی رہائی ہے
مری تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلی میں — بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دہائی ہے
کہاں لے چشم دوات احسان ہے روشن کو اپنی مطلق — عجب اندھیر ہے کہتے ہیں اسمیں روشنائی ہے

ولہ
برائے حضور والا

نہیں یہ اشک خونیں رات عشرت کی جو آئی ہے — سر انگشت مژہ پر چشم نے مہندی لگائی ہے
بری ہوتی ہے آہ سرد عاشق جان من دیکھو — نہ دیکھو تم مری جانب کو یہ کس نے سکھائی ہے

محفلِ عیش میں جب یار نہ دیکھے احساں   حلقۂ ماتم کا ہوا حلقۂ اغیار مجھے

غزل

اب تو اس آہ فلک فرسا کا یا حوال ہے   دود پیچاں جس کا اُسے عرش میں خلخال ہے
آسماں حسن تو ہے جون ستارا خال ہے   [1]مہر ٹکھڑا چاند ٹیکا ماہ نو خلخال ہے
مہر چھتری ہے ترے نفتۂ جگر کے روز حشر   دامن صحرائے محشر اس ٹکڑا ایک رومال ہے
بچہ مار سیاہ ہے کنڈلی مارے ہوئے   کون کہتا ہے کہ زیر زلف قاتل خال ہے
کو فیض کیا گیا اٹھا کر دست مردم سے چھٹیں   جون تفنگ اہل خزاین بر بڑی دیتال ہے
تیرے فتنوں سے وہ کیونکر زہر کھا کر مرے   شہر میں ہڑتال ہے ملتی نہیں ہڑتال ہے
ہوں وہ شاہ ملک عشق اے قیس صحرائی بیاں   خیمۂ افلاک جس کی ایک پرانی چال ہے
اضطراب دل پہ میری تو عبث تہمت کر   جنبش ابرو سے تیری ہر طرف بھونچال ہے
منہ طمانچوں سے کیا عشاق کا بے وجہ لال   پان ہو سر سبز جس سے تیرا تہ ہی لال ہے

قطعہ

دکھایا زلف کا عالم تو بس میرا یہ عالم ہے   اساس جبر و پیہم ہے بنائے عقل درہم ہے
نہیں ہے خرمی زیر نگیں تاج دوراں میں   اگرہ شاہ جہاں یہاں ہے برائے نام خرم ہے

غزل

مجھکو چھیڑا تو پھر ان کو بھی نہ چھوڑا میں نے   سر کو پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں پشیماں کتنے

---

[1] مہر ٹکھڑا، چاند ٹیکا ماہ نو خلخال ہے۔

حکم محکم ہے یہ اس طرز ظفر پر احسان — تو بھی شاعر ہے سنا آن کر اشعار مجھے
باز آیا میں تیرے حکم سے اے کبک خرام — روغن قاز نہ مل اے بت عیار مجھے
یہ کبوتر کا اڑاتا ہے گر ہو سہل نگار — سوچتے چاہیے اب معنی تہ دار مجھے
عید کی شب بھی میسر نہیں دیدار مجھے — ناخن شیر ہے یہ ماہ نوائے یار مجھے
زندگی سے ہے کیا عشق نے بیزار مجھے — کسی دشمن کو نہ ہو جو کہ ہے آزار مجھے
میں ہوں وہ داغ محبت کہ نہ چھوٹوں تا عمر — گر کلیجے سے لگائے کوئی یک بار مجھے
بوسہ لب تو لب جام کو دیتا ہے فقط — کبھی دو چار لئے اور کبھی دو چار مجھے
میں نے اتنا ہی کیا تھا کہ تو یوسف ہے عزیز — گالیاں اس نے سنائیں سر بازار مجھے
لوگ کہتے ہیں کہ بے جرم نہیں تجھ سے خفا — کیونکر بگڑ کر تو بتاتا ہے گنہگار مجھے
میں دعا دوں تو کہتا ہے یہ ہر شب ظالم — کون کوسے ہے کھڑا یہ پس دیوار مجھے
اپنی حرمت کی قسم گر تو رکھے مجھ کو ذلیل — اپنی عزت کی قسم گر تو رکھے خوار مجھے
تجھے سرمے کی قسم دل میں تو رکھیو غبار — تجھکو آنکھوں کی قسم رکھیو نہ بیمار مجھے
شعبدہ بازی یہ زلف سیاہ یار کی دیکھ — دن ڈھلے روز دکھائے ہے شب تار مجھے
گردش انجم و افلاک سے سب خاک ہوئے — نظر آتا ہی نہیں اب تو کوئی یار مجھے

پھر تیا دوج ہے گرتا کوئی — بگڑے کوئی ہے سنورتا کوئی
× کوئی دیکھو کہ میرا دل ہی نہ ہو — کوچۂ جاناں میں ہے مرتا کوئی
سخت ہے قحبہ دنیا بے شرم — کوئی چڑھتا ہے اترتا کوئی
اے اجل جا کے میرے پاس ہے یار — جان ہوتے نہیں مرتا کوئی

33

بھی نہ روزِ قیامت کا ہول ای واعظ   خدا نہ ہم کو شبِ ہجرِ یار دکھلاوی

شبِ فراق تو وہ ہی بلا کہ اک پل میں   ہزار صدمۂ روزِ شمار دکھلاوی

جوابِ خط کو طلب کیا کروں کہ جب قاصد   بدن پہ تیغ کی خط بار بار دکھلاوی

گلوں کی کان لگی پھر نہ بلبلِ غمناک   جو آنکھ اپنی تو ای گلعذار دکھلاوی

ہمیشہ رہو ی نمک داغِ دل پہ یا قسمت   کہ عشق ہم کو یہ لیل و نہار دکھلاوی

جدھر سی اس کا گذر ہی کوئی مجھی احساں
کسی طریق سی وہ رہ گذار دکھلاوی

محفلِ عشق میں جو یار اٹھی اور بیٹھی   ہی وہ ملکا کہ سبکبار اٹھی اور بیٹھی

رقص میں جب کہ وہ طرار اٹھی اور بیٹھی   بیقراری سی یہ بیمار اٹھی اور بیٹھی

کثرتِ خلق وہ محفل میں ہی تیری یک شخص   نہیں ممکن ہے کہ یکبار اٹھی اور بیٹھی

سر اٹھانی کی بھی فرصت نہیں دیتا ہی   جو حبابِ سرِ جو یار اٹھی اور بیٹھی

خوف بدنامی سی تجھ پاس نہ آئی ورنہ   ہم کئی بار سن ای یار اٹھی اور بیٹھی

درد کیوں بیٹھی بٹھائی تیری سر میں اٹھا   کہ قلق سی تری سو بار اٹھی اور بیٹھی

تیری دیوار تو کیا گنبدِ دوّار بھی یار   چاہیئے آہ شرر بار اٹھی اور بیٹھی

آپ کی مجلسِ عالی میں علی الرغم رقیب   باجازت یہ گنہگار اٹھی اور بیٹھی

آپ سی اب تو اس احقر کو سروکار نہیں   جس جگہ چاہئی سرکار اٹھی اور بیٹھی

حضرتِ دل سپرِ داغِ جنوں کو لے کر   یوں برِ عشقِ جگر خوار اٹھی اور بیٹھی

چوں دلیرانہ کوئی منہ پہ سپر کو لیکر   شیرِ خونخوار کو للکار اٹھی اور بیٹھی

کفش دوزان کی جب اپنی برابر بیٹھیں   ایسی مجلس میں تو بیزار اٹھی اور بیٹھی

تہ بند آئیا تو گوارا نہیں رندوں ہم کو   اپنی اس بزم میں مکار اٹھی اور بیٹھی

دونوں کانوں کو پکڑ کر کہتی ہی اسکی سزا
کہہ دو سو بار یہ عیار اٹھی اور بیٹھی

بیٹھتی اٹھتی اسی طرح کی لکھ اور غزل
جس میں احسان ہو نہ بیکار اٹھی اور بیٹھی

بیٹھکوں میں وہ دل آزار اٹھی اور بیٹھی
ہر تعظیم یہ بیمار اٹھی اور بیٹھی

بیٹھکیں دو کری نادان محبت ہی یہی
کیوں نہ اس ڈنڈ میں یہ زار اٹھی اور بیٹھی

بحر الفت میں ہی آٹھوں پہر اپنا یہ حال
جیسی ڈوبا ہوا ناچار اٹھی اور بیٹھی

طاقت اٹھنی کی نہیں تونی بٹھایا ایسا
اب یہ حالت ہی کہ یکبار اٹھی اور بیٹھی

لگ گئی گرچہ تھی بستر سی یہ عشاق تری
باری کھا کر غم بسیار اٹھی اور بیٹھی

وقت آنی کی مری جان تری پاؤں کی صدا
سن کی اس طرح یہ بیمار اٹھی اور بیٹھی

بستر خواب سی جس طرح کہ بروقت اذاں
با ادب زاہد دیندار اٹھی اور بیٹھی

ہی پری کی بھی یہ صورت تری محفل میں کی یا
جیسی خدمت کو پرستار اٹھی اور بیٹھی

دل ہے یوں محفل خوباں جہان میں تجھ بن
جوں کبوتر کہیں ہشیار اٹھی اور بیٹھی

شب جو ہمسایہ میں تم آی پری سی بن کر
دل کی بیتابی سی ہم یار اٹھی اور بیٹھی

رات اپنی تو اسی خوف و رجا میں گذری
جھانکنے کو پس دیوار اٹھی اور بیٹھی

بازی عشق کو عشاق میں سیج ہی احسان
تیری ہمت ہی کہ تو ہار اٹھی اور بیٹھی

میرے ایک دل پہ سو سو بار صدمہ جاں کنی کا ہے
جیوں کیونکر اجی تم بن عجب اجلال جی کا ہے

اٹھی ہی درد میٹھا میٹھا میری دل میں اس غم سی
تو ای شیریں دہن نیلا بدن کیوں تیرا بھیگا ہی

وہ ہنسنا ناز سی تیرا رلاتا ہی سدا مجکو
ہنسی مت جان یہ رونا یہ رونا اس ہنسی کا ہی

خلش ہی خارِ غیرت سی رگِ جاں میں مری ہر دم
تمہیں احوال بھی معلوم ہوتا یہاں کسی کا ہی

کیا کیوں غیر کو ای غیرتِ گل بزم میں داخل
کرو خارج اسی پہ خارجی تو خارجی کا ہی

ترا حق ہے کہ تو ٹھیا لگا دی شہر میں ای مہ
تجھی ہی بس یہ زیبا ہے تری ماتھی پہ ٹیکا ہی

جو خود میں ہوں خدا جانی کہ ہو کیا حال وقت ہی
خدایا خود بخود مجھ پر کرم یہ بیخودی کا ہی

ادھر کعبہ ہی ای زاہد سمجھتا میں بھی ہوں لیکن
ادھر کھینچی ہی دل مجکو نہ رستہ اس گلی کا ہی

نثارِ خاکپای شاہِ جیلاں کیوں نہ ہو احساں
نواسہ وہ نبی کا اور پوتا وہ علی کا ہی

الاماں اے شیخ اس آزار سے
رشتہ ہے تسبیح کو زنّار سے

ص۱ کذا فی الاصل
ص۲ یہ غزل صرف نسخہ 'ج' اور 'د' میں ہے۔

ناک میں آیا ہے دم کفار سے — نکلو یا سلطان غازی غار سے
کثرت گبران اگر منظور ہے — ایک کو دو کیجئے تلوار سے
زاہدا زلف بتاں ہے اور تم — اب بچا بچئے خدا کی مار سے
آگ کو بالوں سے باندھے کوئی کیا — دل بندھا اعجاز زلف یار سے
اے ترے بت کو ہے رسا برہمن — مجھکو دھمکاتا ہے توڑ زنار سے
لن تنالوا البر حتی تنفقو...... — ہاتھ اوٹھاؤ شیخ جی دستار سے
جب فقیری رسیاں باندھے کمر — کیوں ڈرے پھر طعن دنیادار سے
سر اگر ننگا رہا کیا ہم کو ننگ — پاؤں میں جوتی نہیں پیزار سے
یوسفستان ہے یہ دل تو مت نکل — اے زلیخا ایسے یوسف زار سے
سم ہے میری فارسی بہر عدو — موش مرجاتا ہے سم الفار سے
غافلا صید ہمائے عشق کر — باز آ اس جبہ و دستار سے
زاہدا تسبیح و چلہ کیا ضرور — مثل مرغ اینڈی مت زنہار سے
عاشقانہ سی غزل احسان تو پڑھ — فائدہ بے فائدہ گفتار سے
مجھکو تھامو عشق کے ہیں آثار سے — کس نے جھانکا رخنہ دیوار سے
پھٹی سی منہ اور دل اغیار سے — رنگ منہ کا اڑ گیا پھٹکار سے
ہجر میں زلفوں کی تیسل کھا گیا — ہاتھ دھو بیٹھا دل بیمار سے
الامان دوزخ کہتا الحفیظ — الحذر اس آتش یار سے
چوک میں چوکا کہ جو نکایا اسے — خالی نہیں آیا بھرے بازار سے
بالی کو بالا بنایا لے کے دل — ہار بیٹھا موتیوں کے ہار سے
ایک محلہ کو جگایا کھانس کر — جب بلایا میں نے شب کھنکار سے

آج زیر عرقہ پردہ نشیں — یہ صدا نکلی دل بیمار سے
جو نہ دکھلائے ہیں دیداریاں — وہ رہی محروم وہاں دیدار سے
رخ دکھایا یوسے کیوں دیتے نہیں — نادہندی ایسی خدمت گار سے
ہے یہی معمول تنخواہ از قدیم — چاند دیکھے ملتی ہے سرکار سے
خسروا تاثیر الفت پر ہوں غش — سر پٹک غیرت سے تو دیوار سے
کوہکن رویا تھا اشک تلخ لیک — آب شیریں ہیں رواں کہسار سے

قدرداں شعر احساں اب کہاں
پھر گیا دل موبہ مو اشعار سے

تم سا کوئی تم ہے تیرا اپناہ تیری — پڑی ہے چار طرف ایک نراہ نراہ تری
طریق پر جو نہیں تو ہے رہ نہ میرے ساتھ — وہ راہ میری ہے ای جان جدا یہ راہ تیری
دلا تو عشق میں ہر لحظہ اشک خونیں رو — کہ سرخ روی اسی سے ہے روسیاہ تیری
میں اتنا بازی الفت میں کیوں نہ ہوں ششدر — جو مانگو پانچ دو پڑے ہیں خواہ مخواہ تیری
غزل جو سُست ہو احساں تو واہ واہ نہ کر — کہیں گے خلق کہ واہ ہے واہ واہ تیری

عشق کی دولت سے جب غش سا مجھے آ جائے ہے — آپ وہ روے ہے اور تلوے میرے سہلائے ہے
گرمیٔ الفت سے آنسو چشم تر برسائے ہے — بہلی گرمائی ہے پیچھے جسطرح مینہ آئی ہے

کیا ٹھکانا تیرے وعدہ کا بت پے پیر ہے — آج ہفتہ اور کل اتوار پرسوں پیر ہے
جب کہا میں نے کہ مجھ سے نوجواں پر یہ ستم — کچھ خدا کا خوف بھی تجھکو بت بے پیر ہے
شانہ عوباف وکاکل کو دکھا کر یہ کہا — یہاں تو احسان کا ہے کوڑا اور زنجیر ہے
الفت میں تیرا رونا احسانؔ بہت بیجا — ہر وقت مینہ کا ہونا یہ رحمت خدا ہے
دوست کیا کیا مر گئے صاحب کمال افسوس ہے — جو کہ تھے اہل کمال انکا کمال افسوس ہے
ہیں لب پر تیرے خطاے یار جانی — مسیحا ہے مصروف انجیل خوانی
یار آتا ہے مجھے اسکی سوا یاد نہیں — تاب تسلیم نہیں قوت تعظیم نہیں
دونوں نے ایک ہو کر بے وجہ سر اٹھایا — کیوں خط کو سینہ لگایا زلفوں کو سر چڑھایا
اس در سے کہاں جاؤں کیا میرا نہیں گھر ہے — گھر ہے تو ایسی گھر ہے در ہے تو یہی در ہے
کورے سے نہیں آنکھ وہ بے آب ہوئی ہے — تیغ نگہ یار سیاہ تاب ہوئی ہے
الفت میں تیری رونا احسانؔ بہت بجا ہے — ہر وقت مینہ کا ہونا یہ رحمت خدا ہے

چشم مست اس کی یاد آنے لگی — پھر زباں میری لڑکھڑانے لگی
آگ اس دل لگی کو لگ جائے — دل لگی آگ پھر لگانے لگی

دل کو راحت ہے مرے کس کی صدائے پا ہے
کون اس وقت کرم آج ادھر کرتا ہے

تو نے باندھی ہے کمر ظلم پہ بے پیچ جہاں
ع تجکو بےچین میں درد کمر کرتا ہے

بوسہ مانگوں تو نہ دے اور جو برہم ہونگے
غصہ کھانے خفقانی کو ضرر کرتا ہے

منہ سے بو آئیگی اے غنچہ دہن جھوٹ نہ بول
تلخ کہنا ترا گو کار شکر کرتا ہے

بیٹھ مت راہ گذر میں نہ لگ جائے نظر
کہ ادھر غیر نظر اور گذر کرتا ہے

میں ہوں تیرے تیر ستم سے لیکن
دل کے قربان کہ یہ اتنا جگر کرتا ہے

کیوں نہ ہوں داغ سیاہ پوش کہ اب جینا
مجھ سے سر دفتر عشاق سفر کرتا ہے

بعد تدفین یہ توقیر ہے یعنی دامن
مع غــر ہاد قدم بوسی سحر کرتا ہے

کعبہ گو یکو لیکا ہے خادم مجنوں
سد مجنوں سر تربت پہ جنور کرتا ہے

دم نہ تو مارے ہی اور سانس نہ لیجیو تو سنا
آب شمشیر بتاں سر سے گذر کرتا ہے

کیوں خفا تو ہے کیا کہا میں نے
مرکہا تو نے مرحبا میں نے

کیوں صراحی مے کو دے پٹکا
تو نے توڑ دیا ہو وفا میں نے

ناتوانی میں یہ توانائی
دل کو تجھ سے اٹھا دیا میں نے

دیکھے یہ تجھکو یہ لیا کہ دیا
گوہر بے بہا لیا میں نے

کیوں خم مے کو محتسب توڑا
کیا کیا میں نے کیا کیا میں نے

ع جب تو بےچین تجھے درد کمر کرتا ہے۔

کیوں نہ ٹک ٹک کے آئے دم میرا تجھکو دیکھا رکا رکا میں نے
گل ہزاروں میں شمع عیش احسان
جیسے اس گل کو دل دیا میں نے

قطعہ

دیکھ کر چاک جیب عاشق کو یہ لگے کہنے وہ بہ عیاری
ان دونوں میں ہوئی ہے پھر احسان جیب کتروں کی گرم بازاری

قطعہ...... الٰہی بخش خاں المتخلص بہ معروف

تلون زود رنجی بد مزاجی یہ خو تیری مجھے احساں نہ بھائی
نہ ہوتا بحر الفت کا شناور جو تیرا تو ڈوبے آشنائی
جہاں میں وہ تو ہوا ہے تو بھی معروف جہاں جاویگا یاں ہے بے دنائی
کہے گی خلق یہ دیکھو وہ آیا الٰہی بخش صاحب کا بھائی
الٰہی بخشیو مجھکو ہے کہ غیبت زباں پر میری نادانی سے آئی
الٰہی بخش سے ہے کس کو نسبت نثار فخر حیز بادشاہی

قطعہ

شاہ جیلاں کے غلاموں میں ہم ہیں رتبہ اپنا ہے بلند اور ولی ہمت پست
ہمت پست سے کچھ اپنی ہمیں سدھ نہ رہی رہی میخانہ عصیاں میں مدام اپنی نشست

کیفیت تو ہی ہے بجھو نہ ہمیں خوار و ذلیل　　گو قدح خوار و خراب اور ہیں

ہم ہوں دو چار عدو آج ہوں دس میں ہزار　　ہم میں غالب رہیں اغلب کم نہ ہو گاہ شکست

با پیر جا کہ نہادیم قدح ختم شد　　غالباً صاحب نظری با ما ہست

دعا ہے کیسو ہوا خواہی ہے آشنا اپنے یار و نکو　　کہ مٹی بعد مردن دیویں ہم سے خاکسار و نکو

بحرم نہ اپنی اے مہ تاباں دکھائیں گے　　چیاں دو ماہ تو ہتہ داماں دکھائیے

نہیں یہ اشک خونیں رات عشرت کی جو آئی ہے　　سر انگشت مژہ چشم نے مہندی لگائی ہے

ولہ

دیا آئینہ میں ابرو دکھائی　　حلب میں یار نے مسجد بنائی

ولہ

شانہ و مو باندہ کاکل کو اٹھا کر یہ کہا　　یاں تو احسان کاٹ ہے کوڑا ہے اور زنجیر ہے

ولہ

اذیت میں ہیں جو کہ اہل رقم ہیں　　سدا سینہ چاکی نصیب قلم ہے

ولہ

نماز اپنی اگرچہ کبھی قضا نہ ہوئی　　ادا کسی کی جو دیکھی تو پھر ادا نہ ہوئی

Book 4 Page 31

ولہ

گریباں چاک ہے ہاتھوں میں ظالم تیرا داماں ہے　　کہ اس دامن تلک ہی منزل چاک گریباں ہے

قطعہ

غم شیریں میں کوہ کن نے کہا　　دل کی بستی میری اجاڑ نہ ہوئی

بے ستوں تو کٹا پہ یہ کٹی — آج کی رات کیا پہاڑ ہوئی
جب زرہ تن پر بھی ہاتھوں پہ دستانے لگے — دیکھ کر یاران کی سج غیروں کو دست آنے لگے
شب پیئے وہ شراب نکلا ہے — رات کو آفتاب نکلا ہے
کون ثانی شہر میں اس میرے ماہ پارے کی ہے — چاندنی صورت ڈوپٹہ سر پہ یکتارے کا ہے

قطعہ

سن کے وصف اس کی چشم کا نرگس — رشک سے بولی میں نہ بوئی تھی
پھر لگی کہنے چشم باغ ہوں میں — ختم مجھ پر ہے جو نکوئی تھی
ہیں بخیہ مثل نرگس کی — سب تو بوئے تھے میں نہ بوئی تھی

دو دن سے خطاب اسکو بہادر کا ہوا ہے — ہر ایک کو دھمکاتے ہے ہر روز بہادر
پیچیدہ دروں اسکی ہیں یا دیگر — روی ہے کہ نام اسکا رکھے گوز بہادر
مزے کی بات تو یہ ہے کہ بے خزاں ہے وہ طل — تمہاری بے مزگی کا جیسے مزہ نہ لگے
با این صیاد ستمگر گو گلے لگ جائے — ستم ستم نہ لگے پھر جفا جفا نہ لگے
ہمارے خانہ دل پہ کڑی کی ہے تجویز — کڑا اگر ہو غم عشق پھر کڑا نہ لگے
سنے جو قصہ بے خوابی دل مضطر — جنون عشق زلیخا تجھے خفا نہ لگے
لگی گر گرمی حسن بت پُرفن کو لگے گی — یا بنی کا ہے مرض چشم برہمن کو لگے

خطا قتل سے جب غریب ہی بھاگ گئے — بھاگ تری اے میرے قاتل میری گردن کو لگے
شیر بکری کا سا نقشہ کروں کیوں کر منع — کھیلتے غیر سے جدم وہ اترن کو لگے

ـه ۔ یہ غزل صرف نسخہ "د" میں ہے۔

ربط ہے مجھکو خط جانانہ سے
آشنا ہوں سبزہ بیگانہ سے
بسکہ یاد سر زلف بت ترسائی ہے
ابتو کار دم عاشق بھی چلیپائی ہے

قلیانِ نقرہ شب کو نہیں پیش یار رہے
نزدیک مہ ستارہ دنبالہ دار ہے
زاہد ہے بہت پاس ادب کا تجھے کم پاس
اس ضعف حرم میں تو حرم میں ہے حرم پاک
نہیں وہ برق جہاں سوز ابرو باراں ہے
رباب ہو تو بجا ہے کہ رعدِ نالاں ہے

میں خریداران کا ہوں جسکا یہ مجھ پر وا ہے
اسکو میں دار وں کہ جو میری خریداری کرے
مرگیا ہوں عشق میں پردہ نشیں کے ہم نشیں
گرد تربت چاہیئے پردہ کی تیاری کرے
ذکر جو نے شیر ہر دم اسلئے عاشق سے ہے
تا وہ غیرت سے ہمیشہ گریہ و زاری کرے

قطعہ

ایک محلہ کو جگایا کھانس کر
جب بلایا میں نے شب کھنکار کے
آج زیر غرفہ پردہ نشیں
یہ صدا نکلی دلِ بیمار سے
جو نہ دکھلا دے ہمیں دیداریاں
وہ رہے محروم کل دیدار سے

دل میں تیری مانگ کے نالاں ہوں کہ یار
نالہ نصف شب البتہ اثر کرتا ہے

ولہ

رحم کھا دل ہائے خواں پر خدا کے واسطے   گھنڈیاں انکی تبا بند قبا کے واسطے
یہ خدا نے دن دکھایا شب وصل اے قمر   تو خدا کے واسطے مت دے خدا کے واسطے

ولہ

میل کیا ہے اوسے دل کی اوسے تلاش ہے   اس کی معاش ہے یہی ایک وہ بد معاش ہے

ولہ

میری غزلیں مت لکھاؤ میرے یار تند خو سے   ہر غزل میں لکھتا وہ دل میرے لہو سے

ولہ

سوراخ ہوا دل میں اور چشم بھی ہوئے ہے   یہ رشتۂ مریم ہے وہ سوزن عیسیٰ ہے

ولہ

میری بات چیت اس سے احساں کہاں ہے   نہ اس کا وہاں ہے نہ مری زباں ہے
وہ تیرا کشتی ہے جس نے یاں ڈبوئی ہے   کہ سرخ روئی دنیا سیاہ روئی ہے

بجھی تو عشق میں ان کی ہی خو آنسو بہانی کی
یہ خوبی ان کی دیکھو کہتی ہیں آنسو بہانی کی

رباعی

درگاہ تیری ہی عیدگاہ عالم
عالم یہ کہی ہی اے پناہ عالم
عالم میں ہی رسم عید جبتک تب تک
شاہ عالم ہی رہوی شاہ عالم

تاریخ تذکرہ ریختہ میر محمد خاں سرور برادر زادہ نواب مجد الدولہ بہادر

سخن پرورا مخلصا سرورا
پڑھا آپ کا میں نی سب تذکرہ

بہ شیرینی جامی خوشش کلام
کہ ہم نام احسان ہی وہ نیکنام
بکیفیت جام پیر مغاں
باہنیت ملک عشق بتاں
نہیں تذکرہ ہی یہ بستان ہند
پسند دل میرزایاں ہند
معطر ہوا اس سی ہندوستاں
یہ ہی بوستاں لائق دوستاں
جدھر دیکھو وہاں یاسمین سمن
خیاباں خیاباں چمن در چمن
عجوبہ ہیں گل اور تماشا ہیں نخل
خزاں کا نہیں اس گلستاں میں دخل
ہر اک صفحہ ازبسکہ ہی دل کشا
طرب انتما و مسرت فزا
یہ تاریخ اس کی ہی اے مہرباں
سرور دل شاعراں زماں

قطعہ

دکھایا زلف کا عالم تو بس پیرایہ علم ہے ‏ ‏ ‏ اساس صبر برہم ہے بنائے عقل درہم ہے
نہیں ہے خرمی زیر نگیں تاج داراں ہے ‏ ‏ ‏ اگر شاہِ جہاں یاں ہے برائے نام خرم ہے

قطعہ

نہ سنو ایک جو دشمن ہزار بار کہے ‏ ‏ ‏ خدا کیے و محبت کیے و یار کہے
عنان صبر نہ دے کف سے بحر الفت میں ‏ ‏ ‏ سمند ہمت عالی نہ زینہار تھکے
نہ دو جو بوسہ رخسار دو اجازت آہ ‏ ‏ ‏ کہ آہ راہ یہ کب تک امیدوار تکے
ہزار بار آئے شب کو ہم تیرے در پر ‏ ‏ ‏ نہ بیم غیر سے لیکن تجھے پکار سکے

قطعہ

عشق کی دولت سے جب غش سا مجھے آجائے ہے ‏ ‏ ‏ آپ وہ رکھتے ہے اور تمھے یہ ہلائے ہے
گرمیٔ الفت سے آنسو چشم تر برسائے ہے ‏ ‏ ‏ پہلے گرمائی ہے پیچھے جسطرح مینہ آئے ہے
محتسب بھی پی کے مے لوٹے ہے میخانے میں آج ‏ ‏ ‏ ہاتھ لا پیر مغاں یہ لوٹنے کی جائے ہے
آہ پیچان اپنی ایسی ہے کہ جسکے پیچ کو ‏ ‏ ‏ پیچواں نیچا بھی تیرا دیکھ کر خم کھائے ہے

فرد

بے ستوں سے سر پٹکتا کوہکن ہر چند ہے
خندہ اس کے حال پر تا کوہ خنداخند ہے

قطعہ

اس در سے کہاں جاؤں کیا میرا کہیں گھر ہے
گھر ہے تو یہی گھر ہے در ہے تو یہی در ہے

فرد

بلائے جاں ہے شب وصل میں نظارہ صبح
یہ محشر قیامت ہے یہ ستارہ صبح

فرد

نہ پایا گاہ قابو آہ میں نے ہاتھ جب ڈالا
نکالا میرے مجھسے جت تیرے پستاں کا منہ کالا

فرد

الفت میں تیرا رونا احساں بہت بجا ہے
ہر وقت مینہ کا ہونا یہ رحمت خدا ہے

فرد

ایک بوسہ سے مراد دل ناشاد تو دو
کچھ نہ دو ہاتھ سے پر منہ سے مری داد تو دو

فرد

کوری سے نہیں آنکھ وہ بے آب ہوئی ہے
تیغ نگہ یار سیاہ تاب ہوئی ہے

قطعہ

ہوں فضل حق سے وہ دریکتائے بحر فضل
افضل سمجھ کے ہیں میرے طالب شہ و گدا

ایسا ہوں میں یگانہ آفاق ہاں نہیں
مجھ سا تو اس سرائے سپنجی میں دوسرا

طوطی ہند کہوے ہے جگ جگ تو جی یہاں
کہتی ہے اوج بلبل آمل کہ مرحبا

احسان نہ ملک محسن طبع رسا ہوں میں
بڑا ہوں نارسائی طالع سے نارسا

اب تو نسب کو سن کہ میرا جد ہے بالا یقیں
عم رسول حضرت عباس یا خدا

لیکن ہوں میرے سامنے بے قدر اسقدر
تیرا نہیں قصور میری ہے یہی سزا

جرم من است پیش تو گر قدر من کم است
خود کردہ ام پسند خریدار خویش را

مقطعات عرایض بخدمت حضور اقدس و شاہزادگان مقدس

اے ملک اے پناہ جملہ ملوک
فلک مرتبت ملک کردار

تجھ سے آباد ہے جہاں آباد
اے جہاں کرم جہاں وقار

گر تو مہر فلک سے منہ موڑے
تیرے پاؤں پہ وہ رکھے دستار

جو تخلص کو تیرے ورد رکھے
نہ شکست اسکو ہو کبھو زنہار

میری طبع غیور یہ کچھ مطلب
نہ کسی سے کہے کم و بسیار

عرض احوال بادشاہوں سے
بادشاہا نہیں ہے لیکن عار

قطب صاحب تھے قبل ازیں جو حضور   بہ زیارت برائے سیر و شکار
یاں شکار اپنی ہو گئی تنخواہ   سیر یہ ہے یہ گل کھلا ایک بار
کہا جس لالہ سے لا تنخواہ   وہی لالہ ہوا گلے کا ہار
لالہ جیو ان سے ہو گئی یہ لوٹ   پوست کھینچیں تو وہ نہ دیں زنہار
بلکہ دھمکائیں الٹے وہ مجھ کو   کہ رہیلہ ہے بان کا اب مختار
سردی اہل علم ہے یکسر   لوٹ کی اب ہے گرمی بازار
اور مختار کا تھا یہ احوال   نہ تو اقرار تھا نہ کچھ انکار
اب تو اس کا پتہ نہیں ملتا   اب کی تنخواہ کا کیا تھا اقرار
بادشاہا پناہ ملت و ملک   باعث مقصد حضار و کبار
میری تنخواہ کم بہت ہے مجھے   آج دس بیس اور کل ہیں ہزار
جب در ماہہ ہی لٹ گیا میرا   میرے نوکر ہی مجھ سے ہیں بیزار
صبح کو میں کہوں کہ آنا تم ......   شام کو آوے گھر سے خدمتگار
آتے ہی کہویں کھیچڑ دلواؤ   بھوک کے مارے نکلے ہے آچار
جب کہ بنیں کو لیکے چلتے ہیں   ہیں جو زر غل سے بیار پانچ کہار
ان کا معمول ہے کہ دوڑتے وقت   منہ سے بھرتے ہیں اپنی کچھ
اپنی ہوں ہوں تو ساری بھول گئی   یہی کہتے ہیں وہ پکار پکار
وقنا ربنا عذاب الجوع   وقنا ربنا عذاب النار
جب یہ صورت بنی تو بنیے سے   قرض کے واسطے کہا ناچار
کہ غریبوں کو بانٹ دوں تنخواہ   بنیا راضی ہوا بصد تکرار

اتنے میں بول اٹھی بنین یہ
کیوں گنواتا ہے اپنا تو گھر بار؟

بکھا مورکھ ہے تیری عقل گئی
قرض دینے کو تو ہوا تیار

اس کی تنخواہ ہے حویلی میں
اسے پنوتے اسے نہ دے تو ادھار

میرے شاہا ہے تجھ سے دو مطلب
یار مجرا و دولت دیدار

سو کہاروں بغیر ہے مشکل
سو کہاروں بغیر ہے دشوار

ان کی تنخواہ دوں کہاں سے میں
آپ جب اس طرح کا ہوں ناچار

ویسے احسان سے ہے تجھے رغبت
دل احسان ہے تیرا شکر گذار

تیرے احسان کو جو نہ دیکھ سکیں
ان بخیلوں کو ہو خدا کی مار

نام احسان رہے نہ دفتر میں
چاہتے ہیں کئی یہ بد اطوار

اور میں کیا کہوں غریب نواز
ہیں غریب اور یہ غریب نواز

بحر یہ اور ردیف و قافیہ اور
اب غزل کے پڑھوں کئی اشعار

آتے ہی بس سنائی جانے کی
تجھکو خو ہے میرے کڑھانے کی

یاں ہماری تو جان سوکھے ہے
واں پڑی اسکو پان کھانے کی

شوق سے مجھ سے یوں بگڑ بیٹھو
لیک ٹھہرے نہ منہ بنانے کی

نام رکھو نہ اپنا ہرجائی
نہ قبا پہن چارخانے کی

زلف کو چھیڑتے ہی کہنے لگے
ہے یہی بات مار کھانے کی

زندگی میں باایں تپاک اخلاص
روز دہشت ہے روٹھ جانے کی

بعد مرگ آہ تجھ سے کس کو امید
جان من فاتحہ دلانے کی

مستعد بدی ہوا وہ ہے
جس سے ہم نے کی یہاں سدا نیکی

نیکیاں کرتے ہو بدی حاصل
بہت تیرے آخری زمانے کی
یاد مسجد میں آئے گی احسانؔ
کیفیت اس شراب خانے کی

کھولوں دروازہ دعا کو میں
قافیے پہلے پھر ہوئے درکار
جب تلک مہر و ماہ چرخ پر ہوں
جب تلک ہو جہاں میں لیل و نہار
جب تلک ہیں یہ آسماں و زمیں
جب تلک دشت ہوویں اور کہسار
جب تلک فصل گل ہے سال بسال
جب تلک ہے جہاں میں نام بہار
گل مقصد بہار پُر ہو تیرا
اور نخل مراد لاوے بار
ابر نیساں کی طرح دنیا میں
تیرا دربار ہو سدا دُر بار
یعنی دنیا ہو اور بہادر شاہ
بہ طفیل محمد مختار

قطعہ بداہتی البدیہہ برائے بہادر شاہ بادشاہ غازی

وہ خورشید چرخ شہی تو ہے شاہا
کہ تیرے سبب سے ہے گھر گھر اجالا
بہت بار احسانؔ نے شاہا دعا کی
کہ باری کی تپ کھو دے باری تعالےٰ
تو بار درخت دعا میں لگا بار
کہ یک بار اس بار غم سے نکالا
سوا سو برس تک تو جیوے الٰہی
تیرا حکم جاری تیرا بول بالا

قطعہ فارسی

برائے بہادر شاہ بادشاہ غازی فرمودہ

نوید دو فتح مبارک شاہا | ترا می دہد سوئے احسان نگر
یکے فتح دنیا دیگر فتح دیں | دلیل است پیش فتح ظفر

قطعہ عریضہ ہذا بخدمت اکسیر خاصیت مرزا صاحب عالم محمد عالی بخت بہادر

حماک اللہ نسیم صبح گاہی | جزاک اللہ ہو سوئے قلعہ راہی
نہ سیم و زر سے تجھ کو گر کیا شاد | نہیں جانے کی نیکی میری برباد
ہوا خواہی اپنی تو نظر کر | سوئے خانہ عالی گذر کر
یہ کہہ عالی سے عالی بخت کو ہے | کہ الوند وفا یک لخت تو ہے
کف ہمت در دریائے احسان | کرم گستر کرم فرمائے احسان
سراسر تو وفا سے ہے کرشتہ | سرشت نیک سے مثل فرشتہ
وہ عالی رتبہ تو ہے شاعری میں | دری ہے تیری دم کبک دری میں
طبیعت دی خدا نے تجھ کو عالی | ثنا خواں تیرا نعمت خاں عالی
لکھوں کیا حال میں حشمت مآب | معالی منزلت عالی جنابا
تیری خدمت سے ہوں ناچار مجبور | کہ رنجوری سے ہاتھوں میں ہوں مجبور
ولی تجھکو سدا ہے خیال میرا | جزاک اللہ فی الدارین خیرا
زیادہ کیا کہوں اپنی کہانی | قوی سستی قوی ہے ناتوانی
چلوں کیوں کر سوئے بزم عالی | بدل ہے آرزوئے بزم عالی
سنوں تیرے دہن سے شعر تیرا | الٰہی غنچہ امید بکشا

حواس خمسہ سے میرے پا بگل ہیں
اگرچہ خوار ہا سو گرد دل ہیں
نہیں دولت سے تیری دل خراشی
الٰہی تا جہاں تو زندہ باشی

قطعہ تاریخ مصنفہ در جواب قطعہ مصنفہ شاگرد رشید صاحبِ عالم مرزا محمد قادر بخش المتخلص بہ صابر

حیا بہ صابر ے رشک صبوری و صبرے
یہ کہیو میری طرف سے کہ اے بلند مقام
وہ قطع قاطع صغریٰ غم جو بہو نچا تھا
پڑھا ہے اس تیرے مخلص نے حرف حرف تمام
پسند خاطر احسان نہ کیوں ہوا تیرا سخن
کہ تو سلیم طبیعت ہے اور کلیم کلام
حقیقتاً ہے کہ اصلاح روبرو ہے خوب
یہ خوب سمجھو کہ ہے خوب کا تو خوب انجام
نہیں ہے شبہ کہ استاد بھی ہے مثل پدر
شفیق و خیر طلب باعث نکوئی نام
نصیب تجھ کو ہو یا رب سعادت ابدی
سعید تجھکو یہ عید الضحیٰ علیک السلام

قطعہ در ایامیکہ الٰہی بخش خان معروف از اعتراضات مفسدان اعزم ترک شعر گفتن کردہ

صبا تو کیجیو آہنگ خدمت معروف
یہ اس سے کہیو کہ اے عندلیب خوش آہنگ
تو رنج شورش زاغاں سے ہے گلستاں ہیں
نہ کیجیو ترک ترنم کا یک شب آہنگ
وہ شہ شوار ہے تو عرصہ فصاحت کا
مقر ہیں اہل حفا ہاں ندوم و ہند و خرنگ

عنان اشہب معنیٰ ہے تیرے کف میں سدا
سدائے سگ میں نہ ہو تا تو زنہار یہ تنگ

ہر آن کہ خاطر تو بے سبب برانجاند
ز قصر بخت زمیں تا بہ اوج بغت ادرنگ

ز ترک تازہ در خانہ تناسل او
شکستہ باد بہ گوپال قاضی کیرنگ

در تاریخ انتقال مولوی محمد مرتضیٰ ریاضی داں کہ استاد مصنف است گوید

میرا چراغ دل کا ستمگر بجھا دیا
داغ فراق مولوی مرتضیٰ دیا

ای چرخ فتنہ گر یہ ستم تو نے کیا کیا
رنج و غم و الم کا مجھے مبتلا کیا

وہ یادگار دورۂ ماضی کہاں گیا
طاوس باغ علم ریاضی کہاں گیا

وہ عالم و محدّث و حافظ کدھر ہے آہ
کس طرح کھینچوں آہ پھٹا جگر ہے آہ

قہرِ خدا میں تو ہو گرفتار ای اجل
اٹھ جا وی یوں جہاں سے وہ فاضل اجل

ای تم ہماری درد کی درماں کدھر گئی
احسان کو چھوڑ قبلۂ احساں کدھر گئی

ماہِ صفر میں گرچہ سفر سے حذر کیا
آخر صفر ہوا تو پھر آخر سفر کیا

جس ماہ میں گئی تھی محمدؐ خدا کے پاس
پہونچی اسی مہینے میں یہ مصطفیٰ کے پاس

تاریخ میں نے یہ کہی احسانؔ وفات کی
یوم الوفات ان کا ہے پہلی وفات کی

قطعہ ہذا در ہجو قلق

فکر میرا ہے آسماں پرواز
لامکان یہ و لامکاں پرواز

مجھ سے اڑ کر عدو کہاں جاوے ۔۔۔ جس جگہ جاوے جوتیاں کھاوے
شہرہ اپنا عدو کو ہے منظور ۔۔۔ چل قلم نام اس کا کر مشہور
آپ جنجال میں پڑا وہ پلید ۔۔۔ برا ہوے خود نابید
ہجو میری زباں پہ آنے لگی ۔۔۔ روح سودا کی تھرتھرانے لگی
قلق ابن قلندر ناجی ۔۔۔ ایک بوگر ہے ایک گڈّامی
ایک مچھندر ہے شہر کے اندر ۔۔۔ ہے قلندر کے گھر میں وہ بندر
نام بندو ہے اسم زن ہندی ۔۔۔ وہ تو خندہ ہے اور یہ خندی
میر خاں کا ہے شہر میں بازار ۔۔۔ جوتیاں گانٹھتا ہے واں وہ چمار
کون خر گاو ریش ہے وہ سگ ۔۔۔ خوک بھی رہوے ایسے سگ سے الگ

قطعہ

حکم انگریز ہے کہ سگ ہیں پلید ۔۔۔ ایک رہوے نہ مثل نسل یزید
کنجروں کو عجب دیا بُتّا ۔۔۔ شہر میں رہ گیا ہے یہ اک کُتّا
کیا قلم ہاتھ سے اسے ڈالوں ۔۔۔ تیرے استاد کو بھی لے ڈالوں
ہجو کیا کہہ کے میں اُسے دوں گُل ۔۔۔ پا بہ گل ہے وہ آپ ہی پاگل

قطعہ ہذا بہ ہجو محمد بیگ کہ خدمت لاوارثی داشت

کسی نے پوچھا شیطان سے ہاں اے لعین سچ کہہ ۔۔۔ جو تو مر جاوے شاید کون ہے تیرا بتا وارث
لگا کہنے کچہری میں دیوانی کی ہے دلّی میں ۔۔۔ میرا سالا میرا وارث محمد بیگ لاوارث

قطعہ ہذا بہ ہجو قرض خواہاں

نہیں ہے نقد دم نقد ادائے قرض ہے قرض
ہزار رنگ بدلو بہ رنگ حرب رنگ
ادھار ہی پہ گذارا ہے مجھ سے مفلس کا
جو نقد چاہو تو لو نقد قاضی کے رنگ

قطعہ ہذا بہ ہجو شاعری کہ در بزم سخن وران فرمائش اشعار ہندی کردہ ناپسندید۔ بہ ایں وجہ بودہ"

کسی بزم میں شاعر سادہ رُو
لگا کہنے مجھ سے وہ ماہ رُو
باایں تمکنت شعر ہندی کہو
کہو فارسی ورنہ خاموش رہو
پڑھی میں نے مشکل سے اشعار جب
خجل ہو کے مجھ سے لگا کہنے تب
روِیّہ یہ شوکت کا بھاتا نہیں
ہمیں شعر ایسا خوش آتا نہیں
کوئی شعر سعدی بھی ہے تم کو یاد
کہا میں نے اے دخت ہندی نژاد
چو دانی تکبر چرا می کنی
خطا می کنی و خطا می کنی
تو ہندی ہے احسان کیا کردام
کہ اب فارسی کی ہے تم کی تمام

قطعہ

جو اہل تسنن پر آوازہ کسے ناحق
شاگرد ہے شیطان کا ابلیس مقرر ہے
مردود ہے ملعون ہے مطعون خلائق ہے
مسلم نہیں مشرک ہے مومن نہیں کافر ہے

قطعہ ہذا در ہجو شخص پنجاب بہ فرمائش دولتے فرمودہ

ایک جوان ساکن پنجاب تھا   شدت شہوت سے وہ بیتاب تھا
ایک ہی تھا پانچ ہزاروں میں ایک   اپنی ہی گون کا تھا گوروں میں ایک
باکرہ ایک شخص کی دختر تھیں پانچ   ایسا اجڑا ان کی نکالے ہے کانچ
ان کا پدر بارخ پر درد و سوز   بیٹھ کر سہا اپنا فرد
گبرو مسلمان ایک آبی اند   والے برآن قوم کہ پنجابی اند
سن کے ہوئے جمع مسلمان وہاں   باپ کو ان کے یہ کیا قلتبیان
کف بہ رخ و ریش زباں را بہ بند   گبرو مسلمان ایک آبی اند
خلقت گبر است ز آپ پلید   اے تو یزیدے و پدرت ہم یزید
کفر چو بول است گلاب است دیں   سوی ابو جہل و بہ پیمبر بہ بیں
جب نہ وہ اس رمز سے ماہر ہوا   اتنے ہی میں حجام بھی حاضر ہوا
ریش کو اس بوڑھے کی مونڈا کیا   اس کا بھی اس نے وہیں کونڈا کیا

قطعہ ہذا برائے نواب ظفر الدولہ اصغر علیخان بہادر

صبا یہ کہیو ظفر الدولہ سے بصد اعزاز   کہ امر خیر میں تیری رہے قلم جاری
خلاف وعدہ احسان زبون ہے اے مشفق   زبان سے اپنی کہا تھا مجھے کئی باری
کہ جب کہ آئے گی تنخواہ حسب حکم حضور   دو ماہیہ وہ بھی یہ تنخواہ لیجئے ساری

وہ شکر ہو نہ میدل شکایتوں سے کہیں
بدل ہو وی وہ دلداری با دل آزاری
آئینہ آئین ایثار رکھتا ہوں
میں صاف گو ہوں نہیں آتی مجھکو مکاری
تو گل ہے گلشن دربار بادشاہی میں
ولی چو غنچہ زبان درہنتہ زبان داری

قطعہ

کو زبان گلہ کیا شکوہ قلم سے لکھوں
یک قلم خط جو نہ لکھے مجھے کیا میری خطا؟
از زبان قلم نیست .بروں نام کسے
کز زبان قلمش گرچہ بروں نام مرا

قطعہ ہذا بہ صادق علی خان خسر نواب اعتماد الدولہ میر فضل علیخان در لکھنو

برائے ملاقات

کہیو نواب سے اے مخلص صادق میرے
شہر میں تیرے عجب طرح کا دیکھا ہے رواج
نام احسان سے یہاں ننگ ہے آتا سبکو
تنگ ہوں میری ملاقات نہ کل ہوی نہ آج
فرض کردم کہ بیاد تو الم خرسنداست
لیکن این دیدہ دیدار طلب را چہ علاج

قطعہ ہذا بہ نواب مذکور بہ بے مزگی نوشتہ

صبا یہ کہیو تو فضل علی سے اے نواب
کہ قدر نعمت احسان نہ تم نے سمجھی حیف
جو اپنی فیل سواری کا آپکو ہے گھمنڈ
شروع کرتا ہے بندہ بھی اب الم ترکیف

قصیدہ در جشن حضرت شاہ عالم پادشاہ غازی

عروس طرب نی مجھکو دکھا کی جمال ۔ خوشی سی ہو متبسم کہا کہ اُٹھ فی الحال
جمال دیکھ کی میں محو ہو گیا اس کا ۔ وہ قد تھا یا کہ گلستان خلد کا تھا نہال
کبھی جو صفحۂ گلشن پہ وہ خراماں ہو ۔ نہال قامت دلجو سی اسکی ہو وے نہال
وہ رُخ کہ جس کا ہو پروانہ ماہ پھر دیا ۔ چراغ لیکی جو ڈھونڈی نپاوی بدر کمال
جبین مثل سہیل یمن درخشندہ ۔ سہیل و مشتری و زہرہ جس سی ہوں خوشحال
وہ بینی جس سی کہ خود بینی بھول جاوی الف ۔ ہزار راست ہو پاوی اسکی آگ مجال
یہ بولا دل مرا اس وقت ان بھوؤں کو دیکھ ۔ نظر پڑی ہیں کسی کو بھی ایک جا دو ہلال
وہ چشم یا کہ پیالی ہیں بزم عشرت کی ۔ شراب عیش و نشاط و طرب سے مالامال
پلک کو دیکھ نہ اک پل پلک سی لگی ۔ وہ خال جس کا ہی خواب میں بھی دلکو خیال
وہ خال اس لب جان بخش عیسوی دم کا ۔ بجا ہے گر کہوں کوثر پہ ہی مقیم بلال
نہ مجھ سی اس دہن کی ہو وصف ۔ بصد زباں ہو جسی دیکھ غنچہ و گل لال
نہ ہووی گوہر دنداں کی مجھ سی وصف رقم ۔ کہ جس کا عکس ثریا ہی اس خجستہ خصال
ذقن نہ سیب سی کوئی بھی فقط لے جائی ۔ صفا سی سینہ بھی رخشندہ آئینہ کی مثال
وہ گردن اس کی کہوں یا کہ شمع محفل نور ۔ وہ دست دست پہ پہنچا ہو جس تلک کہ محال
وہ پنجہ پنجۂ خورشید جس سی شرمندہ ۔ کری جو ہمسری ناخن سی کیا مجال ہلال
جو پہنچی دست تمنا اس پری کی پہنچی تک ۔ یہ سخت امر ہے دشوار اور بہت اشکال
وہ ساق سیمین تھی یا ایک ستون خانہ ۔ غرضیکہ زور تھا حسن اور عجب پری تمثال

عجب شکوہ عجب شان عجب انداز — تمام عشوۂ ناز و کرشمہ غنج و دلال
بصد نیاز کہا میں نی ای سراپا ناز — تو کون ہی مجھی بتلا یہ شکوہ و جلال
کہا کہ نام ہے میرا خوشی شی ہو تو — کہ میری نام سی بھاگی ہی درد و رنج و ملال
یہ مژدہ ہی کہ تو لی مژدہ و تہنیت اب لکھ — برای جشن شہ خوش خصال و نیک افعال
یہ سنکی مژدۂ جاں بخش میں روانہ ہوا — طرف حضور کی مطلع ہی لکھا فی الحال
بحق احمد مختار ایزد متعال — رہی معین ترا بالغدو والآصال
شہان دہر کی شان و شکوہ تجھ سی کہاں — کہیں بھی ہووی ہی ہموزن کوہ سی مثقال
صلاح کار نہ پوچھی زمانہ کیوں تجھ سی — طبیب سی رکھی مخفی سقیم کیوں کر حال
ہر ایک کیونکہ نہ اقبال ترا امر کری — تری کنیز ہی حشمت ترا غلام اقبال
صبا سی سنکی چمن میں نوید جشن شہا — ہر ایک بوٹی سی قدسی ہی گرم رقص نہال
بہار گاتی ہی طبلی بجاتی ہیں غنچہ — عجب بہار سی برگ و شجر ہیں دیتی تال
نسیم دی ہی گل اشرفی کا جب انعام — گل سی دیتی ہی چینا گلی کو تب کچیال
کھلی ہی ہر گل و بلبل شہا گلستاں میں — یہ سال تجھکو مبارک ہو اور ہزاروں سال
جہاں پناہ تمہاری سوا نہیں ہی کوئی — پناہ جان خلائق جہان عز و جلال
مثال کحل جواہر سمجھ کی ...... دیتی ہیں — تمہاری خاک کف پا کو آنکھ میں کحال
نہ ٹھہری فرط سخاوت سی تیری ہاتھوں میں زر — نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال
شتاب درج دہن سی در دعا احساں — بی نثار شہنشاہ کمانگار ..... نکال
مدام کوکب اقبال رہوی تابندہ — ہمیشہ ہووی درخشندہ نیر اجلال
تمام ملک خدا دیوی تیری قبضہ میں — سدا مخالف بیدین ہوں تیغ غم سی نڈھال

مثال حضرت تیمور تیری حکم میں ہو
لگا کی شرق سی تا غرب ہم جنوب و شمال

مسدس در صحتِ پادشاہ جم جاہ شاہ عالم پادشاہ غازی گفتہ

تمام شہر میں ہے جا بجا مبارک باد
صدا اگر ہے یہی صدا مبارک باد
بجا ہی عرض کروں گر شہا مبارک باد
یہ صحت اور یہ فضل خدا مبارک باد

کشائش گرہِ مدعا مبارک باد
ثمر فشانی نخلِ دعا مبارک باد

زبان پہ میری ہی شکر خدائی عز و جل
کہ تیری طبع مقدس کا سب گیا ہی خلل
یہ غم سی میرا ہی پیغام شہر سی تو نکل
ہوئی ہی مجکو تو کل رات سی نہایت کل

برید باد صبا دوشم آگہی آورد
کہ روز محنت و غم رو بہ کوتہی آورد

ہمیشہ باب شفا تیری رخ پہ رہوی ناز
کہ تیری ذات ہی شاہا عجیب غریب نواز
الٰہی عمر تیری ہووی مثل خضر ...... دراز
دعا یہ دی ہی تجھی روح حافظ شیراز

تنت نیاز طبیباں نیازمند مباد
وجود نازکت آزردہ گزند مباد

دیا ہی کام دل اس شاہ مرو کا بنی آج
دکھایا منہ کی تن عیس بی حساب نی آج

سزد کہ رقص کند آسمان بروی ہوا
کہ شد مراد مہ و کام آفتاب روا

خدا کا حفظ رہے تیری جسم اور جاں کو — کہ تجھی فیض ہی شاہا ہر ایک انسان کو
خدا رکھی تیری حشمت اور ایماں کو — تو جانی یا کہ نہ جانی یہ تیری احساں کو

بجز دعائی بقائی تو نیست کار دگر
خدا کند کہ نہ گردی مریض بار دگر

مسدس در منقبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و در منقبت محمد مرتضیٰ علی صلی اللہ علیہ گوید:—

مصطفیٰ و مرتضیٰ کی فرض ہی مجھپر ثنا — وہ مراحاجت روا اور یہ مرا مشکل کشا
جان و تن سی جھگڑی ہوتی لگی یارب جدا — دمبدم نکلی مری منہ سی یہی اسدم صدا

یا محمد یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ

کفر سے بیماری سی اور فقر سی رکھتا ہوں بیم — صحت و حشمت ہو یہاں جنت میں وہاں کیں کی مقیم
ہر دعا مقبول میری یا غفور و یا رحیم — یا قریب و یا مجیب و یا سمیع و یا علیم

یا محمد یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ

آل اور اولاد میری صاحب ایمان ہو — ناصرِ اسلام ہو ہم حافظ قرآن ہو
اور مجھ پر مشکلِ جاں کندنی آسان ہو — ہم عذاب قبر سے محفوظ یہ احسان ہو

یا محمد یا نبی یا مجتبیٰ یا مصطفیٰ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا مرتضیٰ

مخمس در منقبت حضرت محی الدین جیلانی عفر اللہ تعالے

میں اپنی قطبِ ربانی کے صدقے میں اپنی غوث لاثانی کے صدقے
میں اپنی مونسِ جانی کی صدقے میں اس محبوب سبحانی کی صدقے
محی الدین جیلانی کی صدقے

وہی مقبول حق محبوب رب ہی وہی مہرِ عجم ماہ عرب ہی
محی الدین یہاں حسب کا لقب ہی وہ عبد القادرِ عالی نسب ہی
محی الدین جیلانی کی صدقے

تصدق ہوکی ہر اک کو سناؤں طوافِ کعبہ بس یہ ہی کہ جاؤں
شا دربار میں یار یاؤں تمہاری پاؤں آنکھوں نی لگاؤں
محی الدین جیلانی کی صدقے

برآی میری دل کی سب تمنا ہوئی حاصل مرادِ دین و دنیا
بصدقِ دل یہی کہتا ہوں ہرجا مجھی جو کچھ ملا سو اس کا صدقا
محی الدین جیلانی کی صدقے

مجھی روی مبارک کو دکھایا مجھی آتش دوزخ
مرا مقصودِ دل مجھکو دلایا مجھی اس شاہ جیلاں نی جلایا
محی الدین جیلانی کی صدقے

محی الدین ہی بیشک قطب عالم محی الدین ہی بیشک غوث اعظم
محی الدین ہی فخر نسل آدم محی الدین ہی ہمدہی میرا ہر دم
محی الدین جیلانی کی صدقے

مرید اس کا ہوں مجکو خوف کیا ہی — مریدی لاتخف اس نی کہا ہی
وہ نورِ دیدۂ مشکل کشا ہی — سرورِ سینۂ خیر النسا ہی
محی الدین جیلانی کی صدقی

تُو ید ہی مریدوں کا مقرر — غلام اس کی ہمیشہ ہیں مظفر
وہی ہیں محسنِ احسان مضطر — وہی ہی دستگیر روزِ محشر
محی الدین جیلانی کی صدقی

"مخمس در منقبت گوید"

گو تیرہ روزگار سدا مثل شام ہوں — بد اختری میں شہرۂ خاص وعوام ہوں
گر ہو تمہاری مہر تو ماہِ تمام ہوں — امید وار لطف کا تم سے مدام ہوں
یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

یہ وقت دستگیری ہی یا پیرِ دستگیر — کوئی سوا تمہاری نہیں میرا دستگیر
زندان درد و رنج میں ہوں رات دن اسیر — اس قید سی چھڑاؤ مجھی جلد میری پیر
یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

ہر شب جو فکر ہی تو یہ فکرِ معاش ہی — ہر روز روزی کی مجھی شاہا تلاش ہی
سب غم تو ہیں ولی یہ غم دلخراش ہی — سنگ الم سی سینۂ دل پاش پاش ہی
یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

تم سی ہی ساری پاتی شاہ و گدا مراد | در دانہ ہی سی تمہاری پھرا کون نامراد
مجکو بھی حکم کر دو کہ تو بھی لی آ مراد | مانگوں سوا تمہاری بھلا کس سی جا مراد

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

مفلس ہوں اندنوں ہیں عنایت ہو زر مجھی | ہوں تلخ کام دیجئی تنگ شکر مجھی
محتاج کیجئی گا نہ بار دگر ... مجھی | درکار ہی تمہاری کرم کی نظر مجھی

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

دیجی بشارت آکہ مجھی یہ کہ تو نہ رو | خنداں و شاد دل ہی سدا مجکو تم رکھو
دونوں جہاں ہیں رکھیو شہا میری آبرو | ہیں تم بغیر عرض کروں کس سی حال کو

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

پامال مدعی ہوں فقط یہ ہیں دعا | حرمت سی آبرو سی رہوں یہ ہی مدعا
جو میری سی دغا کری خود پای وہ دغا | جو رکھی خوش مجھی ای تم رکھیو خوش سدا

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

جس جا ملی گا حشر ہیں ای شہ تمہیں مقام | مجکو بھی پاس اپنی وہیں رکھیو تم مدام
تم بن جو خلد زیر نگیں ہو تو لوں نہ نام | غلمان سی اور حور سی مجکو نہیں ہی کام

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

کیا ہی عجب جو سب سی وہ عالی مقام ہی | دنیا ہیں آبرو سی ہی اور نیک نام ہی
یارو بجا ہی گر وہ خوشی سی مدام ہی | احساں کرامتیں ہی اس کی کلام ہی

یا پیر دستگیر تمہارا غلام ہوں

رُباعیات

تعظیم جناب اولیا ایمان ہے — ہے مظہر حق وہی جہاں انسان ہے
کر سجدۂ تعظیم بزرگوں کو ضرور — آدم کو جو سجدہ نہ کرے شیطان ہے

~

حامد علی پھکیت پھکیتوں کا استاد — وہ نزع میں فرشتوں سے بھی سامنے ہوا
نامہ جب اجل سے بھی اور اپنی جان دی — تاریخ وہ ہیں میں نے کہے رحمت خدا

~

احسان جو اجل سے کام تیرا بگڑے — اس وقت نہ ہو دل میں جہاں کے جھگڑے
یوں تو کلمہ پڑھے طوطا بھی ولے — ٹیں ٹیں کرتا ہے جب بلی پکڑے

~

درگاہ تیری ہے عیدگاہ عالم — عالم یہ کہے ہے اے پناہ عالم
عالم میں ہے رسم عید جب تک تب تک — شاہ عالم ہی رہو اے شاہ عالم

~

صوفی ہوں نہ واعظ ہوں نہ میں ہوں مُلّا — بلبل نہیں اے گل جو کہوں میں گل لا
وہ رند ہوں ٹل میکدہ دیریں میں — ملّا سے بھی کہتا ہوں کہ مُلّا مل لا

~

ہیں ایک حکیم جی یہ شکل طاعون — ہے رقص تقیہ، مجمل ان کا قانون
پڑھتے ہیں نفیسی اور خود ہیں وہ کثیف — نسخے ہیں عجیب اور طرفہ معجون

مخمس بر غزل حضور موفور السرور ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی ظلہ

دلا تو خوش ہے کہ آہ رسا نکلتی ہے — اگرچہ سرد ہے گرمی بھلا نکلتی ہے
وہ سرد سرد ہوا خاک کیا نکلتی ہے — کب آہ سرد دل مبتلا نکلتی ہے
بدن سے روح بھی ہو کر ہوا نکلتی ہے

بہ شکل ساغر پر خون ہے مرا لالہ دل — قضا سے سنگ مصیبت نہ ہو حوالہ دل
جو مستعد شکستن ہوا پیالہ دل — شکست دل سے خبر دے نہ کیونکر نالہ دل
کہ شیشہ ٹوٹتا ہے تو صدا نکلتی ہے

فراق زلف پریشاں بن دل پریشاں ہے — یہ حال درہم و برہم ہے دیدہ گریاں ہے
سرشک و لخت جگر لخت دل کا طغیاں ہے — وفور رشک ہے گویا کہ جوش طوفاں ہے
الٰہی چشم سے یہ کیا بلا نکلتی ہے

نہ نام خوشی کا لو کہہ دو یہ غمگساروں کو — ستاؤ تم نہ عبث ہم سے دوستداروں کو
ریا سے تنگ رہا عمر بھر ہے یاروں کو — بساط خاک ہی کافی ہے خاکساروں کو
کہ بوریا سے بھی بوئے ریا نکلتی ہے

بھر دل میں آہ و لیکن ادھر تو کیجے نگاہ — نہ کیجے گا شکایت میرا معاف گناہ
رقیب رویگا سر کو پکڑ بحال تباہ — کہاں ہے تاب و تواں یہ کہ دل سے نکلے آہ
نکلتی ہے تو وہ لیکر عصا نکلتی ہے

بس اب تو باد صبا کو ہے دعوئ اعجاز — کہ بخشتے ہیں وہ زلف بتاں کو عمر دراز
ہوا ز کیا کروں قصہ کہ ہے غریب نواز — نسیم خلد سے کرتی ہے کس طرح سے ناز

۱؎ یہ نظمیں صرف نسخہ ج و د میں ملتی ہیں۔

تیری گلی سے جو ہو کر صبا نکلتی ہے

نہ ایک دم شمشیر مجھ سے ہے غافل — کہ زخم تشنہ جگر آب کار سے سائل
کسی میں اتنا تو جوہر نہیں ہے الحاصل — کہوں میں کیا تیرا احسان تیغ اے قاتل
کہ زخم زخم کے منہ سے دعا نکلتی ہے

عجب ہے لطف ہے بجلی کہ اسکے بالوں میں — وہ خوبیاں کو نہیں ماہ کے بھی ہالوں میں
غرض وہ آئینہ رو تو ہے بے مثالوں میں — وہ مانگ جب کہ نکالے ہے سر کے بالوں سے
کمان ابر میں کیا خوشنما نکلتی ہے

لڑھا دے جام کو ساقی نہیں ہے صورت وصل — شراب ناب سے اولی مدام الفت وصل
یہ کیفیت سے تو خالی نہیں محبت وصل — بھری ہے دل میں کسی کے جو اسکے حسرت وصل
نہ جیتے جی نہ وہ بعد از قضا نکلتی ہے

لگی یہ آگ ہے دل میں کہ جل گئے مضمون — بجھائے کیوں کر یہ احسان ناتوان زبون
نہاں نہیں ہے عیاں ہے کہوں اگر نہ کہوں — ظفر چھپائے سے کیوں کر یہ چھپے ہے سوز دروں
کہ زخم سینہ سے آتش سدا نکلتی ہے

ایضا مخمس بہ حضور والا

ہر زخم دل یاں ہے گلستاں نئے نئے — اے وای کسکو چاہیے ایواں نئے نئے
داغ جنوں کی رنگ ہیں کچھ یاں نئے نئے — وحشت کی اپنی ڈھنگ ہیں کچھ یاں نئے نئے
دل چاہیے تھا روز بیاباں نئے نئے

لکھتا ہے عشق پھر مجھے فرمان نئے نئے　　کرتا ہے ظلم یہ دل بریاں نئے نئے
لاتا ہے سانگ دیدہ گریاں نئے نئے　　ہیں روز داغ سینۂ سوزاں نئے نئے
یہ گل کھلائے اے غم پنہاں نئے نئے

مجنوں وغیرہ یار دیئے عشق کو ہیں بھوگ　　کیوں کر رکھے نہ انکا دل سوگوار سوگ
خلقت نئی نئی ہے لگا دل کو غم کا روگ　　اگلی کہاں وہ مجلسیں اگلے کہاں وہ لوگ
جلسے نئے نئے ہیں اور انسان نئے نئے

یہ سوز عشق ہے مرا سینہ سراہیئے　　اوٹھے جو ٹیس دل میں نہ کیونکر کراہیئے
ان ناصحوں کی بات کو کب تک نبھائیے　　سلوان چاک جیب ہیں کبتک نہ چاہیئے
دست جنوں کو روز گریبان نئے نئے

خون جگر ہیں نہ بیٹھے مہمان یاں سبھی　　مہماں نوازیوں پہ ہوں غش اسکی ہر گھڑی
اس کارواں سرائے میں یاں تک ہے دنگی　　دنیا نہیں یہ منزل حسرت ہے اس پہ بھی
یاں آتے جاتے روز ہیں مہماں نئے نئے

ہے باغ باغ باغ میں ہر جانور سدا　　انگور سبز گوندنیاں سرخ جابجا
مرغ چمن کہے ہے یہ ہیں گھنگنیاں کھلا　　تسم کہاں ہے غنچۂ شگفتہ میں صبا
اس طفل نے نکالے ہیں دندان نئے نئے

کل دیکھ خار تسے میں مجھے اس نے یہ کہا　　دشمن سرائے بزم نئی پیش من بیا
تو ہے پرانا دوست نہیں ہر دم سا ما　　ہوتا ہے اور لطف نئی بات میں سوا
گرچہ ستم بھی ہوں تو مری جان نئے نئے

اندیس کہ میرے دل میں سدا آپ کا ہے ڈر   آیا نہ اس گلی میں کبھی میں بہ چشم تر
بیٹھے بٹھائے مجھ پہ یہ بہتان اس قدر   میں کب تمہارے کوچہ میں رویا تھا بیٹھ کر
تو اور مجھ پہ اٹھتے ہیں طوفاں نئے نئے

مرمر کی انکھڑیوں میں عجب ہیں کھلاوٹیں   تکس کس لگاوٹ سے ہیں   لگاوٹیں
ریچ و بیچ میں تیری زور بھرے ہیں کچاوٹیں   خالی نہیں ہیں آپ کی ہر دم بناوٹیں
میری خرابیوں کے ہیں ساماں نئے نئے

میں مولوی روم کی پڑھتا ہوں مثنوی   نغمہ کورتی سے آگ جگر میں ہے بھر رہی
ہے طفل نے نواز سے الفت نئی نئی   یہ سوز عشق ہے کہ نئی استخواں سے ہے
نکلے ہیں نالے اے دل نالاں نئے نئے

حق میں تیری دعا ہے یہ احسان کی ہر سحر   تخت شہی پہ حشر تلک تو ہو جلوہ گر
دیوانے وہ ہیں جو کہیں فکر سخن نہ کر   فکر سخن میں تیری کوئی دن میں اے ظفر
ہونگے جمع اور بھی دیوان نئے نئے

مخمس فارسی بر غزل ریختہ الٰہی بخش معروف

بر دہندی بستے زجا مارا   کشت آں شوخ دل ربا مارا
گفت در ہندی از ادا مارا   آہ وہ کون تھا خدا مارا
جس نے اس سے مجھے لگا مارا

مسدس برمطلع فارسی ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

گل و مل کا ہے گرچہ جوش و خروش — عزم توبہ تھا مجھکو لیکن دوش
سن کے بولا یہ پیر بادہ فروش — مطلع تازہ سن تو اے مدہوش

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بنوش

گل ہیں مے ہے کیا خدا مجھکو — بل نہیں زاہدوں کا ڈر مجھکو
ہے شکست ان کو اور ظفر مجھکو — یاد ہے مطلع ظفر مجھکو

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بنوش

اگرچہ توبہ ہوئی گلی کا ہار — ہارتے اس سے ہم نہیں زنہار
ہاتھ تو لاؤ ساقی سرشار — آج توبہ سے ٹرھیئے استغفار

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بنوش

غم نے دوڑائی گرچہ دل میں سرنگ — رنگ جان و جگر ہے رنگ برنگ
نوش دارو ہے یہ مے گل رنگ — نوش کرنے میں رکھ نہ اسکے درنگ

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بنوش

مے کشوں کا ہے ان دنوں میں راج   مے تائب ہوں یہ برا ہے رواج
توبہ توبہ کرو کدھر ہے مزاج   جوش ہی جوش ہے بہار کا آج

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

ہے بہار اور ہے بہار ظفر   ساغر بادہ پی بہار ظفر
دل کو توبہ سے ہاں نہ ہار ظفر   موسم توبہ اور بہار ظفر

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

اللہ اللہ کیا بہار ہے واہ   مے سے توبہ ہے اب تو سخت گناہ
نظر بد سے ہے خدا کی پناہ   مے بھی پیتا ہوں مے کو بسم اللہ

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

صبح ہے لاؤ مے کا بوئے سبو   لائی مے سے ہی اب روا ہے وضو
چھیڑ زاہد کو مطرب خوش گو   چھیڑ اس بیت کو ستار میں تو

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

کون ہے مے کش نظر مغاں   کہ ہے پیرِ مغان امیر مغان
دردِ صہبا سے ہے خمیر مغاں   گرد خم یہ ورد پیرِ مغان

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

کیفیت یہ ہے مئے سے اے احسان　　بادہ عشق حق مراد ہے یاں
یعنی پھر پھر بہار عمر کہاں　　آخرش ہو ئی یہ بہار خزاں

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست بادہ بہ نوش

خاتمۂ دیوان ہذا تصنیف مولوی امام علی مقتول سلمہ اللہ تعالیٰ

ہر نغمہ سرایان قانون اسرار و خطبہ خوانان منابر سطور استار کہ تفصیل لوائف الواح و صدور تہور جمہور کما ہوالحق در صدر فیض مصدر شان صدور یافتہ و فہرست حقایق صفایح تواصی خلایق بر مشارق ضمایر شان چون والشمس والضحیٰ جلوہ گر گشتہ محتجب نیست کہ ایں شگرف باغی است کہ بلبل شیریں کلام شیراز از کشف کیفیاتش بایں ترانہ مترنم گشتہ :-

فرد

روضۂ ماء نہرہا سلسال　　دوحۂ سجع طیرہا موزون
آں پر از لالہ ہای رنگارنگ　　ویں پر از میوہ ہای گوناگون

و نادر چمنی است کہ طوطی شکریں مقال ہندوستان از الہام حقایقش بایں نغمہ تر زبان شدہ :-

فرد

جری البدائع فی ہذہ المرسلات لما تبخرت الحور بین روضات

حدائق کفرادیس فی غضاضتہا کانہا سقیت من عیون جنات

وشگفتہ گلزاریست کہ طوبای بہشت بیادش طوبی لک می گوید۔ و فردوس برین حلقۂ لبیک بر درش می گوید، سرسبزی این روضۂ رضوان سرشت مینو سواد، وسواد سنبلستانِ این بوستان رشکِ ارمِ ہندی نژاد، فیضش بی زوال، وزوالش خیالِ تکلف برطرف اگر چمن طرازانِ بلاغتِ عرب قدمی بسیر این حدیقۂ علیا رنجہ فرمایند خلی نیر دارند کہ بجو دیہ داند، انصاف بالای طاعت اگر گلشن آرایانِ فصاحت عجم بہوایش دمی آسایند کامی نیابند کہ گامی بردانذ، سود اسود ازدہ بوی گلہائی این باغست، وولی آشفتہ دماغ نشۂ بادۂ این ایاغ، یعنی این محاضرات ذہن عالی طبعی کہ نیر سریع السیر فلک محاذی طبع روانش بطی السیر است، و آب وتابِ نیر اعظم مقابل سرچشمۂ قریحۂ وقادش اسود از رنگ نیر عقول عشرہ ہمچو نہ فلک در کششِ جہت این سہ پنجی سرای دودر کردیک گل چار باغ رای حسرت افزای ہشت بہشتش ہفت کرات می گردد، وخشک جو یبا عناصر وجرام از فیضِ احسانش سیراب می شوند:—

فرد

گو فلاطون کہ باہمہ سیفت تہ کند زانوی سبق خوانی

حواسِ خمسہ برونی از مشاہدۂ آب وتاب پرنزاکت رنگینی غزلہای دیوانش خمسۂ متحیرہ، وحواسِ خمسۂ درونی از لمعات مقطع ومطلعش در جوفِ دماغ شیرہ